دل و دماغ میں ہلچل کا ایک طوفان سا برپا تھا۔

وہ شہر کا مرکزی اور نہایت بارونق علاقہ تھا۔ اندھیری رات ہونے کے باوجود فٹ پاتھ اور سڑکیں اسٹریٹ لیمپس اور اشتہاری روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ ہوٹل سے نکلتے ہی اسے بائیں طرف کے فٹ پاتھ پر سلطان شاہ نظر آ گیا جو بہ ظاہر اپنے گرد و پیش سے بے پروا، سیدھا چلا جا رہا تھا۔

ہوٹل سے پیدل روانگی ویرا کے پروگرام کا بنیادی حصہ تھی۔ وہ دونوں الگ الگ سواری لیتے تو شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں ان کے ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے قوی امکانات ہوتے۔ شہر کے اس حصے میں آدھی رات کے بعد بھی سیاحوں اور شہر کے من چلوں کی خاصی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ پیدل سفر کرنے کی صورت میں ویرا آسانی سے سلطان شاہ پر نظر رکھ سکتی تھی۔

سلطان شاہ کو اس نے دانستہ آگے رکھا تھا۔ اگر تلاشی لینے والے کے بارے میں اس کا نظریہ درست تھا تو سلطان شاہ کو اس کا خاص ہدف ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں پیچھا کرنے والا سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان آ جاتا۔

سلطان شاہ فٹ پاتھ پر سیدھا چلتا رہا۔ اچانک وہ ایک جگہ فٹ پاتھ سے اتر گیا۔ اس کا ارادہ سڑک پار کرنے کا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا کی عقابی نظریں اس دراز قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گئیں جو سلطان شاہ سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ سلطان شاہ کے سڑک پر اترتے ہی وہ بھی لپک کر زیبرا کراسنگ پر چلا گیا۔

وہ ویرا کی پیش بینی اور منصوبہ بندی کی زبردست کامیابی تھی۔

اس کی نظروں میں آنے والا سفید فام اپنے خدوخال سے امریکی نظر آ رہا تھا لیکن اس کے بال لمبے تھے۔ اس کے بدن پر ٹی شرٹ اور گھٹنوں تک آیا ہوا نیکر نظر آ رہا تھا۔

سلطان شاہ چاہتا تو شہر کی روایت کے مطابق بھاگ دوڑ کر گاڑیوں کے درمیان سے سڑک کے پار نکل جاتا۔ بریک چیختے، کوئی ہارن بجاتا، کوئی اسے برا بھلا کہتا لیکن اسے راستہ مل جاتا۔ کوئی ڈرائیور اسے ٹکر مار کر گرانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ سڑک پر اتر کر یکا یک تھم گیا تھا۔ نیکر پوش امریکی تیزی سے سڑک پر گیا تھا۔ وہ کچھ آگے نکل گیا۔ رینگتے ہوئے ٹریفک کے درمیان اپنی راہ بناتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کا شکار اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑا۔

ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں کہیں بھی ڈیڑھ دو منٹ کے لیے تذبذب کے عالم میں رکنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اپنے پیچھے آنے والے امریکی سے بے خبر تھا۔ اس نے وہیں سڑک پر رک کر اپنا وقت پورا کیا اور دوبارہ فٹ پاتھ پر چڑھ کر راہ گیروں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ امریکی دوبارہ اس کے پیچھے تھا۔

ویرا نے فیصلہ کن انداز میں اپنی رفتار تیز کی اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتی ہوئی دراز قامت امریکی نوجوان کے قریب پہنچ گئی۔

اگلے لمحے میں ویرا نے اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے دانستہ اسے کندھا مار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ بلا مبالغہ حسین، پرکشش اور سبک اندام تھی۔ نوجوان نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور ویرا نے اسے آنکھ مار دی۔

وہ ہائے بے بی کہہ کر جوں ہی مسکراتا ہوا ویرا کی طرف بڑھا، ویرا کا داہنا ہاتھ پوری قوت سے اس کے رخسار پر پڑا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

ہاتھ کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل پڑی تھی۔ وہ اسے گالیاں دے کر اکیلی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا الزام دے رہی تھی۔

راہ گیروں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ حیرت زدہ تماشائیوں نے ویرا اور شرم سار امریکی کے گرد بڑا سا دائرہ بنا لیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر سلطان شاہ بھی پھرتی سے پلٹ آیا۔

''تمہیں غلط فہمی.....'' امریکی نوجوان نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باقاعدہ اشتعال میں آ چکی تھی۔ اس نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔

وہ مارشل آرٹس کے کئی شعبوں میں اعلیٰ مہارت رکھتی تھی۔ ہاتھوں اور لاتوں کی مدد سے چند لمحوں میں اپنے حریف کو خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی لیکن ہاتھوں کے ساتھ اس کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ پیروں کی کوئی غیر معمولی پھرتی دکھاتی تو محض اس کرتب کی بنا پر اسے ویرا کی حیثیت سے پہچانا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ رسمی انداز میں اپنے شکار کو مار پیٹ کر وہاں سے نکل جائے۔

اس کے پیچھے جاتے ہوئے وہ دو چیزیں نوٹ کر چکی تھی۔ اس کے نیکر کی پچھلی جیب میں پرس اڑسا ہوا تھا اور جیب میں کوئی وزنی چیز مسلسل ہل رہی تھی۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی پستول وغیرہ ہی ہو سکتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''سب منہ کیا دیکھ رہے ہو، مارو اس باسٹرڈ کو'' ویرا مجمع سے مخاطب ہو کر فریادی لہجے میں گویا ہوئی۔

سب سے پہلے سلطان شاہ نے لپک کر اس امریکی کی پشت پر ایک لات رسید کی، وہ لڑکھڑاتا ہوا ویرا کی طرف آیا تو وہ کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اس کے پرس پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھی۔

ہجوم کی طرف سے سلطان شاہ کی شمولیت بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی۔ معاملہ ایک غیر ملکی لڑکی کی ناموس کے تحفظ کا تھا۔ قرب و جوار میں عشرت کدوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں تلے کئی تھائی نوجوانوں کی غیرت یکا یک جاگ اٹھی اور وہ بھی اپنی زبان میں کچھ غضب ناک کلمات کہتے ہوئے اکھاڑے میں کود پڑے۔

وہاں یکا یک ایسی گرما گرمی ہوگئی کہ سلطان شاہ کو ایک کے بعد دوسری لات رسید کرنے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ تھائی لڑکوں نے ویرا سے گتھے ہوئے امریکی کو اپنے نرغے میں گھسیٹ لیا۔

اس وقت ویرا اپنے کسی کرتب سے اس کا بایاں رخسار کھول چکی تھی۔ جہاں بہتی ہوئی خون کی لکیر لمحہ بہ لمحہ دراز ہو رہی تھی۔

''حرام زادے امریکی!'' ویرا اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی ''پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں..... انہیں یہاں آ کر ہر عورت بازاری نظر آتی ہے۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی بھیڑ میں گھسی اور تیزی سے دوسری طرف نکلتی چلی گئی۔ اسے توقع تھی کہ تھائی لڑکے آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

تھائی لینڈ کے بارے میں یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ سرکاری طور پر وہ امریکا کا گہرا دوست اور حلیف ہے لیکن ملک میں مقیم امریکی فوجیوں کی تکاسانہ بدمعاشیوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کے خلاف دبی دبی نفرت پائی جاتی تھی۔ اس وقت تھائی لڑکے ویرا کو چھیڑنے والے امریکی کو کوٹ کر اسی نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ویرا نے سلطان شاہ کو جو ہدایات دیں ان سے اسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ ویرا کسی امکانی تعاقب کا سدِباب کرنے کے لیے وہ جتن کر رہی تھی۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ معاملہ جُل دینے سے تجاوز کر کے مار پیٹ تک پہنچ جائے گا۔

بھیڑ سے نکل کر ویرا بہت تیزی سے ایک طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس کا سفری بیگ بدستور اس کے شانے سے جھول رہا تھا۔ ہاتھ پائی میں بھی وہ اپنی جگہ برقرار رہا تھا۔ سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر اس کے برابر میں پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے..... مار دھاڑ کا ارادہ تھا تو پہلے سے کچھ بتایا ہوتا۔'' اس نے ویرا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شکایتی لہجے میں سرگوشی کی۔

''میرا پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وقت پر جو سوجھا وہ کر گزری۔'' وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولی ''اب یہاں سے تیزی سے نکلو، معاملہ امریکی کا ہے۔ پولیس تک بات ضرور جائے گی۔''

''پیچھا کرنے والے سے پیچھا چھوٹ گیا۔ کوئی سواری کیوں نہیں لے لیتیں؟'' سلطان شاہ نے ویرا کے ساتھ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہی کرنا ہے لیکن ذرا دور نکل جائیں۔''

''آج تم نے دل خوش کر دیا۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ واقعی بدتمیزی کی تھی؟''

''میری آنکھ میں تنکا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھا میں نے اسے آنکھ ماری ہے، بس لپکا میری طرف اور میں نے تھپڑ رسید کر دیا۔'' ذہن سے بوجھ ہٹ جانے پر ویرا پہلی بار ہنسی۔

''ہوا بالکل بند ہے، تنکا کہاں سے آ گیا..... ضرور تم نے اس کے ساتھ شرارت کی ہوگی!''

''بعض اوقات تم احمقانہ سوال کرتے ہو اور مذاق کا سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ میں اسے آنکھ نہ مارتی تو یہ سب کیسے ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے اسے میری طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجمع میں سے کوئی اس کی حمایت پر نہیں آیا۔''

''اگر وہ کوئی ہتھیار نکال لیتا!'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں سب کچھ اچانک آیا تھا۔ اس نازک معاملے میں وہ پستول نکالتا تو لوگ اسے وہیں دبوچ کر ادھیڑ ڈالتے۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اس کی جیبوں سے اس کا پرس اور پستول اڑا لائی ہوں۔''

''تم واقعی شیطان کی خالہ ہو۔ وہ بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔''

''خالہ نہیں، کزن کہو۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی ''ابھی میں خالاؤں والی عمر تک نہیں پہنچی۔''

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا کی خوش دلی سے سلطان شاہ کا ذہن بھی بوجھل پن سے آزاد ہورہا تھا۔ انہوں نے بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہوٹل کو خیرباد کہا تھا۔ ویرا کے حوصلہ مندانہ فیصلوں نے ذرا سی دیر میں انہیں ہر فوری فکر اور تشویش سے آزاد کردیا تھا۔

تصادم کے مقام سے کافی دور آکر انہوں نے ایک خالی ٹیکسی لی اور نیو پنچ بری روڈ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں تفریحی مقامات کے ساتھ گیسٹ ہاؤسز کی بہتات تھی۔

ٹیکسی لیتے ہوئے ویرا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا ڈرائیور تھائی باشندہ ہے۔ کسی بھارتی یا پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ اردو یا انگریزی میں بے فکری سے بات نہیں کرسکتی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے ان دونوں کے سوا ہر بڑی زبان اجنبی ہوتی۔

''یہ بھول جاؤ کہ تم اکبر اور میں ریٹا ہوں۔'' ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد ویرا نے کہا ''ناموں اور سفری دستاویزات کی وجہ سے وہ یہاں ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ نام بدل لینے سے یہ تسلسل ٹوٹ جائے گا۔''

''لیکن ہمارے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ ان ہی ناموں پر ہیں۔''

''سب کو بھول جاؤ، اپنے ذہن سے کھرچ کر مٹادو۔'' ویرا جھلا کر بولی ''یہ سیلانیوں کا شہر ہے۔ یہاں کوئی ہمیں روک کر ہماری شناخت نہیں پوچھے گا۔''

''ذرا اس کا پرس نکال کر دیکھو۔ شاید کچھ پتا چل سکے کہ وہ کون تھا؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

''سب دیکھ لیا جائے گا، ابھی اس کا نکالنا مناسب نہیں۔''

نیو پنچ بری کے بارونق علاقے میں پہنچ کر ڈرائیور نے ان کی منزل کے بارے میں جاننا چاہا۔ ویرا نے ٹیکسی ایک ریستوران کے سامنے رکوالی۔ اسے روانہ کرکے وہ اس سڑک کی ایک ذیلی گلی میں گھس گئی۔

ذرا سی دیر میں وہ بازار کے عقب میں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں متعدد مکانات پر ہوٹلوں اور ریسٹ ہاؤسز کے نمایاں بورڈ نظر آرہے تھے۔

باہر کی آرائش سے وہ سب صاف ستھرے نظر آرہے تھے۔ ویرا وہاں پلنے والی گندگیوں سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے محض اندازے سے ایک دوراقتادہ گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا۔ وہاں انہیں کسی شناخت کے بغیر جیکب اور روزی کے نام سے دو الگ الگ کمرے مل گئے۔

گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن نے ایک جوان جوڑے کے لیے دو الگ الگ کمروں کے حصول پر حیرت ظاہر کی تو ویرا نے یہ کہہ کر اسے مطمئن کردیا کہ وہ رات کو جیکب کے خراٹوں کی وجہ سے اس کے کمرے میں گہری نیند سے محروم رہ جاتی ہے۔ جواز معقول تھا، عورت مطمئن ہوگئی۔

انہیں کمرے الگ الگ ملے مگر سلطان شاہ دراز قامت امریکی کے پرس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔ وہیں ویرا کے کمرے میں ہی بیٹھ گیا۔

ویرا نے اپنا سفری بیگ دہرے بیڈ پر ڈالنے کے بعد سب سے پہلے کمرے کی کھڑکی دیکھ کر یہ اطمینان کرلیا کہ وہاں سے کسی کے اندر کودنے کا امکان نہیں تھا۔

ویرا خود بھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ اس کے ہاتھوں مارا کھانے والا کون تھا۔ اس نے پھولا ہوا پرس مسہری پر الٹ کر خالی کردیا۔ بستر پر پھیلی ہوئی اشیا اس کی نظروں میں غیر اہم تھیں۔ ان میں کچھ تھائی کرنسی، چند ڈالر اور کریڈٹ کارڈز کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے پرس کے مالک کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔

ویرا نے پرس کھول کر اس کا جائزہ لیا تو اس کی ایک جیب میں چند وزیٹنگ کارڈ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ سب یکساں تھے اور ان پر سارجنٹ بی ایچ پال کا نام چھپا ہوا تھا۔ کارڈ پر کوئی پتا یا فون نمبر نہیں تھا۔

''یہ اسی کے کارڈ معلوم ہوتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے ایک کارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کا نام پال کے بجائے کچھ اور بھی ہوسکتا تھا۔ یہ پتا نہیں چل رہا کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔'' ویرا الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

''تمہارے ذہن پر صرف ایف بی آئی سوار ہے۔ اس کے ایجنٹ گلے میں تختی ڈال کر نہیں گھومتے۔ کیا سارجنٹ کے عہدے سے تم کو اندازہ نہیں ہوسکا کہ اپنے بڑے بالوں کے باوجود وہ امریکی فوج سے تعلق رکھتا ہے۔''

''واقعی یہ سامنے کی بات ہے۔'' ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''امریکی ایجنسیوں کے آدمی فوج سے انتظامیہ تک بہت سے شعبوں میں گھس کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''امکان کی بات نہ کرو۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ ایک عام فوجی کو تم دونوں سے کیا دلچسپی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوسکتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی کے حکم پر میرا پیچھا کررہا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

ایف بی آئی والوں کے لیے البرٹو کا مفرور دوست کتنا ہی اہم کیوں نہ رہا ہو' ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ساری معلومات یکجا کرکے اتنے مختصر وقت میں امریکا سے اپنے کسی افسر کو بنکاک بھیج دیتے۔ ان کے لیے بہتر اور موثر طریقہ یہ تھا کہ ان دونوں کے بارے میں جملہ معلومات فیکس وغیرہ کے ذریعے بنکاک میں اپنے آدمیوں کو بھیج دیتے۔ وہاں ان کے فوجی اڈے کے قیام کی وجہ سے خفیہ ایجنسیوں کے مضبوط نیٹ ورک کا ہونا یقینی تھا۔

ہوٹل میں گائن نے کمرے کی تلاشی لینے والے کا جو حلیہ بیان کیا اس میں فوجی تراش کے بال سب سے زیادہ اہم اور نمایاں تھے۔ سلطان شاہ کا تعاقب کرنے والے کے بال لمبے تھے۔ لیکن اس کے پرس سے برآمد ہونے والے کارڈ یہ ظاہر کررہے تھے کہ اس کا تعلق بھی امریکی فوج کے کسی شعبے سے تھا۔

بات ویرا کی سمجھ میں آگئی۔ بنکاک میں متعین فوجیوں کا کوئی گروپ وہاں ایف بی آئی کے لیے کام کررہا تھا۔ کمرے کی تلاشی لینے والا اور پھر سلطان شاہ کا پیچھا کرنے والا' دونوں اس گروپ کے عام کارندے تھے۔ ان کی باگ ڈور کسی سینئر فوجی افسر کے ہاتھ میں رہی ہوگی۔

اسے میری ہدایت یاد تھی کہ کسی نئے ٹھکانے پر پہنچتے ہی اسے مجھ کو فون پر اس پتے سے آگاہ کرنا تھا تاکہ میں دور سے ان دونوں کی دیکھ بھال کرسکوں۔ امریکی فوج کے سارجنٹ سے سڑک پر کھلی محاذ آرائی کے بعد وہ مجھ سے فوری طور پر رابطے کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

میں ویرا سے بات کرکے فارغ ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد جلال کی کال آگئی۔ میری توقع کے مطابق طارق نے اپنی ذمے داری پوری کرتے ہوئے اپنے افسر کو بنکاک میں راجن کے عبرت ناک انجام کی خبر دے دی تھی۔ وہ افسر دفتری اوقات ختم ہوجانے کے باوجود قومی سلامتی سے متعلق ایک اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس ختم ہوتے ہی اس نے بنکاک سے ملنے والی خبر جلال کو پہنچادی۔ اسے علم تھا کہ راجن کے معاملات جلال کے ذمے تھے۔ اسے اس بات کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر جلال نے ہمیں پاکستان سے تھائی لینڈ روانہ کردیا تھا۔

''تم نے بہت بڑی اور ناقابلِ یقین کامیابی حاصل کی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔ ''میں اب تمہیں بتارہا ہوں کہ راجن کی سرکوبی کے لیے پچھلے چند مہینوں میں یہاں سے دو اسپیشل مشن بنکاک روانہ کیے گئے تھے مگر وہ بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس تک کیسے رسائی حاصل کی ہوگی۔ اس کے گرد ہر وقت مسلح محافظوں کی ایک دیوار چلتی تھی جسے عبور کرنا ناممکن تھا۔''

''آتے ہی اس تک پہنچنا ناممکن تھا۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ''حالات اور واقعات کی رفتار کچھ ایسی بنی کہ رفتہ رفتہ اس کی ساکھ برباد ہوگئی' اس کے آدمی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ آج انتہا یہ تھی کہ موتی محل کی ویرانی میں وہ کل دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ انہی کے ساتھ ملک عدم روانہ ہوگیا۔''

''اس کی موت سے عارضی طور پر بھارتیوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''میری دانست میں وہ ایک اونچے درجے کا بدمعاش تھا۔ پتا نہیں تم شروع سے اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو!'' مجھے راجن کے بارے میں جلال کا انداز پسند نہیں آیا۔

''راجن والوں نے اسے یہ نقاب فراہم کیا ہوا تھا۔ وہ بنکاک میں بیٹھ کر دنیا بھر سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہونے والے مواد اور ممنوعہ آلات بھارت میں اسمگل کررہا تھا۔ بھارت کے توسیع پسندانہ جوہری عزائم کی پرورش کے لیے وہ ریڑھ کی ہڈی کا کام کررہا تھا۔ اسی وجہ سے میں ابتدا سے اس کی سرکوبی پر اصرار کررہا تھا۔'' جلال نے راجن کی مصروفیات کے اس پہلو کے بارے میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''آج سے پہلے تم نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں دیا!'' میں نے شکوہ کیا۔

''وہ میری مجبوری تھی۔'' اس کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔ ''راجن کی یہ سرگرمیاں انتہائی حساس نوعیت کی تھیں۔ ہم اپنی معلومات کو خفیہ رکھ رہے تھے۔ میں تمہارے سامنے زبان کھول کر اپنے منصب کے حلف سے روگردانی نہیں کرسکتا تھا۔

''کیا اب یہ سب بتا کر تم اپنا حلف نہیں توڑ رہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنی موت کے بعد اب وہ قصہ پارینہ ہوگیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسے مار سکو گے۔ یہ بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد تم بھی اس راز میں شامل ہوگئے ہو۔ یہ معلوم ہونا تمہارا حق ہے کہ اسے مار کر تم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔''

''اس کی موت سے بھارت کی جوہری ہتھیاروں کی تیاریاں ٹھپ نہیں ہو جائیں گی۔'' میں نے اسے جتایا۔

''ریاستی سطح پر چلنے والے معاملات کسی کے مرنے جینے سے نہیں رکتے۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ان میں رخنہ ضرور آ جاتا ہے۔ راجن کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ اب وہ بکھر گیا۔ انہیں از سر نو متبادل انتظام کرنا ہوگا' نیا نیٹ ورک بنانا ہوگا۔ اس میں کافی وقت لگے گا۔ ہم اور ہمارے ماہرین اس وقت سے زبردست فائدہ اٹھائیں گے۔''

میرے لیے اس کی مجبوریاں شروع سے قابلِ فہم رہی تھیں۔ میں نے بات بڑھانے کے بجائے ہنس کر کہا۔ ''جب سے تم نے کراچی میں راجن کا ذکر کیا تھا میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ بنکاک میں بیٹھے ہوئے ایک بھارتی بدمعاش سے تمہیں کیا پرخاش ہے۔ ممبئی سے دبئی اور ہانگ کانگ تک نہ جانے کتنے بھارتی سورما مایل رہے ہیں۔ تمہیں اس ایک کی فکر کیوں تھی۔ اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ تم نے دہرے مقصد کے تحت ہمیں بنکاک کی طرف روانہ کیا ہو۔''

''اصل اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ تمہارا کراچی بلکہ پاکستان میں رکنا مخدوش ہو چکا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے اس کا لہجہ کچھ کمزور پڑ گیا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں جانا ہی ہے تو کیوں نہ بنکاک کی طرف جاؤ۔ اس طرح ایک وقت میں دو نہیں بلکہ تین اہداف حاصل ہو سکتے ہیں۔ تم کو یہاں درپیش خطرات سے چھٹکارا مل جاتا' سوبھراج کا بھرپور ہانکا ہو رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کوئی جائے پناہ نہ پا کر وہ بنکاک میں اپنے چہیتے راجن کا رخ کرے گا اور وہاں تم اسے دیکھ لو گے' تیسرا اور ثانوی مقصد یہ بھی تھا کہ اگر تمہاری کوئی حکمتِ عملی کارگر رہی تو تم راجن کو راستے سے ہٹا کر بھارت کے جوہری ہتھیاروں کے توسیعی پروگرام کو بڑا نقصان پہنچا سکو گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری کراچی سے روانگی سے پہلے آخری ملاقات میں' میں نے تم کو راجن کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی تھی۔''

''سب یاد ہے۔ اس وقت تم نے وہ تذکرہ اتنے سرسری انداز میں کیا تھا کہ میں نے اسے بھارتیوں کے خلاف حسد سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم پاکستانیوں کے لیے کسی بھی میدان میں بھارت کی بالادستی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ شعبہ کھیل کا ہو' جوہری ہتھیاروں کا یا بدمعاشی کا' ہم ہر جگہ انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔''

جلال کی ہلکی سی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ''تم نے پاکستانیوں اور بھارتیوں کی ساری نفسیات ایک جملے میں سمیٹ کر رکھ دی۔ وہ کرکٹ میں ہم سے جیت جائیں تو ہمیں ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے ہمارا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہو' ہاکی میں ان کو ہرا کر ہم اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے ہم نے دنیا فتح کر لی ہو لیکن میری گزارش ایسے جذبات سے ماورا تھی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ وضاحت کر دی۔ اب بھی کچھ نہ بتاتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتا۔ اب تک مجھے یہ سوچ سوچ کر اپنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا کہ میں محض ڈان کی خوشنودی کے لیے راجن کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ اب یہ خلش دور ہو گئی۔''

''یہ نہ کہو۔ اس نے تمہارے اور اسد کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی اس کے بعد تم نے بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔''

''تمہارے تینوں ہدف پورے ہو گئے۔ یہ بتاؤ کہ ہم پاکستان کب آ سکتے ہیں۔ ڈان سے آج میری خاصی تو تو' میں میں ہوئی ہے۔ اسے شک ہو گیا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''اوہ.....!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی۔ ''یہ بہت برا ہوا۔ وہ بنکاک میں تمہارا زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔ اب وہ تمہارے کھوج میں لگ جائے گا۔''

''وقتی طور پر میں نے بات سنبھال لی ہے مگر مجھے بھی یہی شبہ ہے۔ مجھے اس کی طرف سے ہر دم چوکس رہنا ہوگا۔''

''لیکن اسے شک کیسے ہوا..... کیا تم نے راجن کے قضیے میں پھر اپنا کوئی خفیہ ہتھیار استعمال کر ڈالا؟'' اس کی آواز یکا یک تفکر آمیز ہو گئی۔

''ہاں..... بیم گن استعمال ہوئی تھی مگر.....!''

''اوہ ڈیئر! یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب سب کچھ تلپٹ ہو جائے گا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے خاکوں پر ان کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ دباؤ شدید ہے۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں محدود ہو چکی ہیں۔ اول خان کو یہاں سے ہٹا کر گوادر بھیج دیا گیا ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے تحمل سے کہا ''تم میری بات اچک کر درمیان میں برس پڑے' اگر تم نے اپنی بات پوری کر لی ہو تو میں کچھ کہوں!''

میرے لہجے سے جلال کو اندازہ ہو گیا کہ اس سے بے صبری میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ''کہو' میں سن رہا ہوں۔

Downloaded from https://paksociety.com

میرے لیے تمہاری سلامتی ہر ہدف سے زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے راجن کو دس بار ڈھیل دی جاسکتی تھی۔''

''راجن کو ڈھیل دی جاسکتی تھی نہ میں اپنی جان خطرے میں ڈال سکتا تھا۔'' میں نے کہا ''موتی محل میں گھسنے کے بعد میں بیم گن استعمال کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میں یہ فیصلہ نہ کرتا تو شاید راجن کے ہاتھوں مارا جاتا۔ تم کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ناگزیر فیصلہ کرتے ہوئے مجھے تمہاری ہدایت یاد تھی۔ میں نے بیم گن کے زخموں پر پستول سے فائر کرکے ہر سراغ مٹا دیا تھا پھر بھی میں نے وہاں آگ لگادی۔ خاکستر لاشوں سے کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ کیسے مارے گئے۔ ہر رپورٹ گولی سے موت کی کہانی سنائے گی۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تم نے ہر خطرے کا تدارک کرلیا ورنہ اس وقت میرے لیے معاملے کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اب لاک اپ سے باہر کی دنیا میں تمہارے دشمنوں کو تمہارے سائے کا بھی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ تشکر کے جذبات سے واقعی مغلوب تھا۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی اشتعال آمیز کیفیت پانی کے جھاگ کی طرح کافور ہوگئی تھی۔

''میرے خاکوں کا قصہ تو چل رہا تھا۔ تم نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے بارے میں کیا خبر سنادی؟'' میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

''صورتِ احوال افسوس ناک ہے مگر ٹھوس زمینی حقائق یہی ہیں۔''

''کیا گوادر میں بھی ایس ٹی ایف کا کوئی سیٹ اپ موجود ہے؟''

''ماضی میں میری معلومات کے مطابق وہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے۔ اگر ضرورت کے تحت اب وہاں کام ہو رہا ہو تو میں باخبر نہیں ہوں۔ ان کا کوئی یونٹ وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لوگ اپنے افسروں کو خاص مشن دے کر بھی اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں۔''

''راجن نے مرنے سے قبل انکشاف کیا ہے کہ اس کے آدمیوں کی دو ٹولیاں ممبئی اور بنکاک سے پاکستان گئی ہوئی ہیں۔ ایک اگلی دو مہینوں تک بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی دہشت گردی سے امن و امان کے مسائل پیدا کرنے پر مامور ہے۔ دوسری پارٹی سہاوال جیل میں موجود را کے دو ایجنٹوں کو فرار کرانے کی کوشش کرے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ میں تمہاری شاندار کارکردگی کی تعریف کروں۔ یہ دونوں خبریں بہت اہم ہیں۔ را کے ایجنٹوں سے صدف مینشن میں تمہاری ملاقات ہوچکی تھی۔ دونوں پاکستانی غیر مسلم ہیں اور اقبالِ جرم کرچکے ہیں۔ اگلی پیشی پر عدالت انہیں عمر قید کی سزا سنانے والی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میری نگاہ میں دہشت گردی کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔ پرسوں ہائی پاور ٹرانس مشن لائن کا ایک ٹاور اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک بڑا علاقہ بجلی کے تعطل کا شکار ہوگیا۔ اس سلسلے میں کچھ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں۔ تمہاری نشان دہی کے بعد ان سے نئے زاویے سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ طویل مدت کے سکون کے بعد یہ بلوچستان میں پہلی بڑی تخریبی کارروائی ہے۔ یہ بہت اہم خبر ہے کہ سندھ کے بعد اب را کی توجہ بلوچستان کے حساس علاقے پر مرکوز ہے۔''

''اگر راجن کے آدمی آزاد رہے تو یہ سلسلہ طول پکڑے گا۔'' میں نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''انہیں دو ماہ کی مدت دی گئی ہے۔ وہ تیزی سے کام کریں گے۔''

''یہ راجن کورا کی طرف سے ملا ہوا پروگرام معلوم ہوتا ہے۔ دو مہینوں تک وہ بجلی، پانی اور گیس کی لائنوں کے ساتھ پلوں وغیرہ کو اپنا ہدف بنا کر افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو بعض سرکش اور کوتاہ اندیش مقامی عناصر ایسی حرکتیں شروع کرسکتے ہیں۔ ان پر فوری طور پر قابو پانا ہوگا۔''

وہ ملکی سلامتی سے متعلق ایک اہم معاملہ تھا جس میں صوبے کے بعض صنعتی منصوبوں کی تعمیر اور توسیع پر مامور غیر ملکی ماہرین کے تحفظ کا مسئلہ سرفہرست تھا۔

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے جلال کو ڈان یاد آ گیا۔ اس کے شکوک و شبہات کے سلسلے میں بیم گن کے استعمال کا تذکرہ آتے ہی گفتگو کا رخ یکا یک تبدیل ہوگیا تھا اور ڈان کا قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔

میں نے اسے تفصیل سے پوری صورت حال سمجھا دی۔ اس کی رائے مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وقتی طور پر بات دب گئی تھی لیکن ڈان کے ذہن میں میرے بارے میں ڈینی ہونے کا خیال پیدا ہونا خطرناک تھا۔ جو میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''فی الحال تم اس کی مہمان نوازی کا رنگ ڈھنگ

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھو۔ تمہارا واپس یہاں آنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ڈان کے ذہنی فتور کے سبب اب تمہارا وہاں نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ میں سوچتا ہوں کہ اب تمہارے لیے کون سا ملک بہتر رہے گا۔'' کافی مغز زنی کے بعد اس نے کہا۔

''میں ملائیشیا کی طرف نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''ڈان اب تیزی سے طاقت پکڑے گا۔ میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خردماغ آدمی ہے۔ تمہاری طرف سے اس کے دماغ میں دوبارہ کوئی فتور آیا تو تم اس کی دسترس میں ہوگے۔ وہ چند گھنٹوں میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر بنکاک لے آئے گا۔ یہ نہ بھولو کہ اب تم اکیلے نہیں ہو۔ نیویارک والی جوڑی بھی بنکاک پہنچ چکی ہے۔ جہاں جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اکیلا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کرسکتا ہے جہاں یہ یک وقت چار آدمی اکٹھا ہوں وہاں ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔'' وہ ایک وقت میں زیرِنظر معاملے کے ہر رخ پر نظر رکھنے کا عادی تھا۔

''میں تمہارے مشورے کا منتظر رہوں گا۔ اب تم نے نیویارک کی جوڑی کی بات چھیڑی ہے تو ان کا ایک مسئلہ بھی سن لو۔ آج ان کی غیر حاضری میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔''

جلال چونک گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے بنکاک پہنچنے کے بعد اس کا ویرا سے براہِ راست رابطہ ہو چکا تھا مگر وہ تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ ''ان کے یہاں آتے ہی چکر چلنا شروع ہوگیا!'' اس کی آواز تحیر زدہ سی تھی۔

میں نے اسے ویرا سے سنی ہوئی تفصیل سنادی۔

''یہ بہت برا ہوا۔ یہاں کون ان دونوں کے پیچھے لگ سکتا ہے؟'' میرے کان میں اس کی تفکر آمیز آواز آئی۔'' بنکاک میں روز ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ ان میں ان دونوں کی نشاندہی کیسے ہوگئی؟''

میں نے اسے اپنے نظریے سے آگاہ کردیا۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ وہ معاملہ ویرا اور سلطان شاہ کا نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ رینا اور اکبر کی شخصیات ہوسکتی تھیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ انہیں نام بدل کر کسی اور ٹھکانے پر منتقل ہونے کا مشورہ دے دیا۔ فوری طور پر یہی ہوسکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنی پرانی شناخت کو بھول جانا چاہیے!'' میں نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے' پاسپورٹ ان کی پول کھول دیں گے۔'' وہ بولا'' یہ نہ بھولو کہ بنکاک سیٹو کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کی آڑ میں وہاں ایک مدت سے امریکی فوج کی خاصی تعداد مقیم ہے۔ ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ہر سرکاری معاملہ ان کے علم میں رہتا ہے۔ وہاں امریکی ایجنسیاں بھی بہت فعال ہیں۔ ان سب کو فریب دے کر بنکاک سے کہیں اور کے لیے نکلنا ناممکن ہوگا۔''

''میں نے اسی وجہ سے یہ ذکر چھیڑا ہے۔ یہاں ہم لوگ کچھ نہیں کرسکتے۔ تم چاہو تو یہ مسئلہ ذرا سی دیر میں حل ہوسکتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جلال نے پوچھا۔

''طارق کے ذریعے ان دونوں کے نئے پاسپورٹ بھجوادو۔ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کرکے ہر جھنجٹ سے آزاد ہوجائیں گے۔''

آپ بھی بھرپور طاقت کے مالک بنیئے طبی دنیا میں کامیاب اور لاجواب نسخہ

مرد حضرات ہی پڑھیں۔

برسا برس سے ہمارے ماہر طب خصوصاً ایسے مریضوں کے لیے جو اپنی ناسمجھی کی بنا پر پیچیدہ امراض میں مبتلا ہوکر طرح طرح کے علاج سے مایوس ہوگئے تھے انکے لیے اپنے تجربے و تحقیقات انتھک محنت لگن اور کاوشوں سے ایسا نسخہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے کئی ناکارہ بوڑھوں کو بہت کم دنوں میں جوان مرد بنادیا اور مایوس گھرانوں کے گھر کو جوان ایک ایک ہفتے آزما کر یہ ثابت کردکھایا کہ یہ جو ہر واقعی بے بہا قوت کا سرچشمہ ہے آپکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کررہے ہیں کہ اس کے استعمال سے جسم میں نیا اور تازہ خون پیدا ہونے لگتا ہے چہرے پر سرخی ہاتھ پیروں میں چستی توانائی ظاہر کرکے صحت کو قابل رشک بنادیتا ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہوجاتی ہیں جسکے لیے آپ ایک مدت سے محروم رہے ہیں آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کردیا جائے گا۔

حکیم اینڈ سنز

پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

''ویری گڈ! تم جب بھی کوئی مسئلہ بیان کرتے ہو تو اس کا حل پہلے سے تمہارے ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ ایک دو روز میں طارق دونوں پاسپورٹ تمہارے حوالے کردے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''صرف پاسپورٹ سے کام نہیں چلے گا۔ ویزا بھی درکار ہوں گے۔''

''فکر مت کرو۔ کام مکمل ہوگا۔ تم سب کی تصاویر میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ تمہیں یاد ہے نا کہ میرے پاس اپنی تصویر کی موجودگی پر تم کس طرح بھڑکے تھے!''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔ بڑے سرکاری افسر ہو۔ کیا پتا کب دوستی کو بالائے طاق رکھ کر افسری جتانے پر تل جاؤ۔'' شگفتہ موڈ میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''میں کہوں گا کہ تم اب تک مجھے نہیں سمجھ سکے۔'' وہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم سے میری دوستی ان سرحدوں سے آگے نکل گئی ہے جہاں اس پر ہزار افسریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔''

''یہ تمہاری مہربانی ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' میں نے بات مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا ''اب میں ان دونوں سے کہہ دوں کہ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کردیں۔''

''بالکل کہہ دو۔'' اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''میں خود بھی کوشش کرتا ہوں کہ ریٹا سے بات ہو جائے۔ اگر وہ دونوں تمہاری تجویز پر عمل کر چکے ہیں تو مجھے ان کے موجودہ نام معلوم ہونے چاہئیں تاکہ پاسپورٹ سے ان ہی ناموں کی تصدیق ہو سکے۔''

''یہ مجھے بھی علم نہیں' کسی بھی لمحے اس کا فون آ سکتا ہے۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے سوال کیا۔ ''ان دونوں کے تھائی لینڈ میں داخلے کا قانونی ثبوت کیا ہوگا۔''

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ باریکیاں میری نگاہ میں ہیں۔ ان پر بنکاک ایئرپورٹ کی باقاعدہ امیگریشن مہر موجود ہوگی۔ کاغذات کی کسی خامی کی بنا پر انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہ کام کر ہی رہے ہو تو میرے اور صدف کے نئے پاسپورٹ بھی بھجوا دو۔'' میں نے محتاط لہجے میں فرمائش کی۔

''اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس کا وہ سوال فطری تھا۔

''میں ڈان سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم خود بھی اس کے کسی نئے ذہنی فتور کا ذکر کر چکے ہو۔ پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں تو بہتر رہے گا۔''

''یہ سوچ لو کہ ایک وقت میں دو مختلف ناموں سے پاسپورٹ حاصل کرنا اور رکھنا ہر ملک کے قانون کے تحت سنگین جرم ہے۔ تمہیں موجودہ پاسپورٹ ضائع کرنا ہوں گے۔''

''تم اپنا کام کر ڈالو' یہ میری ذمے داری ہوگی۔'' میں نے اصرار کیا اور اس نے ہامی بھر لی۔

ہمارے درمیان ہونے والی طویل گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ مجھے راجن کا خیال آیا۔ اس کے بارے میں جلال نے طارق کی رپورٹ سننے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ بھارت کے خفیہ ایجنسی نیٹ ورک کا ایک بنیادی ستون گرا دیا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے مجھے کریدنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ معذرت خواہانہ انداز میں مجھے راجن کی ذات سے وابستہ وہ باتیں بتاتا رہا جو مجھ سے پوشیدہ تھیں جب کہ میرے پاس بھی اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

''راجن کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے شاید وہ تمہارے کام آ سکے!'' میں نے کہا۔

''ضرور' ضرور۔'' اس نے پرزور لہجے میں جواب دیا۔ ''دشمن کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات ہوں وہ کم ہوتی ہیں۔ اگر تم نے اسے زندگی کی آس دلا کر زبان کھولنے پر آمادہ کرلیا تھا تو اس کے انکشافات بہت اہم رہے ہوں گے۔''

''تمہیں اٹل یاد ہے نا؟'' میں نے سوال کیا۔

''راکے پاکستانی ونگ کے سربراہ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم اٹل بسواس کی بات کر رہے ہو!'' اس نے اپنی بھرپور معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی جو دہلی میں اپنے گھر میں تمہارے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔''

''وہی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''اس نے راجن کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ ممبئی کی انڈرورلڈ پر مسلمانوں کا راج ہے' اسے بنکاک میں قدم جمانے چاہئیں۔ شاید وہ بھانپ چکا تھا کہ راجن بنکاک میں رہ کر ممنوعہ جوہری ساز و سامان کے حصول کے لیے آزادی سے کام کر سکے گا اور وہ

Downloaded from https://paksociety.com

کامیاب رہا تو بنکاک کی انڈر ورلڈ پر اس کا راج بھی ہو جائے گا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔'' جلال بول اٹھا ''اب ہر چیز واضح ہو رہی ہے۔ گرین کو برا فائل میں را کے ایجنٹ ایکس کا ذکر ہے جو مشرق بعید کے کسی ملک میں بیٹھ کر اہم منصوبوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ فائل میں اس کے کام اور منصوبوں کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں تھی۔ وہ تذکرہ پڑھ کر میں پہلی بار راجن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ یہ سوبھراج کے بے نقاب ہونے سے پہلے کا قصہ ہے لیکن میں پوری کوشش کے باوجود یہ جاننے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ بنکاک میں اسے ابھرنے کا موقع کیسے ملا؟ اس کا پشت پناہ کون تھا۔''

''امریکی سفارت خانے میں پچھلے چھ برسوں سے.....''

''تم کرنل گیری کا ذکر تو نہیں کر رہے!'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے جلال نے مضطربانہ لہجے میں سوال کر ڈالا۔

''اسی کا ذکر ہے' تمہارا ذہن اس کی طرف کیسے چلا گیا؟''

''اول درجے کا شاطر اور بدمعاش ہے۔ وہ اپنے سفارت خانے کا واحد افسر ہے جو چھ برسوں سے وہاں ٹکا ہوا ہے اور مصدقہ طور پر سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔''

''راجن کو ابتدائی سہارے اسی نے فراہم کیے۔ کرنل گیری اور انل میں گہری دوستی تھی۔ انل کی موت کے بعد ساگر نے اس کی جگہ لے لی۔ اس وقت گیری اور راجن کے مراسم بہت گہرے ہو چکے تھے۔ وہ گیری کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔''

''تم نے راجن سے بہت کچھ اگلوالیا۔ اگر تمہیں جوہری آلات کے شعبے میں اس کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے۔'' جلال کی آواز متاسفانہ ہو گئی۔

''جب تک ڈان میدان میں رہا' راجن کا چراغ نہیں جل سکا۔ ڈان کے گوشہ نشین ہوتے ہی وہ تیزی سے ابھر کر پورے بنکاک پر چھاتا چلا گیا۔ وجہ صرف ایک تھی کہ گیری کی حمایت اور مشوروں کی وجہ سے اسے بنکاک کے اعلیٰ سرکاری افسروں اور بارسوخ امرا میں مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔''

''میں حیران ہوں کہ ان دونوں نے اپنے باہمی روابط کو کتنی سختی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔'' جلال کہہ رہا تھا۔

مالکن نے گھر کی نوجوان ملازمہ سے کہا ''میں دیکھ رہی ہوں کہ پڑوس کی مالی نے اکثر نظر بچا کر تم سے ملنے کے لیے آنا شروع کر دیا ہے۔ میں تمہارے بھلے کے لیے پوچھ رہی ہوں..... وہ یونہی دل لگی کے لیے آتا ہے یا تم سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہوتا ہے؟''

''میرے خیال میں تو سنجیدہ ہی ہے بی بی جی!'' ملازمہ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا ''اس نے تو میرے پکائے ہوئے کھانوں میں نقص نکالنے بھی شروع کر دیے ہیں۔''

''ہمارے آدمی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے مراسم کا سراغ نہیں لگا سکے۔ میں تم سے یہ ذکر پہلی بار سن رہا ہوں۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ ایئر کے کمرے کی تلاشی لینے والے کا کسی نہ کسی طرح گیری سے تعلق ضرور نکلے گا۔''

''تعلق نکلے یا نہ نکلے' میں نے اس کی طرف سے اچھی طرح ڈان کے کان بھر دیے ہیں۔ اگر وہ اپنے قول کا پکا اور سچا ہے تو اس کا گیری سے ٹکراؤ ہو کر رہے گا۔''

''یہ کیسے ہوا؟'' جلال نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ میں نے موتی محل میں اپنے داخلے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کس طرح کرنل گیری کی ذات کا سہارا لے کر اسے ڈان کی نظروں میں گندا کر دیا۔

راجن کی موت کے بعد بنکاک میں بہ ظاہر اس کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اس کے شروع کیے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال براہِ راست نئی دہلی سے کی جاتی۔ ان میں پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی پھیلانے کے مشن پر نکلی ہوئی دو ٹولیوں سے رابطے کا معاملہ بھی شامل تھا۔ کرنل گیری راوالوں کا حلیف ہو سکتا تھا لیکن وہ کسی طرح راجن کے خلا کو پر نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی جلال نے طارق کو اس کے پیچھے لگانے کا ارادہ ظاہر کر کے فون بند کر دیا۔

میرے لیے ہوٹل کے کمرے سے فون پر کسی سے بات کرنے میں ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ غزالہ میری یک طرفہ گفتگو سن کر تجسس میں مبتلا ہو جاتی اور اس کی طرف سے سوالات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتی' میں نے اسے خود ہی اپنی اور جلال کی گفتگو کے اہم نکات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

اس بریفنگ سے نمٹتے ہی میں نے ویرا کا نمبر ملایا تو وہ

Downloaded from https://paksociety.com

مصروف تھا۔ تین کوششوں کے بعد میں نے تھک کر اپنا موبائل فون رکھ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال نے مجھ سے بات ختم کرتے ہی ویرا کا نمبر ملا لیا ہوگا۔

وہ نوجوان اور خوش ذوق افسر تھا۔ میں کئی بار یہ بات نوٹ کر چکا تھا کہ وہ غیر ضروری طور پر ویرا سے خوش گپیاں نہیں کرتا تھا لیکن کام کے حوالے سے اس سے بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

جلال کے اس رویے کی بنا پر ابتدا میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا لیکن گہرے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جلال کو ویرا کی ذات میں کوئی خصوصی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے دل و دماغ میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ویرا نے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنوں کو چھوڑ کر ہمارا ساتھ اختیار کرلیا تھا۔ اس ناتے سے ویرا کی خبر گیری اس کی ذمے داری بنتی تھی کیوں کہ وہ واحد پاکستانی افسر تھا جو اپنی تمام تر ہمدردیوں کے ساتھ ہم سے مسلسل رابطے میں رہتا تھا۔ شاید وہ یہ سوچتا ہو کہ ویرا کی خدمات کے کسی سرکاری اعتراف کی گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے غیر سرکاری طور پر خیر سگالی کا اظہار اس کا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

میری چوتھی کوشش سے پہلے ویرا کی کال آ گئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جلال سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ بار بار مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتی رہی تھی مگر اسے میرا فون ہر بار مصروف ملا تھا۔

اس نے یہ بتا کر میرا دل خوش کردیا کہ اس نے پہلی فرصت میں میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور ایک صاف ستھرے ریسٹ ہاؤس میں منتقل ہوگئی تھی۔

اس اچھی خبر کے بعد اس نے ٹی ایچ پال کا واقعہ سنا کر مجھے پریشان کردیا۔

''تمہیں اس بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا ''بس یہ سمجھ لو کہ وہ تعاقب کی ابتدا میں ہی مارا گیا۔ تھائی لڑکوں نے دل کھول کر اس کی ٹھکائی کی ہوگی۔ اب وہ کسی کے تعاقب کے نام سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے گا، جبکہ اور روزی کے نام سے یہاں آ جانے کے بعد میں بے فکر ہوگئی ہوں۔ اب ان لوگوں کا ہم تک پہنچنا ممکن ہوگیا ہے۔ دو چار روز میں جلال نئے ناموں سے ہمارے پاسپورٹ بھیج دے گا تو ہر مسئلہ حل جائے گا۔''

''اس بارے میں جلال سے تمہاری تفصیلی بات ہوگئی ہے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''ہاں.....! یہ بات ہوگئی لیکن اس کی زبان سے راجن کا قصہ سن کر مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں اتنا اہم اور بڑا واقعہ رونما ہو چکا ہے لیکن تم نے مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' اس نے بجا طور پر شکوہ کیا۔

''تم کمرے کی تلاشی کے معاملے میں پریشان تھیں میں نے وہ ذکر چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح کے اخبارات سے سب کچھ تمہارے سامنے آ جاتا۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''میں پریشان تھی تو تم وہ خوش خبری سنا کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کرسکتے تھے۔ تم نے مجھے سب کچھ بتایا ہوتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ تمہارے راستے کا آخری کانٹا ہے۔ وہ ہٹ گیا تو تم ہر فکر سے آزاد ہو جاؤ گے۔''

''بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ ڈان کے لیے بہت بڑا نام اور شکار تھا۔ وہ سوچے بیٹھا تھا کہ زبردست محاذ آرائی اور خون ریز تصادم کے بغیر اس کا قصہ ختم نہیں ہوسکے گا۔ میں نے اس کے گھر میں گھس کر چپ چپاتے اسے لمبے سفر پر روانہ کردیا تو ڈان کو میری طرف سے تشویش ہوگئی، اسے شبہ ہوگیا کہ میں علی نہیں ہوں، وہی ہوں جو میں ہوں۔ تم بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''اوہ!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی'' جلال نے یہ نہیں بتایا، یہ تو بہت سنگین خطرہ ہے۔ اس فکر نے تمہارا کامیابی کا سارا نشہ ہرن کردیا ہوگا۔''

''اب تم کو میری پوزیشن کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔ تم کو ادھوری بات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بعض اوقات خوش فہمیاں تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہم چوہے دان میں پھنس رہے ہیں۔'' وہ اپنا شکوہ بھول گئی'' پال اور اس کے ساتھی ہمارے پیچھے لگ گئے، ڈان تم پر شبہ کر رہا ہے، ان حالات میں ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''یہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ تم نے نام اور ٹھکانا بدل کر خود کو بچا لیا ہے، میں نے وقتی طور پر ڈان کو مطمئن کردیا۔ جلال کے پاس سے تم دونوں کی نئی سفری دستاویزات آ جائیں تو کوئی فیصلہ کیا جاسکے گا۔''

''موقع ملتا ہے تو تم نکل جاؤ۔ ہماری پروانہ کرو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ جلال کے آدمی کے لیے تم

Downloaded from https://paksociety.com

دونوں اجنبی ہو۔ ویسے بھی مجھے دور رہ کر تم دونوں کا دھیان رکھنا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ راجن کی پشت پر امریکی سفارت خانے کے کرنل گیری کا ہاتھ کارفرما تھا۔ ہوسکتا ہے کہ نیویارک والوں کے ایما پر اسی نے پال اور دوسرے آدمی کو تمہارے پیچھے لگایا ہو۔''

''کرنل گیری!'' ویرا نے پر خیال آواز میں دہرایا۔ ''یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ وہ سفارت خانے میں کیا کام کرتا ہے۔''

''سنا ہے کہ انفارمیشن افسر ہے اور چھ سال سے یہاں کام کررہا ہے۔''

''یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ امریکا میں بیورو کریسی بہت بڑی ہے۔ وہ اتنی لمبی مدت سے یہیں ہے تو یقیناً کسی اہم مشن پر کام کررہا ہوگا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے ساتھ ملا ہوا تھا؟''

''ان باتوں کو چھوڑ دو۔ کریدو گی تو سوال سے سوال پیدا ہوتے جائیں گے اور ہم اصل موضوع سے بھٹک جائیں گے۔ میں ہوا میں تیر نہیں چلا رہا۔ یہ بات راجن نے خود قبول کی تھی۔ جب ملیں گے تو یہ باتیں ہو جائیں گی.... فی الحال اپنی توجہ موجودہ مسائل پر مرکوز رکھو۔''

''ملنے کی بات دور نظر آرہی ہے۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔ ہم ایک ساتھ حریفوں کی نظروں میں آگئے تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔''

''یہ صورتِ حال بدل بھی سکتی ہے۔ ریٹا اور اکبر خطرناک نام تھے۔ محتاط رہ کر جیکب اور روزی سے ملاقات کی جاسکتی ہے۔''

''کب آرہے ہو؟'' ویرا نے اسی لمحے سوال داغ دیا۔ ''یہ معاملات فون پر طے نہیں ہو سکتے۔ کچھ دیر کے لیے روبرو بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی وعدہ نہیں کرسکتا، کوشش کروں گا۔ نئی جگہ پر تمہارے کمرے کیسے ہیں؟''

''کسی گھر کو معمولی ردوبدل سے گیسٹ ہاؤس بنا دیا گیا ہے۔ یہاں پرائیویسی کا احساس مفقود ہے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی لابی میں کھلتی ہے۔ آوازیں سننا تو درکنار، کوئی آنے جانے والا چاہے تو اندر جھانک بھی سکتا ہے۔ میں نے وہ کھڑکی بند کردی ہے۔''

''میں کل کوشش کروں گا کہ ہم کہیں یکجا ہوسکیں۔'' میں نے کہا ''تمہارا ٹھکانا موزوں نہیں ہے۔''

''کوشش نہیں، بس آجاؤ۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''گیری، پال اور تیسرے آدمی کے خیال سے مجھے ہول آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے پہلے ہم ان سے الجھ جائیں۔''

''میں دامن بچانے کی پوری کوشش کررہا ہوں۔ آگے اللہ کی مرضی!''

''جلال شکایت کررہا تھا کہ تم نے اس کی سخت ہدایت کے باوجود بیم گن کو بے دریغ استعمال کیا ہے۔'' ویرا بات سے بات نکالتی جارہی تھی۔ ''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''کرسی پر بیٹھ کر ہدایات جاری کرنے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر فیصلے کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' میں نے ذرا ترشی سے کہا ''تمہیں بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ میں جان بوجھ کر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا تھا تو اس کا تدارک بھی سوچ لیا تھا۔ شاید جلال نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا!'' میں نے ذرا ترشی سے کہا۔

''بتا دیا تھا۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا ''آگ زبردست تھی۔ وہ دعا کررہا تھا کہ اس نے تمہاری توقعات

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ یعنی عقیق، پکھراج لاجورد، نیلم، زمرد یا قوت پتھر سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ **طلسماتی انگوٹھی** پہنے گا، اس کے تمام بگڑے کام سنور جائیں گے۔ مالی حالت خوب سے خوب تر اور قرض سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں آسانی ہوگی جب کہ ازدواجی زندگی قابل رشک ہوجائے گی۔ کاروبار میں استحکام ہوگا۔

یہ اور اس کے علاوہ، وہ تمام کام جو آپ کے لئے مشکلات پیدا کررہے ہیں، وہ سب حل ہوجائیں گے فوراً اور صرف اس **طلسماتی انگوٹھی** کی بدولت۔

یاد رکھیں سورۂ یاسین کو قرآن کا دل کہا گیا ہے۔

رابطہ

صوفی علی مراد

021-2446647 موبائل: 0333-2327650

Downloaded from https://paksociety.com

کے مطابق سارے ثبوت چاٹ لیے ہوں۔''

''تمہیں تفصیل معلوم ہے تو پھر یہ بات چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی..... کیا تم مجھے چڑانے کی کوشش کررہی ہو؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ آمنے سامنے بات ہورہی ہوتی تو تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میرے چہرے پر تمہیں نیک نیتی اور تشویش صاف نظر آجاتی۔''

''جیکب کام بگاڑ کر کہاں چھپا ہوا ہے؟'' میں نے بات بدل کر سلطان شان کے نئے نام سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ ''اس سے کہنا کہ وہ بھی کسی وقت مجھ سے بات کرلے۔''

''تمہارا مجرم بنو سامنے بیٹھا ہوا مجھے دیکھے جارہا ہے۔ چاہو تو اس سے بات کرلو!'' ویرا نے یہ کہہ کر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون اسے دے دیا۔

''مبارک ہو!'' میرے کان میں سلطان شاہ کی دھیمی اور سنجیدہ آواز گونجی۔ ''تم نے یہاں آکر اپنا ہر کام پورا کرلیا ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری ایک غلطی نے اب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تم کو بلاوجہ پریشان ہونا پڑے گا۔''

مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اس کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک ساتھ رہنے سہنے کے سبب ان کے درمیان جس نوعیت کی کشاکش چل رہی تھی اس کا مجھے بہ خوبی اندازہ تھا۔ ویرا نے اپنے ناقدانہ رویے سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھائی ہوگی کہ اس کی ذات نئی پریشانیوں کا منبع بنی ہوئی تھی وہ مجرمانہ احساس سلطان شاہ کی دلیرانہ صلاحیتوں کے لیے مضر ثابت ہوسکتا تھا۔

''کام کیا جاتا ہے تو پریشانیاں لامحالہ سامنے آتی ہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے وہاں کے ننگے بھوکے اور بے گھر لوگوں میں جس شخص پر توجہ دی وہ واقعی ایک اہم آدمی تھا۔ اب تمہاری نگاہوں میں خاصی پختگی آگئی ہے۔ تم اپنے طور پر درست فیصلے کرنے لگے ہو۔''

''شاید تم میری دل جوئی کرنے کی کوشش کررہے ہو!'' اس کی آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ روزی ہر وقت مجھے لعن طعن کرتی رہتی ہے۔''

''یہ تمہارے اور اس کے ذاتی معاملات ہیں۔ کسی بڑے فیصلے سے پہلے دونوں فریقوں میں ایسی زور آزمائی ہوتی رہتی ہے۔ شادی سے پہلے وہ تم پر حاوی ہونے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے تاکہ تم زندگی بھر اس کے مطیع بنے رہو۔''

ہم چاروں بہت سنگین صورت احوال سے گزر رہے تھے، ذہن پر عجیب سی پراگندگی کی لہر سوار تھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آگے ہمیں کس صورت حال سے نبرد آزما ہونا پڑے گا لیکن ذہن میں ویرا اور سلطان شاہ کی یک جائی کا خیال آتے ہی تازگی کا احساس یک بہ یک جاگ اٹھا۔ قنوطیت کی لہر یکا یک کافور ہوگئی۔

''تم کو کیا ہوگیا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں ہلکا سا غصہ جھلکنے لگا ''ایک مسلمان کسی کافرہ سے کسی حال میں ایسا رشتہ نہیں جوڑ سکتا.....''

''بیٹے! وہ کافرہ نہیں، اہل کتاب ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اس کی تصحیح کی۔ ''تم کو بتا چکی ہے کہ وہ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''رکھتی ہوگی.....'' سلطان شاہ نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ ''وہ کھڑکی کی طرف منہ کرکے کھڑی ہوئی ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ اس کے کان میری باتوں کی طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ میں نے کھری بات کہہ دی تو ابھی فساد کھڑا ہوجائے گا۔''

''دماغ میں آئی ہوئی بات اپنے دل میں نہ رکھو۔ اسی دبی ہوئی آواز میں کہہ ڈالو۔ کچھ پتا تو چلے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے!''

''صرف عیسائی ماں اور وہ بھی بغیر بیاہی ماں کے گھر میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دل سے عیسائی ہے۔ وہ خود اعتراف کرچکی ہے کہ زندگی میں کبھی گرجا نہیں گئی۔ وہ بے دین ہے، اپنی قوم، اپنے مذہب تک کا مذاق اڑاتی ہے۔''

''کان کھول کر پہلی بات یہ سن لو کہ اس کو کبھی بھول کر بھی اس کی ماں کے گناہ کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے سختی سے کہا ''اس میں روزی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک ناکردہ گناہ کا طعنہ ناقابل برداشت ہوگا۔''

''اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات وہ بارہا ہم سب کے سامنے کہہ چکی ہے اور اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ شاید اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سب کیا دھرا اس کی ماں کا ہے، وہ کیوں احساسِ جرم میں مبتلا رہے۔''

''اس کی یہ سوچ درست ہے۔ اور اب دوسری بات سن۔ اس کے گرجانہ جانے پر تم لعن طعن کررہے ہو، یہ بتاؤ

Downloaded from https://paksociety.com

کہ تم کب مسجد جاتے ہو!''

''یہ نہ کہو، میں نے نیویارک میں بھی جمعے کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی جمعہ نہ چھوڑوں۔''

''حالانکہ تمہیں دن میں پانچ بار وہاں جانا چاہیے۔ ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ مذہب کے حوالے سے اس پر تنقید کرو گے تو وہ بھی تمہارے بخیے ادھیڑنا شروع کردے گی۔ آدمی اپنے مذہب سے ذاتی طور پر کتنا ہی دور کیوں نہ ہو، اس پر کسی دوسرے کی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ تم کو محتاط رہنا چاہیے۔''

''آئندہ میں محتاط رہوں گا لیکن تم کو اتنا ضرور بتادوں کہ میں موقع محل سے یہ سب باتیں اس کے سامنے کہہ چکا ہوں اور وہ کبھی چراغ پا نہیں ہوئی۔

''یہ اس کی فراخ دلی ہے کہ وہ حقائق کو خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے۔''

''تمہاری اس سے گاڑھی چھنتی رہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں اس کی ذاتی رائے کیا ہے!'' اس بار سلطان شاہ کی آواز نارمل تھی۔

''تمہارا دھیما لہجہ بلند ہوگیا۔ کیا وہ کہیں چلی گئی ہے؟'' میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہارا مشاہدہ واقعی بے مثال ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''تم چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کر کے بڑے انداز ے لگا لیتے ہو۔ وہ ابھی سگریٹ سلگاتی ہوئی باہر نکلی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لابی میں بنی آواز میں ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گئی ہو۔''

''اس میں ایک بہت اچھی عادت ہے۔ وہ جہاں بھی گئی اس نے وہاں کے مذہب اور رسوم ورواج کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ وہ اسلام کو سب سے بہتر مذہب تسلیم کرتی ہے۔ اس کے پیروکاروں کے بارے میں اس کی رائے اچھی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس پر میری محنت کامیاب ہوسکتی ہے!'' اس نے پرامید لہجے میں کہا۔ ''میں نے بھی اس کی طبیعت کا جھکاؤ دیکھ کر اپنا سلسلہ شروع کیا تھا۔''

''وہ مسلمان ہوگئی تو تم اس سے شادی کرلو گے؟'' موقع پاکر میں نے اس سے وہ اہم سوال کر ہی ڈالا۔

''تم میری شادی کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟''

''لوگوں کو لڑکیوں کی فکر ہوتی ہے، مجھے تمہاری فکر ہے۔ تمہیں بہرحال شادی کرنی ہے۔ وہ بھی ساری عمر تنہا نہیں رہ سکتی۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرو تو ایک دوسرے کا سہارا بن سکتے ہو۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ میرا تعلق سرحد کے ایک گاؤں سے ہے۔ میں اسے اپنی بیوی بنا کر وہاں لے گیا تو گاؤں والے میرے سر پر ایک بال نہیں چھوڑیں گے۔''

''تمہاری منطق نرالی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا ''کبھی آمادہ نظر آنے لگتے ہو۔ میں نے سوال کیا تو اب نئی قلابازی کھا رہے ہو۔''

''یہ قلابازی نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ گاؤں کے لوگ ان معاملات میں کتنے سیدھے اور سخت ہوتے ہیں۔''

''پھر اس کا شبہ درست ہے۔ مسلمان کر کے تم اسے بے سہارا چھوڑ دو گے۔''

''تم بھی تو اس کی مدد کرسکتے ہو۔ ذہنی طور پر وہ تم سے بہت قریب ہے۔'' سلطان شاہ کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ رسید کردیا ہو۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے سکتے کے بعد میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

''تم کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ تم ہر وقت دوسری کرسکتے ہو۔''

سلطان شاہ میرے سوال کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس رخ پر آیا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے سامنے اچانک آئینہ رکھ دیا ہو۔

میں نے اپنے وجود میں دوڑنے والی سنسنی پر قابو پاتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔ ''تم شروع سے میرے ساتھی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ روزی کی یہی خواہش تھی لیکن جب میں

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

صدف کے ساتھ رشتے کے بندھن میں بندھ گیا تو روزی نے رفتہ رفتہ اس حقیقت سے سمجھوتا کرلیا۔ وہ مغرب کی پلی ہوئی ہے۔ اس کے مذہب اور معاشرت میں ایسی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ پھر بھی میں تمہارے اس مشورے کے بارے میں صدف سے بات کروں .....''

اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''صدف سے بھول کر بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ہمیشہ کے لیے گرہ پڑ جائے گی۔''

''تمہاری نیت صاف ہے تو تمہیں صدف یا کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آمادہ ہوگئی تو مجھے ایک نو مسلم خاتون کا سہارا بن کر خوشی ہوگی۔'' میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ میں جان بوجھ کر درمیان میں غزالہ کا ذکر لایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا خیال آتے وہ پسپائی اختیار کرلے گا۔

''نہیں ..... نہیں تم اس سے بات نہیں کرو گے۔'' اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی۔ ''وہ سوچے گی کہ میں اس کا منہ بولا بھائی بن کر اس کا گھر برباد کرانا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔ اس سے مشورہ کرکے اور اس کی رضا مندی کے بغیر میں اتنا بڑا قدم نہیں کرسکتا۔''

''مت کرو۔ سمجھ لو کہ میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اس وقت تمہاری باتیں تو نہیں سن رہی؟'' سلطان شاہ بوکھلایا ہوا تھا۔

''اپنی رسٹ واچ دیکھو۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ بہت دیر سے گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت بڑی خفت سے بچ گیا۔ میں نے روادری میں اپنی بات کہہ ڈالی۔ میرے ذہن میں صدف کا خیال آجاتا تو میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ دیکھو، اس سے اس بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔ عورتیں چھوٹے دل کی ہوتی ہیں۔ وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہوجائے گی۔ میں نے یہ بات تمہیں چڑانے کے لیے کہی تھی، تم بلاوجہ سنجیدہ ہوگئے۔''

''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے کہے ہوئے ہر لفظ کو اہمیت دیتا ہوں۔'' میں نے اسے مزید رگڑنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے درمیان اس موضوع پر قسطوں میں بات ہورہی ہے۔ اپنے گھر اور گاؤں والوں کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو، اپنے حوصلے کا اندازہ لگا لو پھر مجھے جواب دو۔ تمہاری طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے بعد میں روزی سے بات کروں گا۔ وہ مادہ پرستی کے ڈھکوسلوں سے اکتائی ہوئی ہے۔ اسے سکھ کی تلاش ہے جو کہیں نہیں مل سکا۔ وہ اپنے ذہنی سکون اور سکھ کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کرگزرے گی۔''

''میں نے پہلے بھی وقت لیا تھا۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں، موجودہ جھمیلوں سے نکلنے کے بعد میں سکون سے کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔''

میں نے بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے لیے وقفوں سے ہونے والی ایسی گفتگو زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی تھی۔ پتھر پر گرنے والا بوند بوند پانی آخرکار اس میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ وہ ترغیبی نکتے کبھی نہ کبھی بارآور ہونے والے تھے۔

''آپ ذرا سی دیر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ ہر طرف مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پتا نہیں آپ کے خلاف اب سازشوں کا کون سا نیا جال بنا جارہا ہے۔ ان حالات میں آپ اس سے یوں باتیں کررہے تھے جیسے ہم کراچی میں بے فکر بیٹھے ہوں اور آپ کل ہی ان دونوں کا گھر بسانے کا ارادہ کرچکے ہوں۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا۔

''خطرات ٹل چکے ہیں، راجن کی موت کے بعد ہر طرف ٹھہراؤ آگیا ہے۔'' میں نے بستر پر دراز ہوکر کہا۔ ''اہم ترین بات یہ ہے کہ اب ہمیں یہاں کچھ نہیں کرنا۔ ڈان کی کامیابی کا جشن منعقد ہونے تک ہمیں آرام کرنا ہے پھر ہم یہاں سے چل دیں گے۔''

''وہ دونوں اب کہاں ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے ویرا اور سلطان شاہ کی منتقلی کا قصہ سنا دیا جس میں ٹی ایچ پال کی بدنصیبی کا ذکر نمایاں تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں کہ خطرات ٹل گئے۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ پال کی مرمت کے بعد وہ زیادہ شدومد کے ساتھ ریٹا اور اکبر کو تلاش کریں گے۔''

''وہ دونوں غائب ہوگئے۔ ان کے نئے نام روزی اور جیکب ہیں۔ اگر وہ شکل وصورت سے نہ پہچانے جائیں تو ساری امریکن آرمی مل کر بھی بنکاک میں ان کا کھوج نہیں لگا سکتی۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''ویرا زیادہ دیر تک ٹک کر بیٹھنے والی نہیں ہے۔'' غزالہ نے مایوسی سے کہا ''وہ گھومنے پھرنے کا خطرہ مول

Downloaded from https://paksociety.com

لے گی اور مشکل میں پڑ جائے گی۔''

''اس خدشے کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ پال سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اگر یہ تمہاری بددعا سے تو بات دیگر ہے۔''

''اس نے کون سی میری جاگیر ماری ہے جو میں اسے بددعا دوں!''

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ جب میں نے تمہیں آنکھ ماری تھی، اس وقت سلطان شاہ سے میری کیا بات ہو رہی تھی۔''

''ضرورت نہیں سمجھی!'' اس نے مسکرا کے کہا ''شاید اس نے آپ کے سوالوں سے جان چھڑانے کے لیے کوئی جوابی وار کر دیا تھا۔ ذرا سی دیر کے لیے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کیا اس نے آپ کو ویرا سے دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا؟''

غزالہ کے صحیح ترین اندازے پر میں ششدر رہ گیا اور مجھے کسی دوست کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی کہ شوہروں کی کمزوریوں کا سراغ لگانے کے لیے بیویوں میں ایک ایسی خصوصی حس بیدار ہو جاتی ہے جو چھٹی حس سے بہ درجہا تیز ہوتی ہے۔ غزالہ نے بہت زیادہ معصومیت کے ساتھ موضوع سخن کے بارے میں درست اندازہ لگایا تھا۔

ہمارے درمیان اس بارے میں نوک جھوک شروع ہو گئی اور اس دوران میں کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

میرا وہ دن بہت مصروف گزرا۔ صبح سے رات گئے تک جسمانی اور اعصابی تکان سے میرا برا حال ہو چکا تھا۔ نیند کی دیوی مہربان ہوئی تو میں اس کی گہری آغوش میں چلا گیا۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے میرے فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں بج رہی ہو۔ ابتدا میں وہ خواب کا سا موہوم تصور تھا لیکن خواب بہت برق رفتار ہوتے ہیں۔ زمان و مکاں کی ہر قید سے آزاد ہو کر لمحوں میں صدیوں کا احاطہ کر لیتے ہیں لیکن وہ اگر خواب تھا تو بس ایک ہی جگہ رک کر رہ گیا تھا۔

میں نے کسل مندانہ انداز میں آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ایر کنڈیشنر کی فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی اور وہ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا تو سوئیاں صبح کے چار بجا رہی تھیں۔

میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی رہ رہ کر بجے جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس رات بھرپور نیند میرے مقدر میں نہیں تھی۔

باپ نے کمسن بیٹے سے کہا ''کیا تم اس بات پر حیران نہیں ہوتے کہ انڈوں میں سے چوزے کیسے نکل آتے ہیں؟''

''ڈیڈی! اس سے زیادہ تو میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ چوزے، انڈوں کے اندر جاتے کیسے ہیں؟'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نگاہ اپنے پیچھے ڈالی۔ غزالہ کروٹ لیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا تو چاؤ فان کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا دماغ سنک گیا۔

''ماسٹر! تم سوتو نہیں رہے تھے؟'' اس کا سوال نہایت احمقانہ تھا۔

''چاؤ فان! یہ شریف انسانوں کی گہری نیند کا وقت ہے۔ تم کیوں میری جان کا عذاب بننے پر تلے رہتے ہو..... تم نے مجھے نیند سے اٹھایا ہے.....''

''مجھے افسوس ہے ماسٹر لیکن میں مجبور تھا۔ کیا تم اس وقت اپنے کمرے سے نکلنے کے موڈ میں ہو؟'' معذرت کے ساتھ ایک عجیب سوال کر کے اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''آج ڈان نے تمہارے سامنے میری مہمان داری کا ذکر کیا تھا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اگر یہ اس مہمان داری کی ابتدا ہے تو میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آرام کرنے دو ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''مجھے تمہاری تھکن اور آرام کا پورا احساس ہے۔ میں دوسری طرح اپنی تھکن اتار رہا تھا۔ اس وقت میامی کلب میں چھوٹا راجن کی بربادی کا خفیہ جشن منایا جا رہا ہے۔ ماسٹر، تم یقین کرو کہ یہاں پورا پرستان اترا ہوا ہے۔ بے خودی اور سپردگی کی ایسی فضا ہے کہ فرشتے بھی یہاں سے ہلنا نہیں چاہیں گے مگر میں مجبور ہوں۔ ابھی ڈان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ سنجیدہ اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہتا چلا گیا۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں چند گھنٹے پہلے اس سے ملا تھا۔ اس کا اصل حریف اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔ ایسی کیا ایمرجنسی پیش آ گئی کہ سورج طلوع ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے دوبارہ طلب کر رہا ہے۔''

میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔ میرا نیند کا خمار غائب

Downloaded from https://paksociety.com

ہو چکا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بس حکم دیتا ہے۔''

''صبح کے چار بجے میں وہاں کیسے جاؤں گا؟'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ہوٹل سے ریڈیو ٹیکسی مل سکتی ہے مگر وہ منا سب نہیں رہے گی۔'' اس نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا ''اس نے مجھے حکم دیا ہے۔ تمہیں وہاں پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ حکم دو کہ یہ خادم کتنی دیر میں پہنچ جائے!''

''اگر میں اس وقت نہ جا سکوں؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''مجھے صدمہ ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم ہمت کر ہی لو گے۔ ایک انکار سے تمہاری ساری محنت اور کارکردگی اکارت جائے گی۔ وہ خوبیاں بھول جاتا ہے' خرابیاں یاد رکھتا ہے۔'' چاؤفان نے بہت تہذیب اور شائستگی سے مجھے انکار کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سلسلے میں چاؤفان کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ اس وقت چابی دیے ہوئے کھلونے کی طرح ڈان کی طرف داری میں بول رہا تھا۔ وہ اپنے طور پر کوئی متبادل فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا یہ کہنا صحیح تھا کہ میرا انکار میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ڈان کے پاس جانا میری مجبوری تھی۔

''پندرہ منٹ بعد پہنچ جاؤ!'' میں نے جلے کٹے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

غزالہ اس وقت بھی بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس کی نیند میں مخل ہوئے بغیر' خاموشی سے تیار ہو کر ڈان کی طرف نکل جاؤں لیکن میں نے وہ ارادہ فوراً مسترد کر دیا۔ ڈان کا نیا نادر شاہی حکم مجھے اپنے لیے خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے سیلرز بار میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور کب تک میری واپسی عمل میں آ سکے گی۔ غزالہ میری غیر حاضری میں نیند سے بیدار ہو کر سخت پریشانی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں ڈان اور چاؤفان کو برا بھلا کہتے ہوئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں غسل خانے سے نہا کر باہر نکلا تو غزالہ از خود بیدار ہو چکی تھی۔ اس کی خمار آلود نگاہوں سے تشویش جھلک رہی تھی۔

میں نے اپنی تیاری جاری رکھتے ہوئے اسے ڈان کے تازہ ترین فرمان سے آگاہ کیا تو اس کی تشویش خوف میں بدل گئی۔ میری طرح اسے بھی یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ محض چند گھنٹوں کے بعد ڈان کو یکا یک میری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔

میری طرف سے اندیشے کے اظہار پر غزالہ نے متانت سے یہ بتا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میری طلبی کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو، اس میں ڈان کی برہمی کا عنصر نہیں تھا۔ کسی بھی وجہ سے ڈان میری طرف سے بھڑکا ہوا ہوتا تو مجھے چاؤفان کے ذریعے بلوانے کے بجائے ہوٹل سے زبردستی اٹھوا سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمارے مراسم میں ایسی کوئی سنگین خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ ڈان کو علی الصباح میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ میری واپسی میں تاخیر کسی اور گڑبڑ کی صورت میں وہ فوری طور پر طارق اور جلال سے براہ راست رابطہ کر کے پوری صورت احوال بتا دے۔ ڈان کے نظریں پھیر لینے کے بعد بنکاک میں صرف طارق ہی ہمارا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا اپنے مسئلے میں پھنس کر رہ گئی تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی بری خبر سن کر اضطراری طور پر اپنی نئی کمین گاہ سے باہر نکلے اور اپنے پیچھے لگے ہوئے امریکی بھیڑیوں کے ہاتھوں دھر لی جائے۔

ضروری بریفنگ کے بعد میں جوتے پہن رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار طارق لائن پر موجود تھا۔

اسکرین پر اس کا فون نمبر دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کی طرف سے اس وقت فون آنا حیران کن تھا۔

''مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی۔'' میری طرف سے جواب ملتے ہی طارق نے بولنا شروع کر دیا'' مجھے اس کی کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع فوری طور پر تم کو دینا تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے گھر سے اکیلا نکلا تھا۔ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا بندرگاہ کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا ہوں۔ وہ ابھی سیلرز بار نامی ایک پب میں داخل ہوا ہے جہاں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔''

طارق کی دی ہوئی خبر سنتے ہی میرا دماغ گھوم گیا۔ کرنل گیری کے ساتھ میری سیلرز بار میں طلبی میری سلامتی کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسکیشل ماسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مگا ڈیوں کو انگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی سیمیوٹی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ ہمارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسکر گرمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سومبھراج تھا۔ ہم اس پر نجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں قمس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سومبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سومبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بناء پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خو میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سومبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت لال تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلیجر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سومبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سومبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سومبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کرا لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر وہ سومبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریفک سسٹم کے باعث مجھے سومبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہوگیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قحبے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسے اس کی موت وہاں کھینچ کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کتوں میں واصل جہنم ہوگیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہوگیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھاوا کیا اور مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے کی پولیس آفیسر کسی کی تلاش لیے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پرتول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کوتاہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہوگیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تا دلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے کی پولیس آفیسر کسی کی تلاش لیے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پرتول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کوتاہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہوگیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تا دلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مغاظانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ سمگر نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پر اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اسد پاکستان روانہ ہوگیا دوسری طرف پاکستان میں الیف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پٹخاری اور وہ واصل جہنم ہوگیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہوگیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہوگئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ بادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے گھر پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں بادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے کی ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ژان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس ٹٹلے کے چھ مسلح اور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دھوم پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن سمجھ گیا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ژان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اتر آیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ژان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چتا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ژان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریلی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گزبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کار کردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کا رفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جارہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ ہم اس واقعے کے نتائج وعواقب میں الجھے ہوئے تھے کہ ژان نے مجھے طلب کیا اس وقت آئی بی کے مقامی نمائندے نے اطلاع دی کہ کرنل گیری بھی ژان کے بلاوے پر سیلز بار پہنچا ہوا تھا۔

اگر آپ قسط نمبر 256 کے واقعات بھلا بیٹھے ہیں تو

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''شاید یہ خبر سن کر تم کو ذہنی دھچکا لگا ہے اور تم میری پوری بات نہیں سمجھ پائے۔'' اس کی آواز میں طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک سائے کی طرح اس کا پیچھا کرنا ہے۔ میں سیلز بار کے سامنے والی سڑک کے پار اندھیرے میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ وہ نکلے گا تو اس کے پیچھے چل دوں گا۔''

''ذرا ہوشیار رہنا۔ وہ ژان کا علاقہ ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر رہتا ہے۔ اس کے کسی گُرگے کو تم پر شبہ ہو گیا تو تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔'' اپنی پریشانی کے باوجود میں نے اسے خطرے سے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔

''تم ژان برنارڈ کی بات تو نہیں کر رہے؟'' اس کی تائید طلب آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اپنے فطری تجسس کی وجہ سے اس کو شہر میں ژان جیسے بھرپور کردار کی موجودگی کی سُن گُن ملنا میرے لیے کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ''سیلز بار اسی کی ملکیت ہے۔''

''گیری اس جرائم پیشہ شخص سے ملنے کے لیے اتنے نامناسب وقت پر کیوں دوڑا چلا آیا ہے!'' اس کا لہجہ سوالیہ سے زیادہ خود کلامی کا سا تھا۔

''یہ بات میرے لیے بھی پریشان کن ہے۔ ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کو مقامی مجرموں سے کیا سروکار ہو سکتا ہے!'' ہم دونوں فکرمند تھے اور کسی کے پاس ایک دوسرے کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

پاکستان میں میرا رابطہ جلال سے تھا۔ اپنے محکمے میں صرف اسے ان خطرات کا مکمل ادراک تھا جو مجھے درپیش تھے۔ یہ یقینی طور پر اس کی ہدایت ہو سکتی تھی کہ طارق گلے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ طارق براہ راست جلال کو جواب دہ نہیں تھا۔ جلال نے وہ ہدایت اس کے بڑے افسر کے ذریعے بہت تیزی سے اس تک پہنچائی تھی۔

میں نے جلال کو بنکاک میں درپیش حالات سے پوری طرح آگاہ کر کے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ مجھے یا اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ راجن کے عبرت ناک زوال کے بعد گیری صبح صادق سے بھی پہلے ژان سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نگرانی کی ضرورت شاید ویرا اور سلطان شاہ کے تحفظ کے لیے محسوس کی گئی تھی لیکن اس کا نتیجہ نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ژان نے گیری کے پہنچنے کے بعد مجھے طلب کیا تھا یا وہ پہلے ہی مجھے بلانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''گیری کو وہاں پہنچے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''وہ ابھی اندر گیا ہے۔ اس کے اندر جاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔'' طارق نے بتایا۔

''تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ سیلز بار والے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے؟''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے اس کے باوجود بار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گیری کی گاڑی رکتے ہی اندر دھیمی روشنی ہوئی اور ایک آدمی نے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور وہ دونوں اندر

Downloaded from https://paksociety.com

چلے گئے۔ یہاں کا سماں عجیب سا ہے۔ بار کے باہر ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور کانچ کے ٹکڑے پھیلا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے رات گئے یہاں شرابیوں میں مار کٹائی ہوئی ہو.....''

''استقبال کرنے والا جسیم اور دراز قامت تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں' کوئی موٹا سا' پستہ قامت مقامی معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ڈان برنارڈ کا پالا ہوا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ چاروں موٹے شراب کے نشے میں دُھت ہوجانے کی وجہ سے شام کو ڈان کے ٹھکانے سے غائب تھے۔ نشہ اتر جانے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چپکے سے لوٹ آئے ہوں گے۔ شاید ڈان نے ان ہی میں سے کسی کو گیری کے استقبال پر مامور کردیا تھا۔

لمحہ بھر کی خاموشی میں' میں نے اپنے ذہن میں پورا نقشہ جمایا۔ ڈان نے سواری کی دقت کی وجہ سے براہ راست مجھے ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ ذمے داری اس نے چاؤفان کو سونپی جو میامی کلب میں راجن کی موت پر برپا ہونے والے طرب و نشاط کے ایک جشن میں شریک تھا۔

اس نے بہکے ہوئے اس مخلوط اجتماع میں اپنے حواس کو یکجا کرنے کے بعد مجھے فون کیا۔ اس کال کو آئے خاصی دیر ہوچکی تھی جب کہ طارق کے بیان کے مطابق گیری اسی وقت سیلرز بار میں پہنچا تھا۔

اس ترتیب وار موازنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے مجھے بلانے کا فیصلہ گیری کے پہنچنے سے پہلے کیا تھا۔ اگر اس نے اس سے پہلے گیری کو فون کردیا ہوتو وہ معاملہ مختلف ہوجاتا۔

ایک بات بہرحال طے تھی کہ میری طلبی کا فیصلہ ڈان کا تھا۔ اس میں گیری کی رائے یا مشورے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے تک میں گیری کے پیچھے لگا رہوں گا۔ ابھی صرف چار پانچ گھنٹے گزرے ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''جب تک وہ سیلرز بار میں رکا ہوا ہے' میں بھی یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔ میں نے اس کی یہاں آمد کے بارے میں تم کو اطلاع دے کر اپنا فرض پورا کردیا۔''

''شاید تمہارے لیے یہ اطلاع دلچسپ ہو کہ تھوڑی دیر میں' میں بھی وہیں آرہا ہوں۔''

''کیوں؟'' آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے الفاظ پر چونک گیا تھا۔ ''کیا تم گیری سے تصادم کے ارادے سے آرہے ہو؟''

''یہ میرا ارادہ نہیں ہے' ڈان نے مجھے وہاں طلب کیا ہے۔''

''ڈان سے تمہارا کیا واسطہ؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔ وہ اندر کی بہت سی باتوں سے یکسر بے خبر تھا۔ ان میں میرے اور ڈان کے نازک مراسم بھی شامل تھے۔

''لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ڈان اپنی دانست میں مجھے استعمال کررہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

''خطرناک معاملہ ہے۔'' وہ میرے ایک فقرے سے پوری بات سمجھ گیا۔ ''آخری جیت سے پتا چل سکے گا کہ کون کس کو استعمال کررہا تھا۔ میں ایک بار پھر تمہیں بتادوں کہ سیلرز بار پر تمہارا ڈان یا گیری سے کوئی ٹکراؤ ہوا تو میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ میری حیثیت ایک بے بس تماشائی سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ''تمہارے لیے اپنا دامن بچائے رکھنا سب سے مقدم ہے۔ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے مجھے گیری کی آمد کی اطلاع دے دی۔ میں راستے میں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ ذہنی تیاری کرسکوں گا۔''

''اگر تم مجھ پر طنز کررہے ہوتو شاید تمہیں میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے پہلی بار شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔ تم میری پوزیشن سے بے خبر ہو۔ میں یہاں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی لغزش مجھے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔''

''بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تم یہاں اپنی من مانیاں کررہے ہو۔ موتی محل کے واقعے نے شہر بھر میں خوف و ہراس اور سنسنی کی فضا پیدا کردی ہے۔ اپنی مجبوریوں کے باوجود میری ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ الگ تھلگ رہ کر میں جو کچھ کرسکا' کرگزروں گا۔''

میرے لیے اس کی وہ یقین دہانی کافی تھی۔ میں نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کردیا۔

گیری..... گیری..... گیری۔ اس وقت میرے ذہن میں وہی ایک نام گونج رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ صبح کے چار بجے سیلرز بار کیوں پہنچا تھا۔

چاؤفان کو دیا ہوا وقت قریب آرہا تھا۔ میں غزالہ سے

Downloaded from https://paksociety.com

رخصت ہو کر کمرے سے نکل آیا۔ میرا ذہن مسلسل گیری کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ طارق نے اس کے سیلرز بار پہنچنے کی خبر دے کر میرے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ خبر یقیناً بہت اہم تھی۔ میں بے خبری کے عالم میں ڈان کے پاس پہنچتا تو میرے لیے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

ڈان سیلرز بار میں صرف کاروبار کرنے کے اصول پر کاربند تھا۔ میرے تجربے کے مطابق وہ وہاں اپنے کسی ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ملنے والوں کو وہ عقبی دروازے سے بار کی اوپری منزل پر بلایا کرتا تھا۔ اس نے گیری کو بلایا ہوتا تو وہ اسی راستے سے اوپر جاتا۔ طارق نے مجھے بتایا کہ گیری کو سیلرز بار کے دروازے سے اندر لے جایا گیا تھا۔ اس باریک نکتے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید ڈان نے اسے نہ بلایا ہو۔ وہ سازشی ذہن کا مالک تھا۔ عام جرائم پیشہ لوگوں سے روابط رکھنے کے بجائے ان کے سرغنوں سے قریبی مراسم استوار کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس نے موتی محل میں زبردست آتشزدگی سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگا لیا ہو اور ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے منہ اندھیرے وہاں دوڑا چلا آیا ہو۔ دن کے اجالے میں اس کی وہاں آمد کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے ڈان سے ملنے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب پورا شہر اور شہر کی خبریں سونگھتے پھرنے والے رپورٹرز گہری نیند سو رہے ہوں۔

گیری خود وہاں پہنچا ہو یا ڈان نے اسے بلایا ہو' میرے لیے دونوں صورتیں تشویش ناک تھیں۔ میں نے گیری کے نام کی آڑ لے کر ڈان کو جو فرضی کہانی سنائی تھی' وہ ان دونوں کے درمیان زیر بحث آتی تو میرا کچا چٹھا کھل جاتا۔ ڈان کے دل و دماغ میں میری طرف سے پہلے ہی وسوسے پروان چڑھ رہے تھے۔ گیری کی وضاحتوں کے بعد اس کا یہ شک یقین میں بدل جاتا کہ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اسے فریب دے کر بنکاک میں اپنا کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ میرے لیے وہ بہت مہیب اور گمبھیر مرحلہ تھا۔ میں ڈان کے پاس جانے سے انکار کر دیتا تو وہ اپنی توہین کے احساس سے ویسے ہی میرے خون کا پیاسا ہو جاتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں فتح کے نشے میں سرشار' اس سرکردہ بدمعاش کی انا کو ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچاؤں' سعادت مندی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس سے مل کر اپنے لیے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کروں۔

چاؤ فان اپنے وعدے کے مطابق میرا منتظر تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھا تو یخ بستہ بند کیبن میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی تھی جو چاؤ فان کے سانسوں کے ساتھ فضا میں شامل ہو رہی تھی۔

''تم نشے میں ہو' گاڑی چلا لو گے؟'' میں نے کسی برہمی کا اظہار کیے بغیر نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہاں تک میں خود ڈرائیو کر کے آیا ہوں تو سیلرز بار بھی پہنچ جاؤں گا۔ جب سے تم ملے ہو میری ساری تفریحات کا لطف غارت ہو گیا۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''کہو تو ذرا سی دیر کے لیے تمہیں بھی میامی کلب لے چلوں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ رات بھر کی مے نوشی کے بعد وہاں خلوص و محبت کا کیسا سماں بندھا ہوا ہے' سب ایک دوسرے پر فدا ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر مرد و زن کو اپنی پسند کے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ پریاں شراب پیتی ہیں تو شراب ان کا سارا غرور اور کھنڈیلی جاتی ہے' وہ ڈالی پر لگے ہوئے پکے پھل کی طرح نرم خو اور صلح جو ہو جاتی ہیں۔ بات صرف پسند اور ہمت کی رہ جاتی ہے۔ جو بڑھ کر چھو لے' اس کی جھولی میں آ گرتی ہیں۔''

''نشے کی جھونک میں شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ ہمیں ڈان کے پاس پہنچنا ہے۔'' میں نے طنز سے کہا۔ ''ہم میامی کلب گئے تو تاخیر ہو جائے گی۔''

وہ بے نیازی سے ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! میں الکحل میں نہا لوں تب بھی مجھے نشہ نہیں ہوتا' مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈان کے پاس کوئی بن بلایا مہمان پہنچا ہوا ہے۔ راستے میں ڈان کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ میں اس کی طرف سے گرین سگنل ملنے تک سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے سے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اتنی دیر کے لیے میامی کلب کے ہال میں جا بیٹھیں جہاں زندگی کی ساری رعنائیاں اور رنگینیاں اپنے شباب پر آئی ہوئی ہیں۔ تم کو ایسی محفلیں شاذ و نادر ہی مل سکیں گی۔''

وہ میامی کلب میں خلوص و محبت اور آزادی کی جس فضا کا تذکرہ کر رہا تھا اس کا تصور ہی میرے لیے کراہت انگیز تھا۔ اس خفیہ جشن کے شرکا خمار میں ڈوب کر انسانیت کے مرتبے سے بہت نیچے گر کر حیوانیت کے درجے پر آئے ہوئے تھے۔ جہاں نفس اور شکم کی بھوک مٹانے کے سوا کوئی تیسری ضرورت باقی نہیں رہتی' ساری اقدار ایسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ مجھے انسانی روپ میں بہکتے اور لڑکھڑاتے ہوئے ان ہوس زدہ حیوانوں کے اجتماع میں شریک ہونے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے دو ٹوک الفاظ میں وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے اپنی دانست میں میامی کلب جانے کا جواز بیان کیا تھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا کہ ڈان نے اپنے کسی بن بلائے مہمان کی آمد کی وجہ سے چاؤ فان کو اپنا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے کی ہدایت کی تھی۔

چاؤ فان کی بسیار گوئی کی عادت کی وجہ سے میری بہت بڑی الجھن دور ہوگئی۔ کرنل گیری کو ڈان نے طلب نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں میرا دوسرا نظریہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ ڈان سے اپنے پرانے مراسم کی تجدید کے لیے رات کے آخری لمحات میں خاموشی سے اس کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

مجھے بس یہ فکر رہ گئی کہ ڈان اور گیری کی اس غیر متوقع ملاقات میں میری وہ کہانی زیرِ بحث نہ آئے جو میں نے نون کے نظام میں خلل کے حوالے سے ڈان کو سنائی تھی۔

''ماسٹر! تم برا نہ مانو تو میں کہہ دوں کہ تمہاری جمالیاتی حس نہ جانے کہاں سوئی ہوئی ہے۔ پتا نہیں تم اتنے خشک اور کورے کیوں ہو۔'' میرے انکار پر اس نے مایوسی سے کہا۔

''میرے برا ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم جو بات کہنا چاہتے ہو' بے دھڑک ہو کر کہہ جاتے ہو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں!''

''تم مکّار کر میرا چہرہ بگاڑ سکتے ہو۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے کیونکہ تم ماسٹر کے ساتھ میرے دوست بھی ہو۔ ڈان سے شکایت کر کے میرا مستقبل تباہ کر سکتے ہو اور یہ بھی پسند نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے خیر خواہ ہو۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میامی کلب میں ہمارا وقت بہت اچھا گزر جاتا۔ پتا نہیں ڈان کا گرین سگنل کب آتا ہے۔ اس کے انتظار میں ہمیں شہر کی سنسان اور بے رونق سڑکوں کی خاک چھاننا ہوگی۔ کہو تو ہم کسی ہوٹل ہی میں جا بیٹھیں۔''

وہ خالی الذہن تھا اس لیے فضول باتیں سوچ رہا تھا۔ میں نے مفت میں ہاتھ آئی ہوئی اس مہلت کو کام میں ڈھالنے کے لیے اس کی ذہنی رو موڑنے کا ارادہ کر لیا اور کہا۔ ''اس وقت ڈان کے پاس کون آ سکتا ہے؟''

''کوئی بے خوف اور بڑا آدمی ہوگا۔'' اس نے اپنی رائے ظاہر کی ''ڈان نا وقت آنے والوں کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ وہ کوئی ایسا مہمان معلوم ہوتا ہے جس سے ڈان کو بادلِ ناخواستہ ملنا پڑ رہا ہوگا۔''

''کیا شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں؟'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''دو' سوا دو سال سے ڈان سب سے کٹا ہوا تھا۔ اب چھوٹا راجن کا ستارہ غروب ہوا ہے تو سب چھوٹے بڑے سرکاری افسر ڈان کی طرف دوڑ لگائیں گے۔'' وہ بولا ''ان میں پولیس والے سب سے آگے ہوں گے۔ ہم لوگوں کی سب سے زیادہ دوستیاں اور دشمنیاں ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں کا پولیس کمشنر سب سے زیادہ بوکھلایا ہوا ہوگا۔ وہ ہر وقت چھوٹا راجن کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے مال بٹور رہا تھا۔''

میرے لیے وہ سامنے کی باتیں تھیں۔ انہیں جاننے کے لیے چاؤ فان سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان مقامیوں کے ساتھ میں اس کی زبان سے گیری کا نام بھی سننا چاہ رہا تھا۔ چاؤ فان کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا۔

''تم نے راجن کا ستارہ غروب ہونے کی بات کی ہے۔ یہ سب اس کی موت کی خبر منظرِ عام پر آنے کے بعد ہوگا۔ ابھی شہر میں صرف آگ کی خبر گردش کر رہی ہے۔ ہم تین آدمیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ اس آگ میں راجن کی چتا بھی چل رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! یہ بات پرانی ہوگئی۔'' اس نے گاڑی کو ایک سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب سے کچھ دیر پہلے بلکہ کئی گھنٹوں پہلے فائر مین جلی ہوئی لاشوں تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی شناخت بھی ہوگئی تھی۔ یہ ڈیڑھ دو بجے کا واقعہ ہے۔ وہ خبر سامنے آنے کے بعد ہی ہم لوگوں نے میامی کلب میں جشن منانا شروع کیا تھا۔ اس خبر کے سامنے آنے سے پہلے خوشی کا اظہار کیسے کیا جا سکتا تھا؟''

نشے میں ہونے کے باوجود اس کا ذہن صحیح سمت میں کام کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں بہکنے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے بات اسی پر رکھتے ہوئے کہا ''ابھی کچھ دیر پہلے تم گیری کا ذکر کرتے کرتے چپ ہو گئے تھے' کیا بات تھی وہ؟''

''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا۔'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

''زیادہ پی لینے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر خفگی سے کہا۔ ''اب تم کہہ دو گے کہ تم نے پولیس کمشنر کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

''وہ یاد ہے لیکن گیری!'' اس نے خاموش ہو کر اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی پیشانی کو ٹھوکا پھر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا ''میں نے گیری کا نام کیوں لیا تھا؟''

Downloaded from https://paksociety.com

''ایسے غائب دماغ لوگوں سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' میں نے مزید بے زاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''کچھ پتا نہیں کہ تھوڑی دیر بعد تمہیں کیا یاد رہے گا اور کیا بھول جاؤ گے۔ اب میں تمہاری یادداشت بحال ہونے تک یہ سوچتا رہوں گا کہ تم نے گیری کے بارے میں کیا بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔''

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''گیری کے بارے میں بس ایک معمولی سی بات رہ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یاد آ گئی ہو۔''

''تو وہی بک دو تاکہ میری خلش دور ہو۔'' میں نے جھلانے کی صداکاری کی۔

''سیلرز بار سے ہم لوگوں کے چلے آنے کے بعد ڈان نے گیری کو فون کرکے لعن طعن کی تھی۔ اس سے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ تک کہہ دیا کہ وہ چھوٹا راجن سے مل کر جو سازشیں کررہا ہے' ڈان ان سے پوری طرح باخبر ہے۔''

''ڈان کی الزام تراشی پر اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت تک چھوٹا راجن کے مرنے کی خبر نہیں آئی تھی۔ لیکن ہوا کا رخ بدل چکا تھا' وہ اپنی صفائیاں پیش کرتا رہا۔''

''یہ باتیں ہمارے چلے آنے کے بعد ہوئی تھیں تو تمہیں ان کا علم کیسے ہوگیا۔''

''ڈان نے بتایا تھا۔ فون پر وہ رابطہ کرلیتا ہے۔ وہ ہم جیسا آدمی ہے۔ جب تک کسی کو اپنی بڑائی اور کامیابی کے قصے نہ سنالے اسے چین نہیں آتا۔'' چاؤ فان نے خود پسندی کے انداز میں دھیرے سے ہنستے ہوئے بتایا۔ ''میرا اندازہ ہے کہ ڈان نے اسے ان باتوں کے اشارے بھی دیے ہوں گے جو تم نے فون پر سن کر ڈان کو بتائی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس وقت گیری ہی سیلرز بار پہنچا ہوا ہو!'' میں نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔

''اس وقت سب کچھ ممکن ہے۔'' وہ بولا ''اس وقت گیری نے ڈان کی شکایت پر نرم اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ وہ زور دے کر کہتا رہا کہ وہ کبھی ڈان کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں گے۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر پھیلتے ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈان کی شکایت پر اپنی زبانی معذرت کو ناکافی سمجھ کر وہ ذاتی طور پر ڈان کے دروازے پر پہنچ گیا ہو۔ ڈان اسے نہیں دھتکار سکتا تھا۔''

چاؤ فان نے بہت سرسری انداز میں اپنے قیاس کا اظہار کیا تھا۔ وہ حقیقت سے بے خبر تھا اور محض ایک مفروضے پر بات کررہا تھا مگر اس کا تجزیہ میرے اندازوں کی عکاسی کررہا تھا۔ ڈان چاہتا تو گیری کو ذلیل کرنے کے لیے میرا اور اس کا سامنا کرواسکتا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کے اور راجن کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی لیکن اس نے دور اندیشی سے کام لے کر ہمیں گیری کی موجودگی میں سیلرز بار آنے سے روک دیا۔

ڈان جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر نیست و نابود کرنے کے بعد وہ نئی دشمنیاں مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجن کی زندگی میں اس کے سینے پر اپنا خون بہانے والے جاں نثار بھی اپنے آقا کی موت کی خبر سنتے ہی آنکھیں پھیر لیں گے۔ موت اتنی بے رحم اور سفاک ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی سارے زمینی رشتے یک لخت ٹوٹ جاتے ہیں۔ دیکھنے والا باقی نہ رہے تو دکھانے والے اپنی وفاداری اور خیر خواہی کے اظہار کو غیر ضروری سمجھ کر خاموشی سے گوشہ نشین ہوجاتے ہیں اور وقت کی بساط پر ابھرنے والی نئی قوت کے ساتھ اپنے رشتے جوڑنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

راجن کی موت کے بعد بے یارومددگار رہ جانے والوں کو ایک ایک کرکے آخر کار ڈان ہی سے رجوع کرنا تھا۔ ان میں گیری بھی شامل تھا۔ اپنی پرانی وفاداریوں کے بارے میں حیلے بہانے تراشنا اور اپنی صفائیاں پیش کرنا ان کی ناگزیر مجبوری ہوتی جسے ڈان مسترد نہیں کرسکتا تھا۔

ڈان نے چاؤ فان کے پرنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا لیکن اس کے مزاج میں ذرا سی بھی تلخی نہیں تھی۔ وہ ڈان کی طرف سے نازل ہونے والی ایسی ناگہانی آفات کا عادی ہوچکا تھا۔ بس وہ رہ رہ کر اپنی بدنصیبی پر افسوس ظاہر کررہا تھا کہ میامی کلب کے فسوں خیز ماحول میں شکار کی ساری تیاریاں مکمل ہوتے ہی ڈان نے کمند ڈال کر اسے شکارگاہ سے باہر گھسیٹ لیا تھا۔

گاڑی کبھی روشن اور کشادہ سڑکوں پر سفر کرتی رہی' کبھی تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتی رہی۔ پُرپیچ راستوں پر کئی بار مجھے گمان ہوا کہ شاید چاؤ فان اپنی رو میں ڈوب کر راستہ کھوچکا ہے لیکن ہر بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوتا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اچانک میری جیب میں پڑے ہوئے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ماسٹر! جلدی دیکھو' اس وقت ڈان کا فون ہوگا۔'' چاؤ

Downloaded from https://paksociety.com

فان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس وحشت میں اس نے غیر ارادی طور پر گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

میں نے موبائل فون نکالتے ہی اسکرین پر طارق کا نمبر دیکھ لیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر فون اپنے بائیں کان سے لگا لیا تاکہ اس کی موہوم سی آواز بھی چاؤ فان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

''وہ ابھی ابھی وہاں سے واپس روانہ ہوا ہے' میں اس کے پیچھے ہوں۔'' میرے کان میں طارق کی آواز گونجی۔

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ مجھ سے اس کال کے بارے میں ضرور گہرے سوال کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والی پہلی تجویز پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ''ڈارلنگ! فکر مت کرو' میں جلد ہی آ جاؤں گا۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے طارق فون بند کر چکا تھا۔ میری زبان سے اپنے لیے ڈارلنگ کا پہلا لفظ سنتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں کسی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔

''اتنے سویرے تمہاری کس ڈارلنگ کا فون آ گیا؟'' چاؤ فان نے پوچھا۔ میں نے جواب اردو میں دیا تھا اس لیے ڈارلنگ کے سوا کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میری بیوی کا فون تھا۔ اپنی رفتار کم کرو اور ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے کچھ کہے بغیر میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

چند ثانیوں بعد اس کے پاس ڈان کی کال آ گئی۔ میں چاؤ فان کی زبان سے گھوم' گھاٹ' پھاٹ جیسے نامانوس الفاظ سنتا رہا۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوا تو اس نے بتایا کہ ڈان نے گرین سگنل دے دیا تھا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہم دونوں وقت کی پروا کیے بغیر کاٹھ کے اُلّوؤں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کے لیے نکلے ہوئے تھے۔

چاؤ فان نے یہ ہوشیاری دکھائی کہ شہر میں بھٹکتے رہنے کے بجائے متبادل راستوں سے سیلرز بار کے عقبی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس وقت سیلرز بار کا داخلی دروازہ مقفل تھا اور وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاؤ فان کے لیے وہ بات غیر اہم تھی۔ گلی کے سرے پر گاڑی بند کر کے ہم پچھلے راستے سے سیلرز بار کی اوپری منزل پر چلے گئے۔ دروازہ ایک سہمی ہوئی' باوردی لڑکی نے کھولا۔ اوپر ڈان اپنے ریشمی لبادے میں ملبوس' ہمارا منتظر تھا۔

''تم اپنے ٹھکانوں سے چل ہی پڑے تھے تو میں نے تمہیں بلا لیا ورنہ اب تمہارے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔'' ڈان نے ٹھہری ہوئی تحکمانہ آواز میں وہ اعلان کر کے میری کھوپڑی میں انگارے سے بھر دیے۔ وہ ہماری بے توقیری کی انتہا تھی۔

''اجازت ہو تو اب لوٹ جائیں۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ ''گہری نیند کی طلب سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔''

''آ گئے ہو تو اب کچھ دیر بیٹھو۔ کیا یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟'' اس بار ڈان براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

''بتا دو گے تو تمہارا احسان ہوگا۔'' چاؤ فان جھٹ بول اٹھا۔ وہ ڈان کی خوشامد کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

''میں نے فون پر کرنل گیری کو تاڑا تھا۔'' ڈان بولا اور چاؤ فان نے کسی سدھائے ہوئے بندر کی طرح تائیدی انداز میں اپنا سر ہلانا شروع کر دیا۔

''میں اس کی وضاحتوں اور یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہو سکا۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے دل میں بل تھا کہ اس نے مجھ سے مل کر صبح صفائی کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اس کا پالتو زندہ ہوگا۔ تمہیں بلا کر میں ایک اہم کام لینا چاہ رہا تھا۔ وہ چھاؤنی سے باہر ایک مہنگے گھر میں رہتا ہے۔ تم اس کے گھر پر دو بم پھینک کر نکل جاتے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے۔ امریکی ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں' معاملہ ہاتھ پیروں کا ہو تو ان سے بڑا بزدل ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ دوسری احتیاطیں کرنے کے ساتھ میری طرف بھی آتا لیکن اب وہ قصہ ختم ہو گیا۔''

ڈان نے کچھ توقف کیا پھر بولا ''موتی محل کے جلتے ہوئے ملبے سے چھوٹا راجن کی لاش ملنے کی خبر سنتے ہی اس کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے۔ مجھے فون کر کے وہ یہاں آ پہنچا۔ اسے معلوم ہے کہ اب شہر کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے' وہ مجھ سے تعاون اور دوستی کا طلب گار ہے۔ اس کی موجودگی میں' میں نے تم دونوں کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے فون کر کے روک دیا۔''

''تمہاری خواہش تھی کہ وہ تمہارے بلاوے کے بغیر اپنی مرضی سے یہاں آئے۔ اس کے آ جانے کے بعد اب اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی!'' میں نے ڈان

Downloaded from https://paksociety.com

کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''یہ معمولی سی بات تھی لیکن میں گربہ کشتن روزِ اوّل کا قائل ہوں۔ بنکاک کی سب سے مضبوط تنکون میں امریکی بھی شامل ہیں۔ اصل کام ہم لوگ کرتے ہیں لیکن ہمیں پولیس کی درپردہ حمایت حاصل ہوتی ہے۔ امریکی بہت بددماغ اور مغرور ہوتے ہیں۔ وردی اور اختیارات مل جائیں تو یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتے۔ اب ان سے نئے رابطے کی ابتدا ہوئی ہے۔ میں اس سے رجوع کرتا تو وہ ہمیشہ کے لیے بالادست ہوجاتا۔ اب میں ان لوگوں کو دبا کر رکھنے کی پوزیشن میں ہوں۔ میں نے اسے بہت کچھ کہا سنا ہے۔ وہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے چھوٹا راجن سے مل کر میرے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی۔'' ڈان بولتا چلا گیا۔

''وہ یہی کہے گا۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''تم مجھے اس کے سامنے کھڑا کردیتے تب بھی وہ اقرار نہ کرتا کہ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے سیلرز بار میں ٹائم بم لگوانے کی سازش تیار کی تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈان سر ہلا کر مربیانہ انداز میں بولا۔ ''وہ مر کر بھی اقبالِ جرم نہ کرتا۔''

''ابھی تم نے تنکون کی بات کی ہے۔ امریکی' پولیس اور انڈرورلڈ..... تم انہی تین قوتوں کی بات کررہے تھے نا؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ایک مدت سے یہی سسٹم چلا آرہا ہے۔'' ڈان نے بے پروائی سے کہا۔

''کیا مقامی انڈرورلڈ سے غیرملکی سفارت کاروں کے مراسم جرم کے زمرے میں نہیں آتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کون جرم قرار دے گا؟'' ڈان نے تضحیک آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ''یہاں کا پولیس کمشنر چھوٹا راجن کا تنخواہ دار تھا۔ چند دنوں میں وہ میرے دسترخوان پر نظر آنے لگے گا..... دراصل اس تنکون کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس علاقے میں انڈوچائنا وار ہوئی جو آٹھ برس جاری رہی۔ اس دوران ہمارا ملک کمیونسٹوں کے خلاف تیار ہونے والی مہمات کا گڑھ تھا۔ پھر 54 میں دیت نام وار چل پڑی جو اکیس سال جاری رہی۔ اس دوران یہاں ہر دوسرا شخص سفارتی ایجنٹ ہوا کرتا تھا۔ سیاست' سفارت اور جاسوسی کے نظام چلانے کے لیے ہر فریق انڈرورلڈ میں گھسنے کی کوشش کرتا تھا۔ امریکیوں نے خزانے کے منہ کھولے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ڈالروں کی بہتات تھی۔ انہوں نے پوری انڈرورلڈ کو خرید لیا۔ یہاں کے چور' ڈاکو' قاتل اور لٹیرے ٹولیاں بنا کر دیت نامی گوریلوں کا صفایا کرتے تھے۔ اگلے دن وہ کارنامے بہادر امریکی فوجیوں سے منسوب کرکے سنائے جاتے تھے۔ یہ ریت اسی وقت سے چلی آرہی ہے کہ تنکون کو ہر حالت میں مضبوط رکھا جائے۔ آج گیری اسی پالیسی کے تحت یہاں آیا تھا۔''

''راجن کو گیری نے پال پوس کر قد آور بنایا' اس کی اطاعت سمجھ میں آتی ہے۔ تم اس کو پسند نہیں کرتے پھر بھی اس کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے مجبور ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' اس نے قدرے ترشی سے کہا۔ ''گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن ہر تھائی باشندہ امریکیوں سے کسی نہ کسی حد تک نفرت کرتا ہے۔ وہی نفرت میرے خون میں شامل ہے۔ اگر مجھے سسٹم کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو مجھے ان کو برداشت کرنا ہوگا۔ امریکیوں سے نفرت الگ چیز ہے' سسٹم میں رہنا ایک بالکل مختلف بات ہے۔ سسٹم کے باغیوں کو تینوں فریق زیادہ دن نہیں جینے دیتے۔ سسٹم کو چلانے والے اسے زندہ رکھنا جانتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں اپنی مرضی سے اچانک گوشہ نشین ہوا' دو سال تک میدان سے دور رہا۔ کوئی میرے پاس نہیں آیا مگر سسٹم اسی طرح چلتا رہا۔ وہ میری جگہ چھوٹا راجن کو لے آئے۔ اب میں نے اسے ہٹا کر اپنی جگہ دوبارہ بنالی ہے تو کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔ انہوں نے اپنے مہرے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ نہیں بچ سکا تو اب ان کی طرف سے جہنم میں جائے' وہ سامنے آنے والی نئی قوت سے سمجھوتا کرلیں گے امریکیوں کے کام ہوتے رہیں گے۔ پولیس والوں کو بھاری نذرانے ملتے رہیں گے۔ امن و امان کے ساتھ مجھے اپنے کاموں کی آزادی ہوگی۔''

''یہ فلسفہ بہت عجیب ہے۔ تمہاری باتیں بھی الجھی ہوئی ہیں۔'' میں نے نیک نیتی سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ''اگر میری عقل صحیح کام کررہی ہے تو اب تم امریکیوں سے اپنی فطری نفرت کے باوجود ان کے مفاد کے لیے کام کرتے رہو گے۔''

''صرف ان کے مفاد کے لیے نہیں' میں باہمی بلکہ سسٹم کے مفاد کے لیے کام کروں گا۔'' ڈان نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم لوگوں نے امریکیوں سے نفرت کے باوجود پچھلی نصف صدی ان کے ساتھ بہت صبر اور سکون سے گزاری ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

میرے ذہن سے گیری سے سامنا ہونے کا خوف مٹ چکا تھا۔ ڈان کی باتوں سے واضح ہو چکا تھا کہ میری طرف سے اس وقت تک اس کی نیت میں کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے خوف ہو کر کہا ''سسٹم کا مفاد یہ ہوگا کہ امریکی تمہیں تمہارے کام کا بھرپور معاوضہ دیتے رہیں تاکہ تم پولیس والوں کو بھاری نذرانے پہنچاتے رہو۔''

''علی! ہوش میں رہو۔'' ڈان نے مجھے سخت لہجے میں ڈانٹا۔ ''یہ مویشیوں کی منڈی جیسی کھلی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سی نزاکتیں اور معاملہ فہمیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے' افہام و تفہیم سے ہوتا ہے اور ہر فریق طے شدہ نکتوں کا پورا احترام کرتا ہے۔''

یکا یک میرے ذہن سے دھند چھٹ گئی۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں ڈینی نہیں تھا۔ ڈان کے سامنے علی احمد بنا ہوا تھا جسے امریکیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ راجن سے بدلہ لینے کے لیے بنکاک آیا اور اپنا مقاصد حاصل کر چکا تھا۔

''ڈان! میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے سنبھل کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''شاید میں نے اپنے مدعا کے اظہار کے لیے بھونڈے الفاظ استعمال کر ڈالے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ گیری کی طرف سے اب میرے دل میں کوئی کدورت نہیں رہی۔ میرے آدمی اس کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں گے۔''

''ڈان! جب میں تمہیں موتی محل والے واقعات سنا رہا تھا تو تم نے گیری اور امریکیوں کے لیے بہت سخت کلمات استعمال کیے تھے۔'' کوشش کے باوجود میں اپنے اس شکوے کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

''میں اب بھی کہتا ہوں کہ امریکی برا وقت آنے پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔'' ڈان نے اپنی کہی ہوئی بات الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ دہراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ان کے بغیر گزارہ بھی مشکل ہے۔ میں ان سے معاملات طے کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہتا ہوں۔ جب تک گیری ہمارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرتا ہمارا سلوک اچھا رہے گا۔''

''کیا تمہارے سسٹم میں صرف گیری پورے امریکا کی نمائندگی کرتا ہے؟''

''کم و بیش ایسا ہی ہے۔'' ڈان بولا ''آنے جانے والے اسی کی معرفت آتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں امریکا کی تمام ایجنسیوں اور محکموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہر کام اس کے ذریعے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چھ برس سے یہاں ٹکا ہوا ہے۔''

ڈان کے دم خم کو دیکھتے ہوئے میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر امریکیوں کے لیے بدترین حریف ثابت ہوگا۔ گیری سے ایک ملاقات کے بعد اس نے جو قلابازی کھائی تھی' اس سے مجھے ذہنی صدمہ ہوا تھا۔ اس نے گیری کے لیے عزت اور احترام کا مطالبہ کر کے میری خوش فہمی دور کر دی تھی۔

مجھے شک ہو رہا تھا کہ گیری وہاں خالی ہاتھ نہیں آیا۔ وہ لوگ اپنی دولت کے بل پر دنیا کی ہر شے کو خریدنے کے فن میں طاق تھے۔ ڈان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گیری نے اپنی طرف سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر کوئی بڑی رقم تحفے کے طور پر ڈان کے حوالے کی تھی۔ راجن کا زوال ہوتے ہی ڈان کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس کے کاروباری ٹھکانوں سے چاؤ فان کے آدمیوں نے پچیس لاکھ بھات کے ساتھ نادر و قیمتی اشیا لوٹ لی تھیں۔ گیری نے ازخود ڈان کو اس کا پہلا بھتا پہنچا دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آنے والے دنوں میں ڈان کو ہاتھ پیر ہلائے بغیر بھاری رقمیں ملنا شروع ہو جائیں گی۔

میری نظروں میں ڈان کی جو عزت اور ساکھ بنی تھی وہ ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جب تک ہم راجن کے خلاف صف آرا تھے ڈان کا رویہ بہت پُروقار اور دلیرانہ تھا لیکن کرنل گیری کے سامنے آتے ہی ڈان مجھے رعایتی سیل میں رکھا ہوا ایک کھلونا نظر آنے لگا جسے ارزاں قیمت پر کوئی بھی خرید سکتا تھا۔

ہم جب تک راجن کے خلاف برسرپیکار تھے' ساری توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرے اور ڈان کے مقصد میں مکمل ہم آہنگی تھی لیکن راجن کی زندگی کا چراغ گل ہوتے ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا جب کہ ڈان کا نیا کھیل شروع ہو گیا۔ راجن کے ساتھ اس کی آویزش کسی اعلیٰ اصول کی خاطر نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف دولت و اقتدار کی لڑائی تھی۔ ڈان اپنی اختیاری گوشہ نشینی دو سال سے زیادہ نہیں سہ سکا۔ اس کے منہ کو مفت کی آمدنی کا خون لگا ہوا تھا۔ اپنی جگہ راجن کو تیزی سے پھلتا پھولتا ہوا دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ راجن کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اسے بھی وہی سب کرنا تھا جو راجن کر رہا تھا۔ ڈان کے لیے وہ نئے کام نہیں تھے۔ اپنی نوخیز بیوی کی جوتے بازی سے پہلے بھی ڈان وہ سب کرتا رہا تھا۔ نام اور کام' سب پرانے تھے۔ اسے ان کی تجدید کرنا تھی۔

یہ ڈان کی خوش نصیبی تھی کہ راجن کے ساتھ اسے اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

دست دراز بیوی سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔ اس عورت کے ایک ٹرک کے نیچے کچلے جانے سے ڈان کی پیچیدہ نفسیاتی گرہ کھل گئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص زندہ نہیں رہا تھا جو اس پر ہاتھ اٹھا چکا ہو۔ اس نے نئی امنگ اور ولولے کے ساتھ بنکاک کی انڈر ورلڈ کی عنان سنبھالنے کی تیاری کی تو اس کا پہلا ملاقاتی کرنل گیری تھا جو اسے اپنی اہمیت کا احساس دلا کر لوٹ چکا تھا۔

مجھے اندازہ ہوگیا کہ میری اور ڈان کی مفاہمت صرف راجن کے خاتمے تک محدود تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے مقاصد کے لیے اس کی بیخ کنی کرنے کے خواہاں تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہماری راہیں جدا بلکہ متضاد ہوگئی تھیں۔ ڈان امریکی کیمپ کا سانپ بنا ہوا تھا جب کہ میری ان سے پرانی ٹھنی ہوئی تھی۔ ماضی میں ہونے والی خوں ریز محاذ آرائیوں کے پس منظر میں میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ بنکاک میں امریکی ایجنٹ ویرا اور سلطان شاہ کی تلاش میں مصروف تھے۔ ان دونوں نے اپنے نام اور ٹھکانا بدل کر اپنے دشمنوں سے عارضی طور پر گلوخلاصی حاصل کرلی تھی لیکن جب تک وہ بنکاک میں رکے رہنے پر مجبور تھے اس وقت تک انہیں امریکی ایجنٹوں کی طرف سے سنگین خطرات لاحق تھے۔

''تم نے اپنی قومی نفرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے۔ یہ شاید میری بدقسمتی ہے کہ میری نفرت میں ان سے مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے ہر آڑے وقت میں میری قوم کو دغا دے کر اس نفرت کو ہوا دی ہے۔'' گفتگو کے رخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈان کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کردیا۔

''تجربہ عمر سے آتا ہے۔'' ڈان نے اپنی کنپٹی کے سفید بالوں کو چٹکی میں پکڑ کر کہا ''تم مصلحت سے ناآشنا ہو۔ طاقت ور دشمن سے لڑ کر تم کبھی نہیں جیت سکتے۔'' اس سے منافقانہ دوستی سود مند رہتی ہے۔ امید رہتی ہے کہ کبھی اس کی پشت میں خنجر بھونکنے کا موقع مل جائے گا۔''

''ڈان! میں اپنی صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہاری باتیں کچھ متضاد سی ہیں۔''

''یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بات سیدھی سی ہے کہ میں سانپ پال رہا ہوں' اسے دودھ ضرور پلاؤں گا لیکن ہر وقت ہوشیار رہوں گا۔ ہمیں ان کو عزت دینا ہوگی تاکہ انہیں ہمارے دلوں کے عناد کا علم نہ ہوسکے۔ ویسے بھی تم یہاں چند روز کے مہمان ہو' چلے جاؤ گے۔ تمہارا گیری یا کسی اور امریکی سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ وہ صرف مجھ سے رابطہ رکھے گا۔''

''میں یہی چاہتا ہوں۔ ان سیاہ باطن گوروں کے سامنے سر جھکانے میں' میں ذلت محسوس کرتا ہوں۔''

''میرے آدمی بھی انہیں سجدے نہیں کریں گے۔'' ڈان کے چٹخنے سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک بار پھر سخت بات کہہ دی تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''آنے والے کو عزت دینا تھائی روایات اور معاشرت کا ایک لازمی جز ہے۔ ہم اس کی پاس داری کریں گے اور بس!''

میں نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کرلی۔

''تم میں دو بڑی کمزوریاں ہیں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ڈان بولا۔ ''تم جلد باز اور جذباتی ہو۔ ان خامیوں پر قابو پالو تو تم بہت اوپر جاسکتے ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب ایک کام کی بات بھی ہوجائے!'' ان الفاظ پر میں نے ڈان کی طرف دیکھا تو وہ چاؤفان کی طرف متوجہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ہمہ تن گوش ہوگیا تھا۔

''شہر میں دو آدمیوں کا کھوج لگانا ہے۔'' ڈان کہہ رہا تھا۔ ''ایک گوری اور خوب صورت عورت ہے' ریٹا الیف ہیریسن اور دوسرا اکبر خان۔ پچھلی شام تک یہ دونوں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم تھے۔ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ دونوں کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہیں۔''

ڈان کی زبان سے ویرا اور سلطان شاہ کے مفروضہ نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈان نے کسی سیاق وسباق کے بغیر اس کام کا ذکر کیا تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ان دونوں کی تلاش کی فرمائش کرنل گیری کی طرف سے آئی ہوگی۔ اس کے آقاؤں نے نیویارک سے ٹوکیو اور پھر بنکاک تک ان دونوں کا بہت کامیابی سے سراغ لگایا لیکن اس کے آدمی اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور بے احتیاطی کی وجہ سے انہیں کھو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ٹی ایچ پال نامی ایک سارجنٹ کو زبردست مار پیٹ کی صورت میں اپنے اناڑی پن کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

وہ صورتِ احوال بہت خطرناک تھی۔ گیری نے ایک ہی ملاقات میں ڈان کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ ڈان کو ان دونوں کی تلاش کا کام سونپنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ ہر قیمت پر جلد از جلد اکبر اور ریٹا کو پکڑنے کا عزم کرچکے تھے۔

ڈان کو امریکی اہل کاروں کے بارے میں میری معاندانہ سوچ کا بخوبی علم ہوچکا تھا' اس لیے اس نے ریٹا اور

Downloaded from https://paksociety.com

اکبر کے قصے میں سے گیری کا ذکر گول کر دیا۔ چاؤ فان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس بارے میں ڈان سے کوئی سوال جواب کرتا۔

''یہ تمہارا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں'' میں نے نرمی سے ڈان سے کہا۔ ''کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ تمہیں ان کی تلاش کیوں ہے؟''

''کیا تم ان دونوں سے واقف ہو؟'' ڈان نے چونک کر پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے فوری طور پر سنبھالا لیتے ہوئے کہا ''دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں۔ میری دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ میرے ہم وطن ہیں۔''

ڈان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''یہاں ہزاروں پاکستانی رہتے ہیں۔ تم کس کس کی فکر کرو گے۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

میری توقع کے مطابق ڈان نے میرے سوال کا جواب ٹال دیا۔

ہم سیلرز بار سے روانہ ہوئے تو آسمان کے مشرقی گوشوں میں سفیدی پھیل چلی تھی۔ کہیں دور سے ابھرنے والے سورج کی کرنوں کا انعکاس گھور اندھیرے کی چادر کو تیزی سے نگل رہا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دیر سے اپنی زبان کو قابو میں رکھا ہوا ہے مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ میری خاموشی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی'' چاؤ فان نے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد تمہید باندھتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ آج تم ڈان کے سامنے کچھ زیادہ بولے ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم کیوں خاموش رہے'' میں نے جواب دیا ''تم خود غور کرو کہ ڈان نے گیری کے گھر پر بم پھینکنے کے ارادے سے ناوقت ہمیں بلایا تھا۔ گیری نے سیلرز بار آ کر نہ جانے ڈان کے کان میں کیا پھونکا کہ وہ اس کے گن گانے لگا۔''

''ماسٹر! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ آدمی دودھ دینے والی گائے کی دولاتیں بھی برداشت کر لیتا ہے۔ گیری سے دوستی میں ڈان کا فائدہ ہے۔ گرانٹ کے علاوہ کاموں کے بھاری معاوضے بھی ملتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ کسی سچے تھائی کو ان سے محبت نہیں ہو سکتی اور ڈان پکا تھائی ہے۔ وہ اسے جھکانا چاہتا تھا۔ گیری خود جھک گیا تو محاذ آرائی کی کیا ضرورت ہے۔ گھر بیٹھے لاکھ، دو لاکھ ڈالر ہر مہینے ملتے رہیں تو آدمی کو بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔''

''میں یہی سمجھ رہا ہوں۔ گیری نے سب کو خرید لیا ہے۔ اب وہ من مانیاں کرتا رہے گا۔ تم اسے نہیں روکو گے بلکہ غلط کاموں میں اس کا ساتھ دو گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی کہ وہ تم لوگوں کی بہبود کے لیے چندہ نہیں دے گا، تمہارے ذریعے اپنے ناپاک عزائم پورے کرے گا۔''

''تم ڈان کے فیصلے نہیں بدل سکتے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آئندہ تم خاموش رہو۔'' اس نے بحث میں پڑنے کے بجائے اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

''یہ ماننے والی بات ہے۔ میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں'' میں نے بھی محتاط رویہ اپناتے ہوئے بات وہیں ختم کر دی۔ چاؤ فان مجھ سے ہمدردی ضرور جتا رہا تھا لیکن وہ تھائی کے بینگن سے زیادہ خطرناک تھا۔ ڈان اسے ذرا بھی پچکارتا تو وہ جوش عقیدت سے مغلوب ہو کر، میری کہی ہوئی ہر ہلکی بھاری بات اس کے سامنے دہرا دیتا۔

وہ مجھے ہوٹل کے باہر اتار کر اپنی راہ ہو لیا اور میں بوجھل قدموں سے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ڈان اور گیری کا گٹھ جوڑ ہو جانے کے بعد مجھے بنکاک میں قیام کی مدت بھاری پڑتی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کی نیند ڈان نے برباد کر دی۔ میں دیر سے بیدار ہوا تو ناشتے کی فراہمی کا وقت گزر چکا تھا۔ لنچ کا وقت قریب تھا۔

میں نے تازہ دم ہو کر روم سروس کو کھانے کا آرڈر دیا اور دوبارہ بستر پر نیم دراز ہوا تو غزالہ نے بنکاک پوسٹ نامی انگریزی اخبار کی تازہ کاپی مجھے تھما دی۔

وہ مقامی روزنامہ تھا۔ اس کی جلی سرخی ڈان راجن کی لاش کے بارے میں تھی۔ جب تک راجن زندہ رہا، سب اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے لیکن اسے بنکاک کے ڈان کا خطاب نہیں مل سکا۔ اس کے مرتے ہی اخبار نے اسے یہ اعزاز عطا کر دیا۔

خبر خاصی طویل تھی۔ اس میں صحافیانہ سنسنی خیزی سے کام لیتے ہوئے حقائق کو خاصے ڈرامائی انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ میرے لیے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ موتی محل کے جلتے اور سلگتے ہوئے ملبے سے وہ تین لاشیں رات کے ساڑھے بارہ بجے برآمد کی جا سکی تھیں۔ آگ کے بھیانک شعلوں میں جل کر تینوں لاشیں کوئلہ ہو گئی تھیں پھر بھی ان کی باقیات کو شناخت کر لیا گیا تھا۔ موت کے اسباب کے بارے میں

Downloaded from https://paksociety.com

گولیوں کی کہانی بیان کی گئی تھی۔

وہ ہر اعتبار سے ایک سفاکانہ انتقامی کارروائی تھی۔ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں آگ لگائی گئی تھی۔ اخبار میں کسی پر شبہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ بنکاک کے پولیس کمشنر اور امن و امان سے متعلق دوسرے اداروں کے سرکردہ افسروں کے روایتی بیانات بھی پہلے صفحے کی زینت بنائے گئے تھے' جن میں قاتلوں کی گرفتاری اور عبرت ناک سزایابی کے عزائم کا اظہار کیا گیا تھا۔

میں نے وہ خبریں شروع سے آخر تک پڑھ ڈالیں۔ ان میں کہیں بھی ڈان برنارڈ کے نام کا شائبہ نہیں تھا۔ پچھلے واقعات اور بنکاک میں بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کے اجتماع کے حوالے سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ ڈان راجن کی موت کسی بڑی گینگ وار کا شاخسانہ معلوم ہوتی تھی۔

اس کے بعد جس ذیلی خبر نے میری توجہ حاصل کی وہ میرے لیے راجن کی موت سے زیادہ اہم تھی۔ اس مختصر سی ایک کالمی خبر کے مطابق سیام اسکوائر کے مصروف اور بارونق علاقے میں مشتعل نوجوانوں کے ایک ہجوم نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر امریکی فوج کے ایک افسر کو تھیر کر بری طرح زدوکوب کیا۔ پولیس کے پہنچتے ہی ہجوم منتشر ہوگیا۔ خون میں نہائے ہوئے سارجنٹ پال کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اسے شدید اندرونی ضربات آئی تھیں، جسم سے کافی خون ضائع ہو چکا تھا، دونوں گردے پھٹ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ رات کے ایک بجے اس نے آپریشن کی میز پر دم توڑ دیا۔

پوری جدوجہد کے باوجود اس الم ناک واقعے کا کوئی عینی شاہد سامنے نہیں آیا۔ پولیس یہ جاننے سے قاصر تھی کہ سارجنٹ پال کو کس وجہ سے ایسے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

وہ خبر پڑھتے ہی میرے ذہن میں گیری کی بھاگ دوڑ کا مقصد واضح ہوگیا۔

سارجنٹ پال اندرونی ضربات کی تاب نہ لاکر چل بسا تھا۔ ریٹا اور اکبر ہوٹل چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکے تھے۔ پال کو ان دونوں کی نگرانی پر مامور کرنے والوں کے لیے دونوں واقعات کے باہمی تعلق کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد ان کے لیے گمشدہ جوڑے کو پکڑنا ناگزیر ہوگیا۔ انہوں نے فوری طور پر سارے دستیاب وسائل استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

گیری مصالحت و مفاہمت کے پیغام کے ساتھ وہ کام بھی لے کر ڈان برنارڈ کے پاس پہنچ گیا۔ ڈان کی زبان سے ریٹا اور اکبر کی تلاش کی ہدایات سنتے ہوئے بھی مجھے اس معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ اخباری اطلاع نے وہ معما حل کردیا۔ گیری کو مشتبہ جوڑے کی نہیں بلکہ سارجنٹ پال کے قاتلوں کی تلاش تھی، جو اسے مشتعل ہجوم کے حوالے کرکے کہیں نکل گئے تھے۔

میں نے بے چین ہوکر اسی وقت موبائل فون پر دیرا کا نمبر ملالیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہاری صبح دیر سے ہوئی ہے؟'' میری آواز سنتے ہی وہ فون پر چہکی ''میرا اندازہ تھا کہ تم اخبار دیکھتے ہی فون کرو گے۔''

''میری رات بری طرح برباد ہوئی۔ صبح چھ بجے کے بعد بستر نصیب ہوسکا۔ ابھی سو کر اٹھا ہوں۔''

''سب کچھ نمٹ گیا تھا، پھر تمہاری رات کیوں کالی ہوئی؟''

''ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں؟''

''آج کل سب سے پہلا کام یہی کرتی ہوں۔ برابر کی چوٹ ہے۔ تمہارے ساتھ میرے کام کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہاں کے لوگ میری توقع سے زیادہ جذباتی نکلے۔ انہوں نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔''

''تم دونوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر طرف تلاش شروع ہوگئی ہے۔''

''یہ ہونا تھا، آنکھ میں تنکا پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔''

''کس تنکے کی بات کررہی ہو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''تنکا پڑنے کے بعد ہی میری بائیں آنکھ پھڑکی تھی اور وہیں سے فتور پیدا ہوتا چلا گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی زوجہ کو چھوڑ کر رات کہاں گزاری؟''

''بڑے آدمی نے بلالیا تھا۔ کان کھول کر سن لو کہ وہ تمہارے ہم وطنوں سے مل گیا ہے۔ اب ہمارا یہاں سے جلد از جلد نکلنا ضروری ہوگیا ہے۔'' فون پر بات کرتے ہوئے ہم دونوں محتاط تھے۔ کھل کر کسی کا نام لینے کے بجائے اشاروں کنایوں میں اپنا مدعا بیان کررہے تھے۔

میری تسلی کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ شہر میں پائی جانے والی صورتِ احوال سے بے خبر نہیں تھی۔ حالات نے ان دونوں کو دھکیل کر بنکاک پہنچادیا تھا تو وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔

''بڑا آدمی رفتہ رفتہ تمہاری جان کا روگ بنتا جارہا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اب اس سے اپنا پیچھا چھڑاؤ ورنہ وہ تمہیں یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ وہ غلطی سے تمہیں کام کا آدمی سمجھنے لگا ہے۔''

''کوشش یہی ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے'' میں نے اس کے آخری فقرے کو نظر انداز کر دیا۔

''اب سارا انحصار جلال پر ہے۔ پتا نہیں وہ کاغذات کب بھیجے گا؟''

''خدا کا خوف کرو۔ ابھی بات طے کیے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم نے شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ ایسے کام آسانی سے نہیں ہوا کرتے۔''

اس سے گفتگو ختم ہوئی تو لنچ آ گیا۔ وہاں رہتے رہتے مجھے اتنا تجربہ ہو گیا تھا کہ شکم پری کے لیے کچھ گوارا ڈشوں کا انتخاب کر سکوں۔

کھانے کے دوران میں غزالہ نے اوّل خان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس سے رابطہ ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ جلال سے ملنے والی اطلاع کے مطابق اس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ یہ اندازہ تھا کہ اس بار بھی اسے دباؤ کے تحت کراچی سے دور بھیجا گیا ہوگا۔ میں نے مجرمانہ احساس کے ساتھ اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مجھے شبہ تھا کہ اول خان کو سزا کے طور پر کراچی سے بھیجا گیا ہوگا تو اس سے موبائل فون بھی واپس لے لیا گیا ہوگا تاکہ اس کے رابطے محدود ہو جائیں۔ نمبر ملانے کے بعد جب پہلی گھنٹی پر اس کی تر و تازہ آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔

''تم کہاں غائب ہو..... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے علیک سلیک کے بعد گرم جوشی سے پوچھا۔

''اسکیشل ڈیوٹی پر ہوں اور جنوں کو کام کرتا ہوا دیکھ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''کن جنوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہی جو گوادر پورٹ کے لیے کام کر رہے ہیں'' اس کے لہجے میں اطمینان اور آسودگی کی جھلک نمایاں تھی ''یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ یہ کیسی زبردست بندرگاہ بن سکتی ہے۔ سمندر میں دور تک ابھری ہوئی زمین کے دونوں طرف وسیع کھاڑیاں ہیں۔ آج کل یہ ماہی گیروں اور لانچوں وغیرہ کے استعمال میں ہیں۔ چینی اس پس ماندہ ساحل پر نئی اور جدید بندرگاہ کے خدوخال تیار کر رہے ہیں۔ منہ اندھیرے اٹھ کر باجماعت ورزش پھر ناشتا کرتے ہیں اور پاگلوں کی طرح کام سے لگ جاتے ہیں۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے یہ اپنے کیمپ کا رخ نہیں کرتے۔ ایسے کارگر انسان میں نے پہلی بار دیکھے ہیں۔''

آج گوادر پورٹ ایک حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ وہ اس منصوبے کا ابتدائی دور تھا۔ میں نے کہا ''ابھی وہاں کچھ بھی نہیں ہے، سہولتوں کا فقدان ہے۔ اس پس ماندہ علاقے میں تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''سازشیں چل پڑی ہیں۔ مجھے جلال کی معرفت تمہاری ٹپ بھی مل گئی ہے'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کچھ عالمی قوتوں کو اس خطے میں چین کی موجودگی پسند نہیں آ رہی۔ پاکستان اور چین باہمی تعاون پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبریں ملی ہیں کہ چینی دوستوں کے خلاف دہشت گردی کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ چند بڑے واقعات کے بعد چینی ورکر شاید کام کرنے سے انکار کر دیں۔''

''اوہ.....!'' میرے لیے اول خان کا وہ انکشاف تحیر خیز تھا ''راجن نے یہاں سے ایک پارٹی کو شاید اسی لیے بلوچستان بھیجا ہوا ہے۔''

''بلوچستان نہیں، خاص گوادر کہو۔ چند روز پہلے کوہک کے قریب ٹرانسمیشن ٹاور اڑانے کے شبہے میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں انہوں نے جیوانی سے داخل ہونے والے کچھ غیر ملکیوں کی نشاندہی کی ہے۔ تم نے بروقت خبر دی تھی۔ اس پر بہت سرعت سے کام ہوا اور اب ان غیر ملکی تخریب کاروں کی تلاش جاری ہے۔ راجن کے گرگے بہت جلد اس کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔''

میری اور جلال کی اس گفتگو کو پورا ایک دن بھی نہیں گزرا تھا لیکن معاملے کی نزاکت کی وجہ سے وہ اطلاع نہ صرف اول خان تک پہنچ چکی تھی بلکہ اس پر کام بھی شروع ہو گیا تھا۔

''تم بہت اہم کام کر رہے ہو'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو دباؤ کی وجہ سے نہ بھیجا گیا ہو۔''

اول خان کی ہلکی سی ہنسی میں درویشانہ بے نیازی تھی۔ وہ بولا ''دباؤ کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ کام سامنے آیا تو باس نے ادھر روانہ کر دیا۔ اس مرتبہ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ دشمن سمجھ رہے ہوں گے کہ میرا تبادلہ ان کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی کراچی میں اب سکون ہے۔ مار کھانے کے بعد سفید دشمن ستا رہے ہیں۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوادر میں چین کی موجودگی سے بھارتیوں کو کیا پرخاش ہے؟'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''سب سے زیادہ تکلیف امریکا کو ہے'' اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

وضاحت کی ''روس کے خاتمے کے بعد وہ چین کو اپنا اگلا حریف سمجھتا ہے۔ چین پر دباؤ رکھنے کے لیے وہ بھارتیوں کی ناز برداری کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کے مفادات مشترک ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ بہت حساس اور غیور ہیں۔ امریکی ایجنٹ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ انہیں اچھوتوں کی طرح الگ تھلگ رہنا پڑے گا۔ بھارتی ہم جیسے ہیں۔ وہ مقامیوں میں گھل مل کر کام کرسکتے ہیں۔''

''پھر یہ صرف راجن کا کام نہیں ہوسکتا۔ وہ گیری اور ساگر کی ہدایات پر عمل کررہا تھا'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''ان کے ایما پر آدمی پاکستان بھیجے گئے ہیں۔''

''کیا تم را کے پاکستان ونگ کے نئے سربراہ کا ذکر کررہے ہو؟'' اول خان نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں..... اٹل بسواس کے بعد اب وہی سربراہ ہے۔''

''کیا راجن کے اس سے بھی رابطے تھے؟'' اول خان بہت سی باتوں سے بےخبر تھا۔

''ساگر اور گیری اس کے اَن داتا تھے، وہ بنکاک میں بیٹھ کر ساگر کی ہدایات پر دنیا بھر سے ایٹمی آلات اور مواد بھارت اسمگل کررہا تھا۔ یہ تفصیلات تمہیں جلال سے مل سکتی ہیں'' میں نے اسے بہت اختصار سے جواب دیا۔

''اب را کے آدمی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے'' اول خان کی پُرعزم آواز ابھری ''راجن کو راستے سے ہٹا کر تم نے ثواب کا کام کیا ہے۔ ان کے جوہری منصوبوں میں خلل پڑے گا، دوسری سازشیں بھی عارضی طور پر متاثر ہوں گی، یہاں آنے والوں کے رابطے تو سرے سے ختم ہوجائیں گے۔ ان کے پاس راجن کے سوا کوئی اور نام نہیں ہوگا۔''

''میں حیران ہوں کہ یہ لوگ کتنی صفائی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا فتنہ سامنے آجاتا ہے۔ کچھ عرصے سے ہمارے دشمنوں کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج کی قلعی کھلنے کے بعد ان کی کارروائیاں دھیمی ہوجانا چاہیے تھیں لیکن ان کا دوسرا چینل حرکت میں آگیا۔ اب راجن گیا ہے تو کوئی اور مہرہ آگے آجائے گا۔ خرابی یہ ہے کہ زبان سے یہ لوگ دوستی کے دعوے کرتے ہیں، پس پشت ہمیں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ کھلی دشمنی اور آمنے سامنے کا مقابلہ ہو تو ساری راہیں مسدود کی جاسکتی تھیں، دوغلے پن کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہمارے آدمی ان کی سرحدوں میں کام کررہے ہوں۔ وہ تنگ آکر یہ جوابی وار کررہے ہوں؟''

''ہوسکتا ہے بلکہ بھارت کی حد تک ایسا ہی ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پہل کون کرتا ہے اور جواب کون دے رہا ہے۔ اس پہلو پر جلال روشنی ڈال سکے گا'' اس نے بلاتوقف جواب دیا ''فساد کی اصل جڑ امریکا بنا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں ہمارا کوئی آدمی سرگرم نہیں ہوگا۔ نہ جانے وہ ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟''

''انہیں گھمنڈ ہے کہ اب وہ اکلوتی سپر پاور ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں ان کی مرضی کا نظام چلنا چاہیے۔ ان حرکتوں سے وہ حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔''

''حکومتیں جھک سکتی ہیں، عوام نہیں جھک سکتے'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا ''امریکی حکمراں یہ بھول رہے ہیں کہ اپنی ان حرکتوں سے وہ نفرتیں خرید رہے ہیں۔ تم وہاں دیکھ رہے ہوگے کہ تھائی حکمراں امریکا کے قریبی حلیف ہیں، عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔''

''آج میں نے ایک نیا جملہ سنا ہے۔ تھائی اپنی فطرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ مل کر رہنا سیکھ گئے ہیں'' میں نے ذہن میں آنے والے، ڈان کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ''وہ پوری دنیا کو یہی قرینہ سکھانا چاہتے ہیں۔ نفرت کرو یا محبت مگر ہم کو برداشت کرو۔''

''تم نے وہاں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ جلال کو توقع نہیں تھی کہ تم اتنی بڑی فتح حاصل کروگے۔ اب تمہیں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔''

''میں پابہ رکاب ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کدھر جاؤں؟ پاکستان لوٹنے کے راستے بند ہیں.....'' میں نے اس ذکر کے ساتھ اپنے سینے میں درد کی ایک لہری ابھرتی محسوس کی۔

''یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ تمہارے حقیقی خاکے بن چکے ہیں۔ پتا نہیں جلال نے کیسے جتن کرکے ان کا اجرا روکا ہوا ہے۔ وقفوں وقفوں سے پرانے انعامی اشتہار اخبارات میں آرہے ہیں۔ جس دن ان میں صحیح خاکہ شامل ہوگیا، تمہیں پہچاننے کے دسیوں دعوے دار سامنے آجائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر دردمندی سے کہا۔

''ہمارے لیے دعا کرتے رہو'' میں نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا ''یہ غنیمت ہے کہ انہیں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ ان کے بنوائے ہوئے متعدد خاکوں میں

Downloaded from https://paksociety.com

سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے۔''

''ہم ایک دوسرے کے لیے اور کچھ نہیں تو دعائیں ضرور کر سکتے ہیں۔ صرف زبان ہلانے سے کچھ نہیں بنتا، دل سے نکلی ہوئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

وہ اول خان نہیں، اس کا مضبوط ایمان بول رہا تھا۔ آج کا مسلمان جب اپنی سب کوششیں کر کے تھک جاتا ہے تو آخر میں سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے تہ دل سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور ایسی دعائیں اکثر شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہیں۔

اول خان سے ہونے والی وہ گفتگو ہر اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔ پہلے را کے ایجنٹ پاکستان کی قومی تنصیبات اور شہری آبادیوں کو اپنی دہشت گردیوں کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ یہ نئی خبر تھی کہ انہوں نے پاکستان میں کام کرنے والے غیر ملکیوں کو اپنا ہدف بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں غزالہ کے ساتھ دیر تک اسی موضوع پر سر کھپا تا رہا۔ میرے دل و دماغ پر عجیب سی بے بسی طاری ہو چلی تھی۔ دور رہ کر میں ان سازشوں کے سدباب میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔ واپسی پُرخطر تھی۔ ہر سمت سے ایک ہی آواز چلی آ رہی تھی کہ اس وقت میرا پاکستان جانا میرے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

جلال کے بیان کے مطابق میں نے بنکاک آمد کے تین مقاصد حاصل کر لیے تھے مگر میں سوبھراج اور راجن جیسے خوفناک مجرموں کو مار لینے کے باوجود خود کو تہی دست محسوس کر رہا تھا۔ وطن سے ملنے والی نئی اطلاعات نے ان کامیابیوں کو ماند کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں اپنے خاکوں کے بارے میں بھی تشویش پل رہی تھی۔ اس بارے میں ایک بات امید افزا تھی کہ امریکی اپنے کام کو خود مشکل بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

انہوں نے اپنے ماہرین کی مدد سے جو خاکے بنوائے تھے۔ وہ خود ان کی افادیت سے بے خبر تھے۔ خاکوں کی اہمیت کا ادراک وہی کر سکتا تھا جس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہو۔ ایسا آدمی جلال کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کارآمد خاکے کی نشاندہی کیے بغیر یہ موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں دو افراد حراست میں زیرِ تفتیش ہیں۔ ان میں سے ایک یقیناً ڈینی ہے۔ ایسی صورت میں خاکوں کا بکھیڑا پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جلال کی چال کی وجہ سے ان کی رفتار سست ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اپنا کام ترک نہیں کیا تھا۔ ان کی نظروں میں وہ سارے خاکے اہم تھے۔ ان خاکوں میں کمپیوٹر کی مدد سے داڑھی، مونچھوں اور بالوں وغیرہ کے ردّوبدل سے وہ شناخت کا امکان بڑھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ یوں اصل خاکوں کی تعداد دس بیس گنا بڑھ جاتی۔ تعداد جتنی زیادہ ہوتی، اصل خاکے کے انتخاب کا امکان اسی قدر کم ہو جاتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لیے وہ بیک وقت سیکڑوں خاکوں کی تشہیر کر کے مذاق کا نشانہ بنتے۔ انہیں آخر کار دو چار خاکے منتخب کرنے ہوتے۔ مجھے توقع تھی کہ بنیادی خاکوں پر کمپیوٹر کی مشقِ ستم کے بعد وہ اصل خاکے کو نظر انداز کر دیں گے اور جلال کے مشورے کو نظر انداز کر کے انہوں نے کسی نئی تشہیری مہم کا ارادہ کیا تو وہ تصویر یا خاکے کی حد تک میرے لیے بے ضرر ہوگی۔

وہ میری توقعات تھیں جن کے پورا ہونے کا دارومدار میرے مقدر اور اتفاقات پر تھا۔ اس بارے میں قبل از وقت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

شام ڈھلے غزالہ روزمرہ ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے گئی تو مجھے طارق کا دھیان آ گیا۔ اپنے بڑے کی ہدایت پر وہ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے گیری کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں ایک اہم ترین خبر دینے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا۔

اس کی بارہ گھنٹوں سے زیادہ عرصے پر محیط خاموشی کا سبب جاننے کے لیے میں نے اسے فون کیا تو اس کی آواز سے تکان اور بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ سیلرز بار سے واپسی پر کرنل گیری اپنے گھر کے بجائے سیٹو کے ہیڈ کوارٹرز میں چلا گیا۔ وہ خالص فوجی اور ممنوع علاقہ تھا۔ اندر کی سن گن لینا ناممکن تھا۔ گیری مسلسل وہیں گھسا ہوا تھا۔ طارق اس کے نمودار ہونے کے انتظار میں قرب و جوار میں منڈلاتا پھر رہا تھا۔

میں نے اسے حوصلہ دینے کے لیے گفتگو کو ذرا طول دیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے بنیادی فریضے کے طور پر مقامی اخبار ضرور پڑھتا ہے۔ اس اعصاب شکن ڈیوٹی میں بھی اس نے اخبار دیکھ ڈالا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ سیٹو ہیڈ کوارٹرز ہی میں ملٹری اسپتال اور امریکی فوجی چھاؤنی قائم تھی۔ شاید گیری وہاں رک کر سارجنٹ پال کی لاش امریکا روانہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اول خان نے کام کے دیوانے چینیوں کے لیے جنوں کا خطاب استعمال کیا تھا۔ میری نظروں میں طارق بھی کسی جن

Downloaded from https://paksociety.com

سے کم نہیں تھا۔ اسے بستر سے پیٹھ ٹکائے چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے، نگرانی کے چکر میں اسے ڈھنگ سے کچھ کھانے پینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکن سے بے نیاز ہوکر اپنے کام کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنے محکمے کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ میں خود بھی اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ گیری کی نقل وحرکت کے بارے میں طارق سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ اسے اسلام آباد سے جو ہدایات ملی تھیں، وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے چند بھرپور توصیفی کلمات کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

میں کچھ دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر پڑا غزالہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے ہمیں ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہوجاتی تھی لیکن دستخطوں کے لیے آنے والے چند ابتدائی بلوں میں معمولی اشیا کے دام دیکھ کر غزالہ حیران رہ گئی۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا تو ان کے دام بھی ویسے ہی تھے۔ اس نے یہ معمول بنالیا تھا کہ فروٹ، مشروبات اور دوسری ضروری اشیا بازار سے سستے داموں خرید کر لاتی اور کمرے میں رکھے ہوئے چھوٹے ریفریجریٹر میں بھر لیتی۔ اس فریج میں ہوٹل والوں کی طرف سے چند ہلکے مشروبات کے ساتھ عمدہ اور قیمتی شرابوں کی چھوٹی بوتلیں منی بار کے نام پر گاہکوں کو مہیا کی جاتی تھیں جو ہمارے کمرے میں جوں کی توں رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہمیں داموں کا علم نہیں ہوسکا مگر مجھے اندازہ تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں ان کی قیمت کئی گنا زیادہ طلب کی جاتی ہوگی۔

ہم بنکاک میں بہت آسودہ حال تھے۔ اپنی رقم کے علاوہ جلال کے دیے ہوئے لفافوں کی رقم موجود تھی پھر ڈان کے انعامات نے ہماری خوش حالی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس بے فکری کے باوجود غزالہ بے جا اصراف کی مخالف تھی، وہ جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی واپس آتی تھی۔ انتظار طویل ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تیاری شروع کردی۔

اس وقت میرے ذہن پر اکتاہٹ اور بے زاری سوار ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خیال تھا کہ رات کی تکان اور بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں دوبارہ سو جاؤں گا۔ اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے ساتھ لیتی گئی تھی تاکہ خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آسکے۔

چابی میری تحویل میں ہوتی تو شاید میں کمرے میں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا، تاکہ اسے مقفل کمرے کی چابی حاصل کرنے کے لیے کاؤنٹر تک واپس نہ جانا پڑے۔ اس کی دوراندیشی نے مجھے اس فکر سے آزاد کردیا تھا۔ اپنی تیاری مکمل کرتے ہی میں نے کمرا چھوڑ دیا۔

وہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا جہاں رات گئے تک رونق اور چہل پہل رہتی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا ہوٹل کے احاطے سے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت میں بہت شدت کے ساتھ ماحول میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ کھلی فضا میں آتے ہی مجھے تازگی کا احساس ہونے لگا۔

مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ڈان سے میری تلخ وترش باتیں ضرور ہوئی تھیں لیکن مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اس خرانٹ کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت نہیں تھی۔ میرا اور اس کا اختلاف صرف گیری کی ذات تک محدود تھا۔ میری نظروں میں وہ خودغرض اور سازشی امریکی افسر منہ لگانے کے قابل نہیں تھا جبکہ ڈان اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اس کے لیے سراپا لطف وکرم بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فطری تجسس سے مجبور تھا۔ کمرے کی تنہائی سے ہوٹل کے بھرے پرے فلور پر آتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر اپنے گردوپیش کا جائزہ لے ڈالا تھا اور مطمئن ہوکر ہوٹل کی حدود سے قدم باہر نکالا تھا۔

ہوٹل سے باہر آکر میں نے بائیں طرف جاتے ہوئے ٹھنک کر سگریٹ سلگائی تو یکایک میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ میں تیزی سے پلٹا اور آتے جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے دو کریہہ صورت مقامی خود بہ خود میری نظروں میں آگئے۔

وہ بہت غیر فطری انداز میں اپنے گردوپیش سے گزرتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے تھے۔ ان کا رخ بتا رہا تھا کہ رکنے سے پہلے وہ میرے پیچھے چلے آرہے تھے۔ میں ان دونوں پر سرسری نظر ڈال کر یوں ان کے پیچھے دیکھنے لگا جیسے دور کسی کو تلاش کررہا ہوں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔

وہ اپنی صورتوں سے تیسرے درجے کے لفنگے نظر آرہے تھے۔ مجھے ہلکا سا شک ہوا کہ وہ میرا پیچھا کررہے تھے لیکن یہ مساوی امکان بھی موجود تھا کہ ان کا میری طرف دھیان نہ ہو، وہ کسی اور وجہ سے چلتے چلتے رک گئے ہوں۔

ان دونوں کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کو آزمانا ضروری تھا۔ اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں اپنی سمت بدل لوں۔

میں نے براہِ راست ان پر نظریں جمائے بغیر کن انکھیوں

Downloaded from https://paksociety.com

سے جائزہ لیا تو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے آپس میں مذاکرات شروع کردیے تھے۔ میں کسی واضح پروگرام کے بغیر شہر میں کوچہ نوردی کرنے والے لاابالی سیاح کی طرح مڑا اور چند لمحوں بعد ان کے قریب سے گزرتا ہوا اسی سمت میں ہولیا۔

میں ایک مرتبہ پلٹ کر ان کا جائزہ لے چکا تھا۔ ذرا سی دیر میں میرا دوبارہ مڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں بظاہر مجھ سے بھڑنے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن ان کی وضع قطع کو دیکھتے ہوئے براہ راست تصادم کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس وقت شدت سے میرے ذہن میں یہ احمقانہ خیال آیا کہ انسان کی کھوپڑی کے پیچھے تیسری آنکھ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ تیسری آنکھ ہوتی تو مجھے کسی زحمت کے بغیر یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دونوں میرے پیچھے آرہے تھے یا لاتعلقانہ انداز میں مخالف سمت میں جاچکے تھے؟

تذبذب اور بے یقینی کی اس کیفیت کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت سوار ہونے لگی۔ پیچھے سے آنے والی ہر آہٹ پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ شبہ ہوتا کہ پیچھے سے اچانک کوئی میرے اوپر حملہ کردے گا۔ آنے والے کے آگے گزرنے سے ذرا اطمینان ہوتا تو کوئی اور جلد باز مجھے اس اعصاب شکن امتحان میں ڈال دیتا۔ علاقہ مصروف تھا اس لیے وہ تسلسل کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آرہا تھا۔

اس دباؤ کے سبب غیر ارادی طور پر میری چال تیز ہوگئی۔ لمحہ بہ لمحہ یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا جارہا تھا کہ ہم بنکاک میں بہت آسوے سامنا ہوا تو نوبت یکا یک جلال کے دیے ہوئے لفافوں تک اس مرحلے پر ہرالجھاؤ سے انعامات نے ہماری خوش حالی تک بے فکری کے باوجود غزالہ بے بلعد مجھے شہر کے عرض میں پھیلی جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی وہر کے آثار نظر آنے لگے۔ ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تیاری پر پہنچ جاتا جس کے پیچھے اس وقت میرے ذہن پر اس میں مقیم تھے۔

ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا دھیان دونوں کی طرف جانے کا بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے نکل کر مخالف سمت میں چلا اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل اندے مجھے یک بہ یک اپنی سمت وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے کرلیا تھا کہ پیچھا کرنے خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آسکے لاتے ہے دور نکل جاؤں چابی میری تحویل میں ہوتی تو ؛

کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تا کہ ا مارے تک کر کھڑا ہوگیا۔

انداز ایسا تھا جیسے میں نہر کے نظارے سے محظوظ ہورہا ہوں لیکن اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

پھر مجھے وہ دونوں نظر آگئے۔ وہ بھی میری طرح نہر کے نظارے میں محو نظر آرہے تھے۔ ان کی ڈھٹائی اور بے خوفی میرے لیے تشویش ناک تھی۔ بظاہر انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ میری نظروں میں آچکے تھے۔ ان کا مقصد صرف پیچھا کرنا ہوتا تو وہ مجھ سے دور رہ کر خود کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ وہ جس انداز میں میرے سر پر مسلط تھے، اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ انہیں جہاں بھی میدان صاف نظر آتا، وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ اچانک میرے مقابل آجاتے اور میرے لیے انہیں سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔

میں ہوٹل سے آوارہ گردی کا ارادہ کرکے نکلا تھا۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انگلیوں میں جادوئی انگوٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آثار یہ بتارہے تھے کہ ان زہرافشاں انگوٹھیوں کے استعمال کے بغیر میں اپنے متوقع حریفوں سے چھٹکارا نہیں پاسکوں گا۔ بیم گن کے ساتھ زہر کا استعمال بھی میری ذات سے منسوب ہوچکا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرلی جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔

وہ سب جلال کے منصوبے کے برعکس ہوتا۔ وہ میرے نام سے دو قیدی لیے بیٹھا تھا۔ اس کی خفت اور بوکھلاہٹ سے قطع نظر میری جان سخت خطرے میں پڑجاتی۔ ڈان کو پہلے ہی مجھ پر شبہ ہوچکا تھا جسے میں نے اپنی اداکاری اور چرب زبانی سے زائل کردیا تھا۔ گیری اپنے پورے لشکر کے ساتھ میری تلاش کی مہم میں جٹ جاتا۔

میرے لیے وہ سب ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔ آزاد اور زندہ رہنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر وہ انگوٹھیاں استعمال نہ کروں۔ میں نے اضطراری یا مجبوری کی حالت میں ان کے استعمال سے بچنے کے لیے وہیں کھڑے کھڑے دونوں انگوٹھیاں اپنی انگلیوں سے اتاریں اور احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیں۔

اس وقت میں دیدہ ودانستہ کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بات ہاتھ پیروں کے استعمال تک محدود رہتی تو دیر ضرور لگتی مگر میں انہیں تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ انہوں نے میرا پلّا بھاری ہوتا دیکھ کر آتشیں ہتھیار نکال

Downloaded from https://paksociety.com

لیے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔

میں کچھ دیر تک اسی پُل کے کنارے پر رکا رہا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر انہیں نہیں گھور سکتا تھا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا کہ ان کے چہروں کی رہی سہی نرمی جاتی رہی تھی۔ اپنے بشروں سے وہ فکرمند اور سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ کسی کا تعاقب کرنے کے معاملے میں وہ اناڑی نظر آ رہے تھے۔

میرے اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر ایک بار پھر پلٹ گیا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ ان کے کمزور ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں نے باقاعدہ انہیں گھورنا شروع کر دیا۔

راستہ تنگ تھا۔ وہ دونوں مجھے راہ دینے کے لیے سڑک کر دیوار سے لگ گئے۔ میں نے یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ ان میں سے کسی کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا تھا۔

میں نے ان سے نہ الجھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ پہل کرتے تو میں جی جان سے ان کا مقابلہ کرتا۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے وجود میں غصے کی ایک شدید لہر ابھری اور میں کسی ارادے کے بغیر اچانک ان کے سامنے رک گیا۔

''کیا چاہتے ہو تم لوگ..... میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟'' میں نے زہر آلود لہجے میں ان سے سوال کیا۔ تھائی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں نے انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

میرے رکتے ہی ان کے چہروں پر یتیمی سی برسنے لگی۔ دبلے شخص نے اپنے قدرے فربہ ساتھی سے اپنی زبان میں کچھ کہا اور اس کی زبان چل پڑی ''یو تو رست..... سنگل..... دانت گال۔ وری بیوٹی فل'' وہ میری طرف جھک کر خستہ وشکستہ انگریزی میں جملوں کے بجائے الفاظ بولتا چلا گیا۔ اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی کہانی شروع کر دی تھی۔ اس کے نپے تلے الفاظ اتنے بھرپور تھے کہ اسے اپنا مفہوم سمجھانے کے لیے فقروں کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

اس کی زبان سے وہ خرافات سنتے ہی میرا اعصابی تناؤ دور ہو گیا۔ وہ بنکاک کے گشتی دلالوں کی بولی بول رہا تھا مگر میرے ذہن نے اس کی تاویل کو قبول نہیں کیا۔

آج کا بنکاک ان غلاظتوں سے کافی حد تک پاک ہو چکا ہے لیکن ان دنوں بھی میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ جنس فروش کارندے کسی بھی غیر ملکی کو زبردستی نہیں پھانستے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی بات شروع کرتے اور حوصلہ افزا جواب نہ ملے تو اس موضوع کو یوں بھول جاتے تھے جیسے اس بارے میں سرے سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ دونوں کافی دیر سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اتنی دیر میں وہ چاہتے تو دس بیس افراد سے ملاقات کر کے اپنے مطلب کے کئی گاہک تلاش کر سکتے تھے۔

''البم نکالو!'' میں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سختی سے مطالبہ کیا۔ اگر وہ وہی تھے جو خود کو ظاہر کر رہے تھے تو ان کے پاس دو چار تصویری البم ہونے ضروری تھے۔

''نو البم!.....'' فربہ شخص کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہو گئے ''یو کم..... سی گالز..... وری گڈ!''

انہیں چھیڑ کر مجھے اپنی وحشت ناک ذہنی پریشانی سے نجات مل گئی تھی لیکن میں عجیب مخمصے سے دوچار ہو گیا تھا۔ بات کھل چکی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ دونوں صورت حرام ہونے کے باوجود جارحانہ موڈ میں نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بلکہ ان میں سے صرف ایک اپنے مطلب کی محدود انگریزی سے واقف تھا۔ اس گزرگاہ پر رک کر ان دونوں سے بازپرس کی کوشش کی جاتی تو میں خود وہاں تماشا بن جاتا۔ میں کھیت کی کہتا تو وہ کھلیان کی سمجھتے۔

میں نے طیش اور جھلاہٹ کے عالم میں ہاتھ گھما دیا۔ ایک آدھ تھپڑ رسید کیے بغیر انہیں درگزر کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں میری طرف سے کسی زیادتی کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں ایک ساتھ مجھے جھکائی دے گئے اور میرا ہاتھ فضا میں گھوم کر رہ گیا۔

اگلے ہی لمحے ان دونوں نے پوری قوت سے ایک طرف دوڑ لگا دی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔

آس پاس سے گزرنے والوں نے حیرت اور مسرت سے ملی جلی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ بعض لوگ سمجھے کہ وہاں کوئی مذاق ہو رہا تھا۔ ایک دو سیٹیاں بجیں، چند آوازے کسے گئے اور میں سخت خفت کے عالم میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ میں اپنی سبکی کا منظر دیکھنے والوں کی نظروں سے جلد از جلد دور نکل جاؤں۔

وہ دونوں بھی نہر پار کرنے کے بجائے اسی طرف بھاگے تھے جدھر میں جا رہا تھا لیکن انہوں نے اتنی سرعت سے دوڑ لگائی تھی کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

اس واقعے سے میرا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ سمجھ میں

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں خبیثوں کو کس خانے میں فٹ کروں؟ وہ دوست ہوتے تو چوروں کی طرح چھپ کر میرا تعاقب نہ کرتے، دشمن ہوتے تو خطرناک تیور دکھائے بغیر اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ جب تک وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، میں تشویش اور سنسنی میں مبتلا تھا۔ بھاگنے کے بعد وہ اپنے پیچھے کئی الجھاوے چھوڑ گئے تھے جن کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں اس ذہنی تکدر کے عالم میں ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا۔ نئی پریشانی میں غزالہ کو شامل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس بے سروپا واقعے کے بارے میں کوئی رائے تو کیا دیتی، مجھ سے زیادہ پریشان ہو جاتی۔

میں نے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہونے کے بجائے سیدھی راہ اختیار کر لی۔ میرے ذہن میں یہ خدشہ بھی سر ابھار رہا تھا کہ میرے باہر رہنے کی صورت میں اس جیسا حیران کن واقعہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔

میں ہوٹل سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ میں نے ناگواری سے پلٹ کر دیکھا تو چاؤفان کی کالی اکارڈ فٹ ہاتھ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا انجن چل رہا تھا، وہ اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا، کسی بندر کی طرح شوخی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے برابر والی نشست پر لی بہت بنی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی چاؤفان نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا اور دروازہ کھول کر اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کا ایک پیر سڑک پر اور دوسرا پائے دان پر تھا۔

میں جوں ہی گاڑی کی طرف بڑھا، لی بھی اپنے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ سجائے گاڑی سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ گزرے ہوئے واقعے پر بات کرنے کے لیے چاؤفان نہایت موزوں تھا۔ لی نے وائٹ ہاک کی تباہی پر کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ راجن کے خلاف جس انداز میں باتیں ہوتی رہی تھیں ان کی بنا پر وہ بڑی حد تک ہماری راز داں بن چکی تھی۔ اس کی موجودگی میرے اور چاؤفان کے مذاکرات میں رکاوٹ نہیں تھی۔

''ہائے ماسٹر!'' میرے قریب پہنچنے پر لی نے والہانہ انداز میں کہا ''اس سہانی شام میں اکیلے ہی گھوم رہے ہو۔ میں نے دور سے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا ورنہ چاؤفان تیزی سے یہاں سے نکلا جا رہا تھا۔ یہ گاڑی یوں دوڑاتا ہے جیسے کہیں ڈاکا ڈال کر بھاگ رہا ہو۔''

''چاؤفان بڑا ڈیکٹ ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''خوب صورت عورتوں کو لوٹنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، اس سے ہوشیار رہنا'' غیر متوقع طور پر ان دونوں سے ملاقات ہوتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

وہ دونوں ہنس دیے۔ لی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی خالی کی ہوئی جگہ سنبھال لی۔

''ماسٹر! کیا بات ہے..... تم اس وقت اکیلے نظر آ رہے ہو؟'' چند ثانیوں بعد چاؤفان نے فکرمند لہجے میں سوال کیا۔

''کیا میرے ساتھ جلوس ہونا چاہیے تھا؟'' میں نے استہزائی انداز میں پوچھا۔

''تمہارے ساتھ عورتوں کا جلوس ہو تو وہ بھی کم ہو گا'' لی شوخی سے بولی ''تم انہیں خوش کرنے کا فن جانتے ہو۔''

''میں نے دو آدمی تمہاری حفاظت پر مامور کیے تھے'' چاؤفان اس کے تبصرے کو نظر انداز کر کے پرتشویش انداز میں بڑبڑایا ''وہ دور دور تک نظر نہیں آ رہے؟''

اس کا وہ انکشاف سن کر میرا دل چاہا کہ اس کا گلا دبوچ لوں۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا ''وہ میرے حفاظت کر رہے تھے یا نگرانی پر لگائے گئے تھے؟''

''کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟'' اس نے بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔

''صرف دیکھا نہیں بلکہ بھگتا بھی ہے'' میں نے غصے سے تقریباً پھٹتے ہوئے جواب دیا ''وہ اس قدر بھونڈے انداز میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ مجھے ان سے الجھنا پڑ گیا۔ وہ اتنے بزدل نکلے کہ مجھ سے سامنا ہوتے ہی بھاگ گئے۔''

''اوہ..... یہ برا ہوا'' وہ بے ساختہ بولا ''غلطی میری تھی۔ مجھے تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تمہاری حفاظت پر دو آدمی مامور کیے گئے ہیں۔''

''تم دونوں کن آدمیوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' لی نے اٹھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''مجھے تمہاری ان باتوں سے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

''ڈارلنگ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں'' چاؤفان نے فوری طور پر فدویانہ لہجے میں اسے تسلی دی ''یہ معاملات ہم تمہیں گھر چھوڑنے کے بعد طے کر لیں گے۔ اب ان پر کوئی بات نہیں ہو گی۔''

بظاہر چاؤفان نے لی کو مخاطب کیا تھا لیکن وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا کہ لی کی موجودگی میں اس موضوع کو طول نہ دیا جائے۔ میں نے ناگواری سے خاموشی اختیار کر لی۔

اس نے میرے قرب و جوار میں اپنے آدمیوں کو موجود

Downloaded from https://paksociety.com

نہ پا کر اپنی فطری بے چینی کا اظہار کیا اور لمحہ بھر میں یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دونوں چاؤفان کے کارندے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یقینی طور پر اس نے ڈان کے ایما پر اپنے آدمی میرے پیچھے لگائے تھے۔

بات نبھانے کے لیے اس نے میری حفاظت کا ذکر کیا تھا لیکن میں اس وضاحت سے مطمئن نہیں تھا۔ جب راجن زندہ تھا اور مجھے واقعی تحفظ درکار تھا تو ان لوگوں نے مجھے میدان میں تنہا چھوڑا ہوا تھا۔ سنگین خطرہ ٹل جانے کے بعد جب سب کچھ نارمل نظر آ رہا تھا تو خاموشی سے دو آدمی میرے پیچھے لگا دیے گئے۔

میرے لیے وہ صورتِ احوال تشویش ناک تھی۔

چاؤفان کے اعتراف سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے میرے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بہت کامیابی سے چھپا لیا تھا۔ وہ گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے مجھ پر یہ ظاہر کیا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہوگیا تھا مگر اس نے فوری طور پر میری نگرانی کا بندوبست کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں میرے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

''ماسٹر! تم دوبارہ مجھ سے ملنے نہیں آئے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لی نے لگاوٹ کے انداز میں وہ سوال کر کے میرے خیالات کی رو توڑ دی۔

''میں دوستوں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ چاؤفان تمہاری دوستی کا پہلا حق دار ہے۔ میں اس کی کوششوں کو بار آور ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔''

''پوچھ لو..... اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی'' لی اپنے مراسم کے اظہار کے بارے میں میری توقع سے زیادہ بے باک تھی۔ ''میں بھی دوستوں کی قدر کرتی ہوں۔ اسے ستانے میں مجھے لطف آ رہا تھا لیکن وائٹ ہاک والے واقعے کے بعد میں نے اس کی ساری شکایتیں دور کر دیں۔''

''تم واقعی بہت اچھی ہو۔ میں تمہاری دوستی پر فخر محسوس کرنے لگا ہوں'' چاؤفان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے میری زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھیر دیے ہیں۔''

''ماسٹر! تم نے سن لیا۔ میں کسی کا دل نہیں توڑتی۔ چاؤفان مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے مگر مجھے یقین ہے کہ چھوٹا راجن کو تم لوگوں نے ہی جیتے جی جہنم کی آگ میں جلایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ بری موت کا مستحق تھا اور کچھ نہیں تو اس کی موت کی خوشی منانے کے لیے کسی شام میرے گھر آ جاؤ۔ دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والی ایک عورت کو کیا تم اتنی خوشی بھی نہیں دے سکتے؟''

''تم فکر نہ کرو'' مجھ سے پہلے چاؤفان بول اٹھا ''میں ماسٹر کو تمہارے پاس لاؤں گا۔ فی الحال میں پارٹی کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ اس سے نمٹنے کے بعد مجھے اور ماسٹر کو فرصت ہی فرصت ہوگی۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔''

''پارٹی میں، میں ڈان کو پہلی مرتبہ قریب سے دیکھوں گی۔ سنا ہے کہ وہ بھی بہت شاندار آدمی ہے مگر عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا؟'' لی بولی۔

''مادام! یہ کیا کہہ رہی ہو'' چاؤفان نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر کہا ''ڈان سے زیادہ کون عورت کی عزت کرے گا۔ سارے شہر کو معلوم ہے کہ اپنی بیوی سے سربازار پٹنے کے باوجود اس نے اپنی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ مری ہے تو اب ڈان نے گوشہ نشینی ترک کی ہے۔''

''ان باتوں کو رہنے دو۔ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن اپنی زہریلی زبان سے اس کے چیتھڑے اڑا دیتا ہے۔ وہ الفاظ کو کوڑوں کی طرح استعمال کرتا ہے۔''

لی سنی سنائی باتیں دہرا رہی تھی لیکن وہ حقیقت پر مبنی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہونے کے نتیجے میں لی کے مطالبے سے میری جان چھوٹ گئی۔

انہوں نے دوران گفتگو پارٹی کا ذکر کر کے میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ قرائن بتا رہے تھے کہ وہ ڈان کی واپسی کے جشن کا تذکرہ تھا۔ ڈان نے اسی کے انتظار میں مجھے روکا ہوا تھا۔ پارٹی کے انعقاد کے بعد ڈان کے لیے مجھے بنکاک میں روکنے کا کوئی جواز نہ رہتا۔ مجھے توقع تھی کہ اس اثنا میں جلال کی طرف سے ہم چاروں کے نئے پاسپورٹ بھی آ جائیں گے اور ہم نئے ناموں کے ساتھ تھائی لینڈ کو الوداع کہہ سکیں گے۔

باتوں باتوں میں لی کا گھر آ گیا۔ اسے پورچ میں اتار کر چاؤفان واپس ہولیا۔

''تم اس لفنگی کے ساتھ کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے؟'' میں نے لی کے گھر سے نکلتے ہی چاؤفان سے سوال کیا۔

''شان دار سوال ہے'' چاؤفان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''ماسٹر! قصہ یہ ہے کہ مادام کے شہر کی ساری معزز لفنگیوں سے گہرے مراسم ہیں۔ ان میں ماڈلز سے اداکارائیں تک شامل ہیں۔ ڈان نے جشن کے لیے پرسوں کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ میں مادام کے ساتھ چیدہ چیدہ ہستیوں کو دعوت دینے کے مشن پر نکلا ہوا تھا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''راجن کی موت پر یوں کھلا جشن منا کر کہیں ڈان خطرہ مول نہ لے رہا ہو۔ سب جان لیں گے کہ اسی نے راجن کو مروایا ہے'' میں نے کہا۔

''یہ بات صرف چند قریبی لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ دراصل ڈان کی گوشہ نشینی ختم ہونے کی پارٹی ہوگی۔ ڈان کے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ خبر بہت تیزی سے گردش میں آ چکی ہے کہ ڈان پر ہاتھ اٹھانے والی عورت تھونگ ری میں ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مر گئی اور ڈان نے اس قدرتی انتقام کی خوشی میں اپنی گوشہ نشینی ختم کر دی ہے۔''

''پارٹی کے بعد میں یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہوں گا'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''ڈان کی مہمان داری کا انوکھا انداز مجھے راس نہیں آئے گا۔''

''تم کس بات پر آزردہ ہو رہے ہو؟'' اس نے انجان بن کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''چاؤفان! میرے سامنے تمہاری یہ مکاری نہیں چلے گی'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں نے لی کی موجودگی کی وجہ سے اپنی زبان بند کر لی ورنہ آج کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو کہ وہ دو آدمی میری حفاظت کر رہے تھے۔''

''ماسٹر! تمہارا غصہ بجا ہے۔ ساری غلطی میری ہے۔ مجھے تم کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ اب ہر وقت دو آدمی تمہاری حفاظت کریں گے۔'' اس نے ندامت سے جواب دیا۔

''غلطی نہیں، یہ میرے خلاف کھلی سازش ہے۔ وہ میری نظروں میں نہ آتے تو اس وقت بھی میرا پیچھا کر رہے ہوتے۔ وہ اتنے بزدل ہیں کہ انہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمی درکار ہیں۔ وہ میری کیا حفاظت کرتے، مجھے کس سے خطرہ ہے.....؟ میں ڈان سے پوچھوں گا کہ کیا وہ اسی طرح لوگوں کو اپنا مہمان بنا کر ذلیل کرتا ہے؟''

''تم مجھے جوتے مارلو لیکن خدا کے لیے ڈان سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا'' وہ بوکھلا کر گڑگڑایا ''ڈان کا خیال تھا کہ گارڈ ہوں گے تو تم آزادی اور بے فکری کے ساتھ شہر میں گھوم سکو گے۔''

''اگر میں تمہارا یہ جھوٹ مان لوں تب بھی میرا باخبر ہونا ضروری تھا۔ جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ دو اُلّو کے پٹھے میری حفاظت کر رہے ہیں، میں کیسے بے فکر ہو سکتا تھا؟''

''بس مجھ سے یہی چوک ہو گئی۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر مادام کی طرف نکل گیا۔ پرسوں ویک اینڈ ہے، لڑکیوں کی پہلے سے بکنگ ہو جاتی ہے۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔''

''تم فی البدیہہ جھوٹ بولے جا رہے ہو'' میرا پارا چڑھنے لگا ''تمہارے بتانے کی سرے سے ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔''

''میری مت ماری گئی تھی۔ یہ آسان طریقہ میرے ذہن میں نہیں آیا'' وہ حجت کرنے کے بجائے ہر بات اپنے اوپر لیے جا رہا تھا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے آج ہی یہ ملک چھوڑنے کی اجازت مل جائے؟'' میں نے دانت پیس کر پوچھا۔

''تم اپنی مرضی کے مالک ہو، تمہیں کون روکے گا۔ سب کچھ تمہارے اور ڈان کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسے بتا دو تو میں خود تمہیں رخصت کروں گا'' اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ معاملہ میرے اور ڈان کے سر ڈال دیا۔

''میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں'' میں نے چراغ پا ہو کر اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔

''ارے..... ارے..... ماسٹر! یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے گھبرا کر بریک لگائے اور اسٹیئرنگ کاٹ کر گاڑی اچانک سڑک کے کنارے روک دی ''ڈان تم سے اس اچانک فیصلے کی وجہ جاننا چاہے گا، تم غصے میں ہو، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہہ دیا تو وہ مجھے کیا چبا جائے گا، دماغ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس سے ضرور بات کر لینا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسی روانی میں تیزی سے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے غزالہ بول رہی تھی۔ بازار سے واپسی پر مجھے کمرے میں موجود نہ پا کر وہ فکرمند ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے بہت مختصر بات کی۔ خیریت کا اطمینان دلا کر کچھ دیر میں واپسی کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔ اس دوران میں گاڑی دوبارہ حرکت میں آ چکی تھی۔

''تم اپنی زبان میں بات کر رہے تھے، تمہاری عو..... عج..... بیوی کا فون ہوگا'' اس نے اپنی عادت کے مطابق عورت کہتے کہتے اپنی تصحیح کرتے ہوئے رائے ظاہر کی۔

''چاؤفان! تم ڈان کے حکم کے بندے ہو۔ میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے گہری سنجیدگی سے کہا'' مجھے یہاں رہنا ہے نہ میں ڈان کے اقتدار کے لیے کوئی خطرہ بن سکتا ہوں۔ اسے مجھ سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ اپنی مکاریوں کو چھوڑ کر مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ میں اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں بتاؤں گا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ کی بے محل فون کال کی وجہ سے میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سنجیدگی کے ساتھ چاؤفان کو ٹٹول کر میں ڈان کی سوچ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ جب سے تم آئے ہو، اس نے مجھ سے بات کرنا کم کر دیا ہے۔ جب بھی تمہارا ذکر آتا ہے، وہ تمہاری تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے'' چاؤفان نے پُرخیال انداز میں کہنا شروع کیا ''سچ بات یہ ہے کہ وہ تمہاری کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر مجھے اکسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے شکایت ہے کہ میں دل لگا کر اس کے لیے کام نہیں کرتا، ہر وقت شراب، جوے اور عورتوں کی لت میں مبتلا رہتا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ سچ بتاؤ کہ کیا یہ درست ہے؟''

''وہ تمہارے ساتھ اکثر زیادتی کر جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔'' اس وقت میری ہمدردی اسے سچ بولنے پر آمادہ کر سکتی تھی۔

''تمہاری طرف سے ڈان کے ذہن میں کوئی نئی بات آ گئی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے شبہات اس کے ذہن سے دھل کر صاف ہو گئے تھے'' اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

''تم اس کے کن شبہات کی بات کر رہے ہو؟''

''پرانی باتیں ہیں جو تمہارے سامنے آ چکی ہیں، پہلے اسے شک تھا کہ یہاں کچھ لوگ تمہارے لیے کام کر رہے ہیں۔ ساری بھاگ دوڑ وہ کرتے ہیں، آخر میں تم اپنا کام کر گزرتے ہو۔ پھر اسے تمہاری بڑھتی ہوئی کارگزاری سے شبہ ہوا کہ تم ڈبل ہو اور نام بدل کر اسے فریب دے رہے ہو۔ تم نے اس کا یہ وہم خود دور کر دیا۔''

''میری طرف سے اس کا ذہن صاف ہے تو اسے میرے پیچھے آدمی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

اس بار چاؤفان کچھ نہیں بولا۔ اس نے میرے تحفظ کی جو رٹ لگائی ہوئی تھی، وہ ختم ہو چکی تھی۔ خاموشی اختیار کر کے اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ نگرانی کا معاملہ تھا۔

''اس معاملے میں تم سے ایک بھول ہوئی ہے'' کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تم نے ڈان سے اپنے دونوں پاسپورٹ لے کر غلطی کی۔ جب تک پاسپورٹ ڈان کے پاس تھے، اسے یہ تسلی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر تم کہیں نہیں جا سکو گے، اب معاملہ مختلف ہے۔''

اس نے اتنے طویل عرصے میں پہلی بار ڈان کے مقابلے میں میری ہمدردی میں زبان کھولی تھی۔ میں نے دھیمی مگر پُرجوش آواز میں شکوہ کیا ''پاسپورٹ میں نے نہیں مانگے۔ راجن کی موت کی خبر سننے کے بعد اس نے خود دیئے تھے۔''

''اس نے پہلے بھی لوٹائے تھے اور تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''کیا ڈان نے مجھے یہاں اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے؟''

''اسے تم جیسے شیر دل آدمی کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ بار وہ تمہیں اپنا دست راست بنانے کا ذکر کر چکا ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر میں یہاں نہیں رک سکتا۔ میرا گھر بار ہے، دوسری ذمے داریاں ہیں۔ میں ہر حال میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں'' میں نے احتجاج کیا۔

''ڈان شاید یہ نہیں چاہتا۔ سارا اختلاف بس یہی ہے'' چاؤفان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''یہ تمہارا حق ہے۔ میں نے اس کے لیے چند روز کام کیا ہے، تم دو برسوں سے بلکہ ایک لمبی مدت سے اس کے ساتھ اپنی وفاداری نبھا رہے ہو۔ اگر وہ مجھے تمہارے سروں پر مسلط کرنا چاہ رہا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ اس کے خلاف، اندر ہی اندر شورش پروان چڑھے گی اور ایک دن اچانک کوئی ڈان کا گلا کاٹ کر اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ میں اس کے ساتھ لگا رہا تو میں بھی بے موت مارا جاؤں گا۔ دونوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ماسٹر..... خاموش رہو!'' وہ گھٹی گھٹی، خوف زدہ آواز میں بولا ''اسے تمہاری ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔''

میں چاؤفان پر نپے تلے وار کر رہا تھا۔ اس کے ہر ردِعمل پر میری گہری نظریں تھیں۔ میری زہرفشانی پر اس نے اعتراض نہیں کیا تھا، اس کا سارا زور رازداری پر تھا کہ میری ان باتوں کی بھنک ڈان کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

''یہاں کون ہے جو ہماری باتیں ڈان کے کانوں میں پھونکے گا۔'' میں نے اس کے رویے سے حوصلہ پا کر بات آگے بڑھائی ''تم یا میں.....؟ ہم میں سے کوئی خودکشی کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ہم نے ڈان کا دیا ہوا مشن پورا کر دیا۔ اب اندر ہی اندر گھٹنے کی ضرورت نہیں۔ یہ موقع ہاتھ آیا ہے تو ہمیں کھل کر بات کر لینا چاہیے۔ اس کے پاس میری کارکردگی کا صلہ یہ ہے کہ وہ مجھ پر شک کیے جا رہا ہے۔ تمہاری وفاداریوں کا انعام یہ ہے کہ وہ مجھے تمہارے اوپر مسلط کرنے

Downloaded from https://paksociety.com

کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

چاؤفان گاڑی کی آرام دہ سیٹ پر بیٹھا، سکون سے ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن اس کے تنفس کی رفتار یوں تیز ہوگئی جیسے وہ دور سے دوڑتا چلا آرہا ہو۔ اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بے بسی سے کہا ''ماسٹر! تمہاری باتیں درست لیکن خوفناک ہیں۔ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھو۔ تم ڈان کو نہیں جانتے۔ وہ اپنے آدمیوں کی سوچ بھی پڑھ لیتا ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں جو ڈان کے سامنے زبان کھولے گا، وہ مارا جائے گا۔''

''ڈان کے سامنے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح راجن اطمینان سے مارڈالا گیا، اسی طرح سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ بات ذرا سے حوصلے کی ہے۔ تم ہمت کرو تو سارے معاملات ایک رات میں سدھر جائیں گے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

''نہیں ماسٹر!..... میں ڈان سے بغاوت نہیں کرسکتا'' اس کی جان نکلی جارہی تھی۔

''ڈان سے بغاوت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اسے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کسی خون خرابے کے بغیر سب کچھ سدھر سکتا ہے۔ مجھے صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہوگی'' میں نے اسے شیشے میں اتارنے کی کوششیں شروع کردیں۔ اتنا کچھ کہہ جانے کے بعد میرے لیے پیش قدمی کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔

''بغاوت اور خون خرابا نہیں ہوگا تو تبدیلی کیسے آئے گی؟'' اس نے کسی توہم زدہ معمول کی طرح کمزور آواز میں کہا۔

''تم تعاون کا وعدہ کرو، میں سب کچھ سمجھا دوں گا'' میں اسے آمادہ کرنے کے لیے بے چین ہوا جارہا تھا۔

''میں ڈان کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

''میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور سب کچھ ہوجائے گا..... یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتا جارہا تھا۔

''سارا فتور میری ذات کا ہے۔ میں یہاں سے نکل گیا تو ڈان کے سامنے صرف تم رہ جاؤ گے۔ وہ تمہیں اپنا دست راست بنالے گا'' میں نے اسے نیم آمادہ پاکر کہا ''میں یہاں رکنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ میں بحفاظت تمہارے ملک کی سرحد پار کرگیا تو ڈان کو ذرا سی جھنجلاہٹ کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہوجائے گی۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں سرحد پار پہنچا دوں؟''

''میں خود فرار ہوجاؤں گا۔ تم پرسوں تک میری نگرانی کرتے رہو'' غیر ارادی طور پر میری آواز دھیمی ہوگئی ''ابھی تم بتا رہے تھے کہ پرسوں ڈان کا جشن برپا ہونے والا ہے۔ وہاں مجھے بھی بلایا جائے گا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے وہاں افراتفری پیدا کردو تو میں نکل جاؤں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''یہ پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی'' اس نے بتایا ''وہاں کسی قسم کی افراتفری پھیلانا ممکن نہیں ہوگا۔''

''مجھے تفصیل بتاؤ، میں تمہیں کوئی نہ کوئی طریقہ بتادوں گا۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے بہتر مستقبل کے لیے میرا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔''

''تمہاری سب باتیں درست ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ تم نے کوئی احسان نہیں جتایا۔ تم جانا چاہتے ہو، میں اوپر آنا چاہتا ہوں۔ تمہارا منصوبہ بھی قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ایک اندیشہ ہے کہ فرار ہوتے ہوئے تم کہیں راستہ نہ بھٹک جاؤ۔''

''تم اس کی پروا مت کرو۔ یہ میرا دردِ سر ہوگا۔ میں ناکام رہا تب بھی تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کروں گا۔ ڈان مجھے فوراً مروادے گا۔ تم مجھے پارٹی کے بارے میں بتاؤ!'' میں نے مضطرب ہوکر کہا۔

چاؤفان نے مجھے ڈان کی مجوزہ پارٹی کے بارے میں خاص خاص باتیں بتانا شروع کردیں۔

☆☆☆

حالات نے ایک مرتبہ پھر تیزی سے پلٹا کھایا تھا اور بات یہاں تل گئی تھی کہ میں نے فوری طور پر تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد نہ کہا تو ڈان ایک لمبی مدت کے لیے مجھے اپنا قیدی بنالے گا۔ میں اس کی رضامندی کے بغیر ملک سے نہیں نکل سکوں گا۔

ڈان مجھ سے کام لینا چاہ رہا تھا۔ بات یہیں تک رہتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ میرے لیے یہ بات تشویش انگیز تھی کہ ڈان نے کرنل گیری سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ گیری بنکاک میں ایف بی آئی اور سی آئی اے سمیت بہت

Downloaded from https://paksociety.com

سے امریکی دفاتی اداروں کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کی ذات سے مجھے سنگین خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ میں ان دونوں کے گٹھ جوڑ کے باوجود گیری کی نظروں میں آنے سے بچا رہوں۔ میں سعادت مندی سے ڈان کے احکام کی تعمیل کرتا رہتا تو یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے امریکی دوست سے میری خوبیوں کا ذکر کرتا اور گیری میری طرف متوجہ ہو جاتا۔

میں بنکاک میں غزالہ کے ساتھ مقیم تھا۔ گیری مجھے اس کے حوالے سے شناخت کر لیتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے امریکیوں کے بھیانک چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔

بیم گن میرے اسباب میں پوشیدہ تھی، زہر اگلنے والی انگوٹھیاں ہر دم میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں بدترین اندیشوں کے باوجود اپنے ان اہم ترین ہتھیاروں کے اتلاف کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ امریکی ایک بار میری طرف متوجہ ہو جاتے تو ذرا سی محنت سے ان ہتھیاروں کی موجودگی کا سراغ لگا لیتے جو مجھے ڈینی ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ وہ میرے ساتھ جلال کی بھی بدترین ناکامی ہوتی۔ میرے نام پر پاکستان میں پکڑے ہوئے دو قیدیوں کا فریب کھل جانے کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ ان گمبھیر حالات سے بچنے کے لیے ہمارا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ مجھے جلال کی طرف سے کسی بھی وقت چاروں نئے پاسپورٹ مل جائیں گے اور ہم ان کی مدد سے بنکاک سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر بھی میں نے چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کا متبادل منصوبہ بنا لیا تھا۔

اس متبادل منصوبے سے مجھے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ چاؤفان کی ہمدردیاں جیت کر میں نے ڈان کے جاں نثاروں کی ناقابل شکست صف میں زبردست دراڑ ڈال دی تھی۔ چاؤفان نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی ترقی کے لیے میرا نکل جانا ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرا بدیہی فائدہ یہ تھا کہ جلال کی طرف سے پاسپورٹوں کی فراہمی میں کسی ناگزیر تاخیر کی صورت میں بھی ہمیں بنکاک میں دو دن سے زیادہ نہ رکنا پڑتا۔

غزالہ کی دانست میں چاؤفان کی رضامندی میری زبردست کامیابی تھی۔ وہ ڈان کا پرانا اور منہ چڑھا ساتھی تھا جو سوچے سمجھے بغیر ڈان کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے ڈان کی ضرورت کو فراموش کر کے اپنے مفاد کے بارے میں سوچا تھا تو یہ بڑی بات تھی۔

''اگر ڈان آپ کی طرف سے اتنا فکرمند ہے تو آپ کو پاسپورٹ اس کے حوالے کر دینا چاہئیں'' غزالہ نے میری روداد کی روشنی میں مشورہ دیا ''کم از کم رات دن کی نگرانی سے تو آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہمارے پاس کوئی شناخت باقی نہیں رہے گی'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس ہوٹل میں ضرورت تھی تو ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی ضرورت پیش نہیں آئی، اب کیا آئے گی۔''

وہ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے رہی تھی لیکن وہ فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہمارے نئے پاسپورٹ نہ آتے تو فرار کی صورت میں کسی اور ملک میں داخل ہونے کے لیے ہمیں ان دستاویزات کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اس بارے میں چاؤفان سے بات کیے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسے تھائی لینڈ کے سرحدی حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ بتانا تھا کہ ہمارے لیے کون سی سمت بہتر رہے گی۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''آج کا دن گزر گیا۔ اس بارے میں کل سوچ کر فیصلہ کروں گا۔''

''ڈان دوست کے روپ میں رفتہ رفتہ خطرہ بنتا جا رہا ہے'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''وہ دونوں مقابلے پر جم جاتے تو آپ مشکل میں پڑ جاتے۔''

''مجھے غصہ بھی موقع محل دیکھ کر آتا ہے۔ ان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ انہوں نے مجھ سے اڑنے کی کوشش کی تو انہیں پل کی دیوار سے نہر میں اچھال دوں گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''ڈان بھی اپنی قسم کا اکلوتا انسان ہے۔ دراصل جو لوگ خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں، وہ ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں.....''

''آپ کی طرف سے اس کی بدگمانی بے بنیاد نہیں ہے'' وہ میری بات کاٹ کر بولی ''یہ دیگر بات ہے کہ آپ اس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''اب مجھے بے چینی سے پرسوں رات کا انتظار ہے۔ یہ قصہ طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں ڈان سے بری طرح اکتا گیا ہوں۔''

''سلطان شاہ اور ویرا کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟'' وہ ان دونوں کی طرف سے بھی غافل نہیں رہتی تھی۔

''اب انہیں یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پال کی ہلاکت

Downloaded from https://paksociety.com

کے بعد ان کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ نکلیں گے۔''

''ان کو پہلے سے بریف کرنا ہوگا'' اس نے زور دے کر کہا۔

''کچھ طے ہو جائے تو ضرور بریف کروں گا۔''

''آپ نے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر نہیں دیکھی۔ سارجنٹ پال کی ہلاکت کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس کو ریٹا اور اکبر کی تلاش ہے۔''

''خبر نامکمل ہے'' میں نے جواب دیا ''پولیس کے علاوہ بہت سے لوگ انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ان دونوں کو ان حقائق کا علم ہے۔''

ہمارے درمیان دیر تک تازہ حالات اور مسائل کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ غزالہ کو میں نے ابتدا سے عملی میدان سے الگ تھلگ رکھا تھا لیکن ہمارے درمیان کھل کر ہونے والے تبادلۂ خیال کی وجہ سے وہ حالات کا گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اس کے مشورے ہمیشہ اہم اور دوررس اثرات کے حامل ہوتے تھے۔

جلال ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہمارے حالات کی نزاکت کا شاید ہم سے زیادہ احساس تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ کام پورا ہونے کے بعد ہمارے نئے پاسپورٹ روانہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا پھر بھی میں نے غزالہ کے ایما پر تازہ ترین پوزیشن جاننے کے لیے اسے فون کرلیا۔

لائن ملی تو پتا چلا کہ وہ پاکستان کے بجائے دبئی میں بیٹھا ہوا تھا جہاں اسے انسانی اسمگلنگ کے موضوع پر ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں اپنے ملک کی نمایندگی کرنا تھی کیونکہ پہلے سے نامزد کیا ہوا افسر اچانک صاحب فراش ہو گیا تھا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا کام ایک قابل اعتماد آدمی کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ تمہیں جلد ہی سب کچھ مل جائے گا۔'' تمہیدی گفتگو کے بعد اس نے اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''انتظار کا وقت گزر گیا۔ ہمارے پاس صرف کل کا بلکہ پرسوں شام تک کا وقت ہے۔ اس کے بعد سب بے کار ہو جائے گا'' میں نے اسے بتایا۔

''کیوں..... پرسوں کیا ہو رہا ہے؟'' میرے جواب نے اسے چونکا دیا۔

''ڈان گھٹیا حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہاری طرف سے کچھ نہ ہوا تو میں دوسری راہ اختیار کروں گا۔''

''میں خود بھی اپنی جگہ پر موجود ہوتا تو یہ کام اتنی جلدی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا کے معاملات ذرا پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ کئی ملکوں کا معاملہ ہے۔ پھر بھی میں تاکید کیے دیتا ہوں۔ تم دوسری کس راہ کا ذکر کر رہے ہو؟''

''کوئی غیر قانونی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ وہی جس کے تدارک کے لیے دبئی میں کانفرنس ہو رہی ہے یا پھر پرانے کاغذ استعمال کرنا ہوں گے۔''

''تم دونوں ایسا کر سکتے ہو۔ اکبر اور ریٹا کو اس خطرے میں نہ ڈالنا۔ ان کے لیے انتظار ہی بہتر رہے گا'' اس کا ذہن ہر طرف کام کر رہا تھا۔

''وہ ویسے ہی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پال زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکا ہے اور پوری سرگرمی سے ان دونوں کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ چاروں پر ایک ساتھ مسائل حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والی افسوس ناک پوزیشن آ گئی ہے۔''

''میں حیران ہوں۔ کل تک کامیابیاں تمہارے قدم چوم رہی تھیں۔ حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ یکا یک کہاں گڑبڑ ہو گئی!''

''یکا یک کچھ نہیں ہوا۔ پہلے سے کھچڑی پک رہی تھی' بھیدا ب کھلا ہے۔''

''مجھے بتاؤ کہ میں یہاں سے تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں!'' اس کی آواز سے شدید اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔

''بس دعا کرتے رہو، اگر پرسوں شام تک کاغذات مل سکیں تو یہ سب سے بڑا کام ہوگا۔''

''میں جھوٹی امید نہیں دلا سکتا۔ بہ ظاہر ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ تین چار دن کو ریسروس والے لے لیتے ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہاری ضروریات کا اندازہ ہے۔ کام بن گیا تو اسلام آباد سے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا جائے گا تاکہ وقت بچ سکے۔ اس وقت تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا متبادل منصوبہ کیا ہے۔''

''ابھی سب چوکنا ہیں۔ ڈان کے آدمی میرا پیچھا کرتے ہیں۔ پرسوں رات وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہا ہے۔ رات بھر سب اسی میں لگے رہیں گے۔ ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر نکل جائیں گے۔'' میں نے اختصار سے بتایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہارے ذہن میں بھی مکمل خاکہ نہیں بن سکا'' اس نے میرے ادھورے جواب سے صحیح

Downloaded from https://paksociety.com

اندازہ لگالیا۔

''تم صحیح سمجھ رہے ہو۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ راہ ابھی کچھ دیر پہلے سجھائی دی ہے۔ منصوبے کے خدوخال میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔''

''وہ خط تمہارے لیے اجنبی ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم کہیں آسمان سے گر کر کھجور میں نہ اٹک جاؤ۔''

اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ''بہتر یہی ہوتا کہ تم بدلے ہوئے درست کاغذات پر وہاں سے خاموشی سے روانہ ہوتے.....''

''اب بھی میری پہلی ترجیح یہی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا ''مگر میں تمہاری مجبوریاں سمجھ رہا ہوں۔ دوسرے طریقے کو میں بہ حالت مجبوری بروئے کار لاؤں گا۔''

''بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت مجھے بریف کردیا۔ تم کدھر کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے، ہم جدھر بھی گئے، تمہیں اطلاع مل جائے گی۔''

''سب کچھ غیر یقینی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اپنے گمبھیر مسائل پر کیسے قابو پاؤ گے۔ تم چند روز صبر کرلیتے تو یہ سب سہل ہوجاتا۔''

''میں خود بھی یہ بات سمجھ رہا ہوں۔ اب یہاں چند روز تو کیا چند گھنٹے گزارنا بھی خطرناک ہوگیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔''

اس نے میری کامیابی کی دردمندانہ دعاؤں اور پاسپورٹوں کے معاملے پر تیز ترین کارروائی کے وعدوں کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

چاؤفان سے مفاہمت اور تعاون کی فضا پیدا ہوگئی تھی، جلال کو بریف کردیا گیا تھا۔ اب ویرا اور سلطان شاہ کو آگاہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔

وہ دونوں ہوٹل سے نیو بیچ بری کے علاقے میں منتقل ہوچکے تھے۔ ملاقات کے لیے میرا ان کے گیسٹ ہاؤس کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو کہیں بلالیا جائے۔

اس سے پہلے سیام پارک کے ایک گوشے میں ہم چاروں یک جا ہوچکے تھے۔ وہ جگہ سب کی دیکھی بھالی تھی۔ میں نے فون کیا تو خلاف توقع سلطان شاہ سے بات ہوئی، اس نے بتایا کہ ویرا گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن سے لابی میں گپ شپ کے دوران اس اخباری اطلاع کے بارے میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کررہی تھی جس کے مطابق پولیس کو پال کی ہلاکت کے سلسلے میں ایک پاکستانی جوڑے کی تلاش تھی۔

اس خطرناک موضوع پر کسی مقامی سے بات چیت کرنا مخدوش تھا مگر ویرا ہوشیار تھی۔ میں پس منظر جانے بغیر اس کے فیصلے کی تنقیص نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو آدھے گھنٹے میں سیام پارک کی پرانی جگہ پر پہنچنے کے لیے کہا تو سلطان شاہ نے اس بارے میں کوئی بھی سوال کیے بغیر رضاکارانہ طور پر بتایا کہ وہ ویرا کو وہاں بھیج دے گا۔ میرے لب ولہجے سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ کوئی اہم بات مجوزہ ملاقات کی محرک بنی تھی۔

ان دونوں کے درمیان ذاتی معاملات پر کشیدگی ہونے کے باوجود کام کے معاملے میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ سلطان شاہ کھل کر ویرا کی ذہانت کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا رہتا تھا کہ وہ ویرا کی صلاحیتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ خود آنے کے بجائے ویرا کا نام تجویز کرکے اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی معقولیت ثابت کردی تھی۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ چاؤفان کی کال آگئی۔

''ماسٹر.....! اپنے پاسپورٹ لے کر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' اس کی آواز میں سدا بہار شوخی مفقود تھی۔ ڈان کی مرضی کے خلاف مجھ سے گٹھ جوڑ کرتے ہی وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔ اپنا پیغام دیتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

چاؤفان کی وہ ہدایت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس سے یہ ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ میری سازش میں شامل ہوتے ہی اس نے تیزی سے کام شروع کردیا تھا۔

میں نے غزالہ سے کہا کہ وہ ویرا یا سلطان شاہ کو فون کرکے یہ بتادے کہ مجھے سیام پارک پہنچنے میں تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کیا جائے۔ میں نے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ سنبھالا اور چاؤفان سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔

چاؤفان اپنی گاڑی میں بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ میں نے لفافہ اپنی جیب سے نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

''تمہیں ان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ تمہارے لیے بے کار ہوچکے ہیں۔'' اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ڈان نے اپنے پرانے اثر رسوخ کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ امیگریشن کے ڈائریکٹر جنرل سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ اس کے آدمی ڈان کی کلیرنس کے بغیر تمہیں یہاں سے نہیں نکلنے دیں گے۔ کسی نہ کسی بہانے سے تمہیں آف لوڈ کرا دیا جائے گا۔''

''اب تمہیں اندازہ ہوا کہ ڈان کے بارے میں میری سوچ غلط نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھے پہلے سے ان باتوں کا اندازہ تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تم ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تو ڈان کے ساتھ تمہارے لیے بھی سنگین خطرات پیدا ہو جاتے۔ کوئی دل جلا تمہارے پیچھے لگ سکتا تھا۔''

''تمہیں ان پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے اپنا ابتدائی سوال دہرایا۔

''میں ڈان سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے پارٹی کے بعد اپنی سیٹ کی بکنگ کروانے کے لیے اپنے پاسپورٹ مجھے دے دیے ہیں۔'' وہ بولا'' یہ سننے کے بعد ڈان نے مجھے امیگریشن والی بات بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں پاسپورٹ ایک طرف ڈال کر بھول جاؤں۔ چند روز بعد تمہیں بتا دیا جائے گا کہ پاسپورٹ کہیں گم ہو گئے۔ یہ الزام میرے سر آئے گا۔''

''ڈان نے پہلے ہی طنز کیا تھا کہ تم ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں بھول آؤ گے۔''

''ماسٹر! میں اتنا بھولا اور بے وقوف نہیں ہوں جتنا نظر آتا ہوں۔'' اس نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا'' ڈان عمر اور تجربے میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ اس نے مجھے پروان چڑھایا ہے اس لیے میں اس کی ہر بات ہنس کر سہہ لیتا ہوں۔ میرے سامنے دوسروں کا دم نکلتا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ تمہاری روانگی کے سارے راستے بند کر دینے کے بعد ڈان نے تمہیں آزادی دے دی ہے۔ پاسپورٹ میرے قبضے میں آ جانے کے بعد تمہاری نگرانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ میرے لیے وہ بڑی خوش خبری تھی۔ مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ میں سیام پارک میں ویرا سے ملنے گیا تو سب سے پہلے مجھے اپنا تعاقب کرنے والے کو پہچان کر جل دینا ہو گا ورنہ ویرا بھی اس کی نظروں میں آ جائے گی۔

''اچھا ہے!'' میں نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا'' لیکن کاغذات بلکہ پاسپورٹوں کے بغیر میں کیا کروں گا۔ کسی اور سرحد میں قدم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہو گی۔''

''ماسٹر.....! یہ تمہارے ساتھ میرے لیے بھی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' اس کی پوری شخصیت اس وقت بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ متانت اور تفکر کے ساتھ کہہ رہا تھا۔'' تم نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ تم سے الگ ہونے کے بعد میں اس بارے میں مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ یہاں سے کمبوڈیا کی سرحد سب سے قریب ہے۔ تم تین چار گھنٹوں میں وہاں پہنچ سکتے ہو۔ وہ غریب اور پس ماندہ ملک ہے۔ سرحدی اہل کار ڈھیلے ڈھالے اور رشوت خور ہیں۔ تمہاری جیب میں ڈالر ہوں تو تمہیں سرحد پار کرنے کے لیے کسی کاغذ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ڈان سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ہمارے فرار کے بعد ہمارا سراغ لگانے کے لیے زیادہ ہاتھ پیر مارے گا۔ پرانے پاسپورٹ استعمال کرنے کی صورت میں یہ قوی اندیشہ... بہرحال موجود تھا کہ دیر سویر سے گیری کے آدمی ریٹا اور اکبر کی اگلی منزل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں مسلسل غیر قانونی فرار کی تجویز گردش کر رہی تھی۔ اس پر کس طرح عمل ہو سکے گا..... میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

میں نے جلال سے بھی اس مبہم تجویز کا ذکر کر دیا تھا۔ میں موقع نکال کر چاؤفان سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کمبوڈیا میں گھسنے کی تجویز پیش کر کے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ اپنے تابناک مستقبل کے لیے وہ دل و جان سے میرے فرار میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور اس کے عملی ثبوت فراہم کر رہا تھا۔

''تمہارا مشورہ معقول ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا'' سوال ماسٹر پلان کا ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکے گا؟'' میں نے بوجھ اس پر ڈال دیا۔

''سب ہو جائے گا۔ پنڈال کے باہر چوری کی گاڑی تمہیں تیار ملے گی۔ ہلکے ہتھیار سے خورونوش کی چند چیزوں سمیت تمہیں سب کچھ اس میں ملے گا۔ سیٹ پر راستے کا نشان زدہ نقشہ موجود ہو گا۔ چابی الٹیشن میں لگی ہوئی ہو گی۔ تم خاموشی سے وہاں سے نکلو گے اور سرخ روٹ پر سفر کرتے ہوئے، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کمبوڈیا کی حدود میں داخل ہو جاؤ گے۔ پارٹی میں سب اپنی دھن میں مگن ہوں گے۔ کسی

Downloaded from https://paksociety.com

کو تمہارا دھیان نہیں آئے گا، وہاں کوئی افراتفری پھیلائے بغیر تم خاموشی سے نکل جاؤ گے۔''

اس نے ایک ہی سانس میں ایسا جامع منصوبہ پیش کر ڈالا کہ اس کی طرف سے میرے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ مجھے ڈبل کراس نہ کر رہا ہو۔ ابتدا سے میرے ساتھ اس کا رویہ تابع دارانہ رہا میں جو کچھ کہتا' وہ اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کی اپنی صلاحیتیں کبھی کبھی ابھر کر سامنے نہیں آسکیں۔

لوپ بوری میں اس کے آدمیوں کے ساتھ سوبھراج کا محاصرہ کرنے کے دوران میں یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کے پاس لڑنے مرنے والی نفری کی کمی نہیں تھی لیکن وہ سب غیر تربیت یافتہ تھے۔ کسی منظم مقابلے میں ڈٹ کر لڑنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ان کی اس خامی سے چاؤ فان کی اپنی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔

اس کی بات مکمل ہونے پر مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ ایک طرف مجھے فرار کی آسان راہ دکھا رہا ہو اور دوسری طرف ڈان کو اعتماد میں لے چکا ہو تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کشتیاں جلا کر اس پر بھروسا کیا تھا۔ اسے یہ بات بھی میں نے سمجھائی تھی کہ میں اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہ ڈان کا اکلوتا منظور نظر بن جاتا۔

اسے وہ سب بتاتے ہوئے میرا ذہن صرف ایک رخ پر کام کر رہا تھا کہ وہ مجھے تھائی لینڈ سے نکلنے میں مدد فراہم کرے گا۔ دل میں اس کی طرف سے شک پیدا ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا کہ چاؤ فان کی ترقی کا راستہ صاف ہونے کے لیے میرا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری نہیں تھا۔ وہ مجھے ڈان کی نظروں میں گندا کر کے بھی اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

چوری کی کار میں فرار ہوتے ہوئے اگر ڈان کے آدمی مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ میں ڈان کے ہولناک عتاب کا نشانہ بن جاتا، چاؤ فان اپنی مخبری کی بنا پر ڈان کے لیے عزیز تر ہو جاتا اور یوں وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتا۔ اس کے دل میں یہ خلش بھی پیدا نہ ہوتی کہ اس نے ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔

میرے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں تھا جس کی مدد سے میں چاؤ فان کی نیت کا صحیح اندازہ لگا سکوں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس منصوبے میں کتنے آدمی تمہارے راز داں ہوں گے؟''

''ماسٹر! اس بارے میں تو میں اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کروں گا۔'' اس کے بے ساختہ جواب نے میرے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا ''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی تک ڈان کو نہیں سمجھ سکے، وہ دل کی باتیں پڑھ لیتا ہے۔ تمہارے ارادوں کو سمجھ رہا ہے لیکن جان بوجھ کر تم سے کھیل رہا ہے۔ میں نے کسی کو اعتماد میں لیا تو وہ ڈان کے سامنے میرا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ ابھی میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

ذہن سے بوجھ ہلکا ہوتے ہی میں ہنس دیا۔ ''چوری کی کار کہاں سے آئے گی..... اس میں سب سامان کون فراہم کرے گا۔''

''ابھی تمہیں میری صلاحیتوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے برا مان جانے والے انداز میں کہا ''میرے آدمی شہر میں وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے کوئی گاڑی روک لوں گا۔ کوئی مجھ سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ گاڑی کو تیار کر کے میں خود وہاں پہنچاؤں گا۔''

''مسروقہ گاڑی کمبوڈیا میں پائی جائے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں اس ملاقات میں پہلی بار منفی پہلو پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے بعد مجھے اس سے تفصیلی بات چیت کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اسے میرے فرار کی تیاری کے ساتھ ڈان کی پارٹی کے لیے جنگل میں منگل منانے کا بندوبست کرنا تھا۔

''اسے بھول جاؤ۔ تم اس خطے سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ سب سوچ رہے ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے نکتہ اٹھا لیا۔ سرحد پر تمہارا ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہوگا۔ تم زبردست باتیں کرتے ہو۔ اگر تم کورو کنے والے انگریزی سے واقف ہوئے تو تم انہیں آسانی سے گاڑی کے لالچ میں پھانس لو گے، ڈالروں کے بجائے نئی گاڑی ان کے لیے بڑا انعام ہوگی۔ سرحد سے نوم پنہہ تک چوروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ گھنٹا بھر میں پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہ گاڑی کہاں گئی۔ انجن اور پرزے کھل کر بازار میں پھیل جائیں گے۔ چیسز گیس سے کاٹ کر کسی کباڑی بازار میں بیچ دیا جائے گا۔''

''کسی وردی والے کو رشوت کی پیش کش کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ ''ان میں سے کوئی ایمان دار نکل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! آج میں پہلی بار تمہیں نروس دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ایسے لین دین طے کرنے میں دونوں فریقوں کی صلاحیتوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ کوئی نخرے دکھاتا ہے تو وہ اپنی بولی بڑھوانے کی خواہش

Downloaded from https://paksociety.com

رکھتا ہے۔''

اس وقت چاؤ فان بہت ٹھوس اور کارآمد باتیں کررہا تھا۔ اس کی گفتگو میں حماقت یا فضول گوئی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ ان تبدیلیوں کا سبب ایک ہی ہوسکتا تھا کہ وہ ڈان کی غلامی کی زنجیر توڑ کر اپنا فیصلہ خود کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل و دماغ میں جنم لینے والے خدشات کمزور پڑنے لگے۔ وہ اتنا مکار نہیں تھا کہ مجھے دھوکا دے کر میرے سامنے اپنے دل کا چور چھپا سکے۔

''میں ذرا بھی نروس نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پارٹی سے نکلنے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔ میں صرف تمہارے تجربات کا نچوڑ جاننے کی کوشش کررہا ہوں۔''

''میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی بات سیکھی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنے کے بجائے اپنی منزل پر نگاہ رکھو۔ کوئی راستے میں آتا ہے تو اسے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔''

''مجھے حیرت ہے۔ آج تم فلسفہ بول رہے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ اس وقت تم میرے اوپر بھی اپنے اس سبق کا اطلاق کررہے ہو؟'' موقع میسر آتے ہی میں نے تمسخرانہ انداز میں اس سے وہ اہم سوال کرڈالا۔

''میرے دل میں تمہارے لیے عزت اور محبت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے میں تم کو دغا نہیں دوں گا۔''

''عزت کہہ لو۔ تمہاری محبت لی کے نام ہے جو آج بھی تمہارے ساتھ گھوم رہی تھی۔'' میں نے گفتگو کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ماسٹر! اس کا ذکر نہ کرو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''عورت بھی عجیب شے ہے۔ جب تک وہ مزاحمت کرتی رہتی ہے۔ مرد اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے۔ اسے پالینے کے بعد ساری امنگ ختم ہوجاتی ہے اور نیا دور شروع ہوجاتا ہے جس میں عورت اسے ڈھونڈتی پھرتی ہے۔''

چاؤ فان نے اپنی طبیعت کے ہرجائی پن کو ایک کلیے کے طور پر بیان کرڈالا۔ عورتوں کے بارے میں اس کی سوچ بہت سطحی اور عامیانہ تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اس سے اس موضوع پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پارٹی سے نکلنے کے لیے کون سا وقت موزوں رہے گا؟'' وقت کا تعین ہونا ضروری تھا تاکہ میں ویرا کو اسی کے مطابق وقت دے سکوں۔

''پارٹی کے لیے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ ہلکی پھلکی شرابوں کا دور چلے گا۔ دس بجے تک کھانا شروع ہوجائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا ''پھر رقص و سرود کی محفل شروع ہوگی۔ آدھی رات تک سب اپنی اپنی ذات میں گم ہوجائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے لیے ایک بجے کا وقت مناسب ہوگا۔ صبح کے پانچ چھ بجے تک تم کمبوڈیا میں ہوگے۔''

''میں صحیح سلامت وہاں پہنچ گیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔''

''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ پتا نہیں اس وقت میں کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ڈان کا رات بھر کا پروگرام ہے۔ شراب اور شباب کا خمار سب کو بے حال کردے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تم نڈر آدمی ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم صاف نکل جاؤ گے۔''

''نگرانی ختم ہوچکی ہے یا ہونے والی ہے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''میں نے بتایا نا کہ اب میدان صاف ہے، تمہیں اپنا کوئی بندوبست کرنا ہے تو ابھی سے تیاری شروع کرلو..... بتاؤ میں تمہیں کہاں اتاروں!''

''مجھے کسی تیاری کی ضرورت نہیں' مجھے ہوٹل پر ہی چھوڑ دو!''

اس منصوبے کی تیاری کے سلسلے میں چاؤ فان کے ساتھ میرے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے بے مصرف باتوں کا سلسلہ موقوف کردیا تھا۔ جواب میں' میں نے بھی بالا دستی کا اظہار ترک کردیا تھا۔ واپسی میں وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سفر کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ وہ کمبوڈیا کے راستے پر کئی بار سفر کرچکا تھا۔ مسروقہ گاڑیوں کے لین دین میں کوئی تنازع ہونے کی صورت میں ایسے خود وہاں جانا پڑتا تھا۔

میرے لیے یہ انکشاف تسلی بخش تھا کہ وہ مجھے سنے سنائے مشورے دینے کے بجائے اپنے ذاتی تجربات سے آگاہ کررہا تھا۔ اسے سرحد پار آنے جانے میں کبھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سوڈالر کا نوٹ ہمیشہ اس کے لیے پروانہ راہ داری ثابت ہوتا رہا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا کہ چاؤ فان کے حساب سے ہم چاروں کے لیے چار پانچ سو ڈالر کا نذرانہ پیش کرنا کافی ہوتا۔ اس کے عوض ہزاروں ڈالر مالیت کی گاڑی کی پیش کش ہمیں مشکوک بنا سکتی تھی۔

میں نے اس بارے میں چاؤ فان کو مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اپنی عقل کے مطابق مجھے مشورے دے چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

سرحد پر پیش آنے والے حالات کے مطابق ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار میری مرضی پر تھا۔

وہ مجھے ہوٹل کے قریب اتار کر رخصت ہوگیا۔

میں اپنی جگہ کھڑا اس کی گاڑی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتا رہا پھر میں بھی اس سمت میں آگے بڑھ گیا۔

ہلٹن ہوٹل سے سیام پارک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں چاؤفان کی یقین دہانی کے باوجود پیدل چل کر اپنا یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔

میں اس بارے میں مطمئن ہوکر سیام پارک میں بنی ہوئی چھوٹی سی مصنوعی جھیل کے قریب پہنچا تو ویرا تیز روشنی سے بچ کر بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' مجھے دیکھتے ہی اس نے میرا شانہ جھنجوڑ ڈالا ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا زیادہ دیر تک باہر رہنا کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اب اخباروں میں بھی خبر لگ چکی ہے۔''

''پارک میں سیکڑوں عورتیں ہیں۔ جب تک تمہارے پیشانی پر تمہارا نام نہ لکھا ہوا ہو کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے کام سے چاؤفان کے ساتھ نکلا ہوا تھا۔'' میں نے اپنا شانہ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے گیسٹ ہاؤس کی مالکن کیا کہتی ہے۔''

''وہ انگریزی بولنے کی شوقین ہے۔ اخبار کی پرنٹ لائن تک پڑھ کر نمودار ہوتی ہے اور پھر وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑتی پھرتی ہے.....''

''مجھے اس پر ریسرچ نہیں کرنا، جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خبر کا مذاق اڑا رہی تھی۔ پال کو مقامی لڑکوں نے زدوکوب کیا اور پولیس خفیہ پاکستانی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا تب بھی پولیس کو خبر نہیں دے گا۔ بنکاک میں لوگ عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کرتے۔ معاملہ ایک امریکی کی ہلاکت کا ہے اس لیے کوئی اس میں دلچسپی نہیں لے گا۔''

''تمہیں اپنے ہم وطنوں کی اس بے توقیری پر دکھ ہوا ہوگا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی میرے مزاج کی حس جاگ اٹھی تھی۔

''میں بے وطن ہوں۔'' اس نے فوراً اپنا دامن بچالیا ''امریکی حکمرانوں کے تکبر اور آمرانہ رویے نے اس قوم کو دنیا میں اتنا رسوا کردیا ہے کہ اب میں اس ملک میں پیدا ہونے پر شرم محسوس کرنے لگی ہوں۔''

''حالانکہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو تم ہوانا میں پیدا ہوسکتی تھیں۔''

ویرا نے نیم اندھیرے میں مجھے گھور کر دیکھا اور بولی ''ان دبی ہوئی چنگاریوں کو نہ کریدو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''آرام سے بیٹھو!'' میں نے پھولوں کے ایک کنج کے قریب نصب چوبی بنچ پر براجمان ہوتے ہوئے کہا ''میں نے تم میں سے کسی ایک کو بلالیا تھا۔ یہ اکبر کی غلطی ہے کہ اس نے اپنے بجائے تمہیں بھیج دیا۔''

''ہوٹل سے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہوتے ہی اس پر قنوطیت کا عجیب دورہ پڑا ہے۔ ہر وقت سر جھکائے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، مجھ سے الجھنا بھی کم کردیا ہے جو کچھ کہتی ہوں، بلا حیل وحجت مان لیتا ہے۔'' وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے دنوں کی مشق کر رہا ہے!''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میری سنجیدگی دیکھ کر وہ فکر مند ہوگئی۔

''شادی کے بعد اکثر یہی ہوتا ہے۔ عورت حادی ہوجائے تو مرد بلاوجہ قنوطی اور فلسفی نظر آنے لگتا ہے۔ بھوک اڑ جاتی ہے۔ صحت گرنے لگتی ہے سر پر تانبہ نمودار ہونے لگتا ہے۔''

آج کل تم لوگوں کے سر پر یہی بھوت سوار ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی ''جب ملاقات ہوتی ہے، یہی ذکر لے بیٹھتے ہو۔ یہ بھول جاتے ہو کہ ہمیں اس وقت اس سے زیادہ اہم مسائل درپیش ہیں۔''

''تم کوئی فیصلہ کرلو تو مسائل آدھے رہ جائیں گے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں الگ الگ سوچنا پڑتا ہے۔ تمہاری شادی کے بعد مجھے ان تفکرات سے نجات مل جائے گی، میری خواہش ہے کہ ہم کمبوڈیا میں قدم رکھتے ہی یہ نیک کام کرڈالیں۔''

''کمبوڈیا.....!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا ''اس کا ذکر کیسے نکل آیا۔''

''وقت کم رہ گیا ہے۔ پرسوں رات ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ تجسس سے مغلوب ہوکر میرے قریب سرک آئی۔ ''جب تک ہمارے نئے پاسپورٹ نہیں آجاتے ہم کہیں نہیں جاسکتے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''پاسپورٹ تیار ہونے میں وقت لگ رہا ہے۔ جلال دہی میں ہے۔ میری اس سے بات ہوچکی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد پولیس گیسٹ ہاؤسز کا رخ بھی کرسکتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ گیسٹ ہاؤسز والے کسی چھان بین کے بغیر ہر ایک کو جگہ دے دیتے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے اقرار کیا ''میں نے اسی خدشے کی وجہ سے اپنی گیسٹ ہاؤس کی مالک کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی سخت گیری کا مظاہرہ کرتی تو میں اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل لیتی۔ یہاں گزرتا ہوا ہر لمحہ مجھے بہت بھاری نظر آرہا ہے۔ پال کے لیے مرمت کی سزا کافی تھی۔ اس کی ناگہانی موت سے صورت حال بہت نازک ہوگئی ہے۔''

''پرسوں روانہ ہونا ہے یا پاسپورٹوں کا انتظار کروگی؟''

''پاسپورٹوں کے انتظار میں اپنی گردن نہیں کٹوائی جاسکتی۔'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''تم نے کوئی ڈھنگ کی بات سوچی ہے تو تفصیل بتاؤ۔ ممکن ہو تو میں اسی وقت اس ملک سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

میں نے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

وہ بہت شوق اور جوش کے ساتھ پورا پلان سنتی رہی میں نے بات ختم کی تو وہ مضطربانہ انداز میں بولی ''یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے کہ تم نے ڈان کے ایک قریبی آدمی کو تاڑ لیا۔ وہ راضی ہے تو ہمیں یہاں دوراتیں برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آج ہی نکل سکتے ہیں۔''

''چند گھنٹوں میں سارا بندوبست ہونا ناممکن ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ پھر ہمیں بھی فرار کے بعد وقت کی ضرورت ہوگی۔ پرسوں رات سب جشن میں مصروف رہیں گے۔ کسی کو ہمارا ہوش نہیں ہوگا۔ رات بھر کی بے اعتدالیوں کے بعد ڈان اتوار کا دن سو کر گزارے گا۔ اتوار کی شب یا پیر کی صبح سے پہلے اسے میرا خیال نہیں آسکے گا۔''

''اگر تم نے پورا ہوم ورک کرلیا ہے تو بحث بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ چوری کی کار کا کیا بنے گا۔ وہ جہاں بھی چھوڑی جائے گی، ہمارے لیے عذاب بنی رہے گی۔'' اس نے سب کچھ پوری طرح ذہن نشین کرلیا تھا۔ میں نے کمبوڈیا میں داخلے کے لیے اسے ہزار، پانچ سو ڈالر رشوت کی بات بتائی تھی۔ اس صورت میں مسروقہ کار کا مسئلہ واقعی برقرار رہتا۔

''چاؤ فان کی تجویز تھی کہ معمولی رشوت کے عوض قیمتی کار سرحدی پولیس کو دے دی جائے۔ وہ خود اس کا تیا پانچا کردیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اتنی غیر معمولی پیش کش پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سرحدی پٹی چوری کی گاڑیاں خریدنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم خود اس کا سودا کرلیں گے۔ چند گھنٹوں میں پوری کار کھل کر پرزوں کی صورت میں مارکیٹ میں بکھر جائے گی۔ بنکاک میں کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔''

''یہ دیکھ لینا کہ چاؤ فان ہمیں کہیں مروا نہ دے!''

''میں نے اچھی طرح سے کھنگال لیا۔ میں مطمئن ہوں۔ اس سے آگے مقدر کی کوئی خرابی آڑے آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پرسوں رات کو ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہوگا؟''

''پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں منعقد کی جائے گی۔ میں وہاں سے ایک بجے نکلوں گا۔ مجھے خود ڈرائیونگ کرنا ہوگی۔ شہر کے بہت سے راستے میرے لیے انجانے ہیں۔ بھولنے یا بھٹکنے کی وجہ سے مجھے دیر ہوسکتی ہے لیکن تم دونوں کو پوری تیاری کے ساتھ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر موجود ہونا چاہیے۔''

مسئلہ مقررہ مقام کا تھا، رات کے ڈیڑھ، دو بجے وہ زیادہ دیر تک کسی ویران مقام پر کھڑے رہتے تو پولیس والوں کی کسی عشتی پارٹی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ ان دونوں کے لیے بنکاک کی پولیس ملک الموت ثابت ہوسکتی تھی۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ وہ پنج بری کے علاقے میں کاؤبوائے کلب کے قریب میرا انتظار کریں۔

پنج بری روڈ کے اس حصے کا شمار ان علاقوں میں کیا جاسکتا ہے جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں بیدار رہتی ہیں۔ وہاں رات بھر شب بیدار رندادر مست ایک بہکے بہکے میلے کا سماں پیدا کیے رہتے تھے ان کی بھیڑ میں وہ دونوں آسانی سے مدغم ہوجاتے۔

''یہ سب طے ہوگیا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آتے ہی ٹیڑھی بات کیوں کی تھی!'' بنکاک سے گلا خلاصی کی راہ نظر آنے کے بعد ویرا اپنی اصل جون میں واپس آنے لگی۔

''میں نے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی۔ مجھ سے بلاوجہ الجھنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ نہ بھولو کہ جب تک ہم سرحد پار نہیں نکل جاتے۔ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہے گی۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''زندگی تلواروں کے سائے میں بھی اپنے رنگ بکھیرتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو موت آنے سے پہلے مردوں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم بہت زندہ دل ہو۔ اب میری جان چھوڑو۔ غزالہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں مٹی کا کھلونا نہیں ہوں جس کے بارے میں تم لوگ من مانے فیصلے کر لو۔ تم نے کبوڈیا میں شادی کا کیا ذکر کیا تھا؟''

''وہ ایک مخلصانہ تجویز اور خواہش تھی، فیصلہ نہیں تھا۔ فیصلے کا پورا اختیار تم کو حاصل ہے، میں تم کو صرف سمجھا سکتا ہوں۔''

''کیا تم اس بارے میں واقعی سنجیدہ ہو؟'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''ایسے معاملات میں مذاق نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ میرے اور تمہارے مراسم کا عینی شاہد ہے!''

''وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈان مرسیانو نے تمہیں کس فن کی تربیت دی تھی۔'' میں نے گمبھیر سنجیدگی اختیار کر کے موضوع سخن اپنی ذات سے اس کی طرف منتقل کر دیا۔

''اس کے باوجود وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ یہ میری اور غزالہ کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ تم دونوں کو اب ایک ہو جانا چاہیے۔''

''تم کچھ نہیں جانتے تو مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ مجھے قبول کر لے گا؟'' آخری الفاظ پر ویرا کی آواز فرط جذبات سے لرز گئی میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''تم میں کیا کمی ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''یہ سب ہے جس کی ایک مرد خواہش کر سکتا ہے۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ وہ بہت دور رہ گیا ہے۔''

''ماضی کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ کوئی بھول جائے تو دوسرے اسے یاد دلا دیتے ہیں ابھی..... ابھی تت..... تم نے مجھے ڈان مرسیانو کا طعنہ دیا تھا۔'' اس نے دبی دبی ہچکیوں کے درمیان کہا۔ اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔

رقت طاری ہونے کے سبب اس کے لیے الفاظ کی ادائیگی مشکل ہو رہی تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دو۔'' میں نے ندامت سے کہا ''وہ طعنہ نہیں تھا، ایک سادہ سا بیان تھا..... یہ بتانے کے لیے کہ سلطان شاہ کو تمہارے بارے میں ہر بات معلوم ہے۔ وہ آمادہ ہو گیا تو تمہیں تمہارے ماضی کے ساتھ قبول کرے گا۔''

''میں نے تمہارے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔'' وہ سنبھل گئی لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''تمہارے یہاں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں اسے پاکیزگی کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی، وہاں ایسا تصور ناپید ہے۔ عورت ایک کھلونا اور اس کی عزت کھیل ہوتی ہے۔ مغرب نے سربازار عورت کو ننگا کیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی اپنی حرکتوں میں عار محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کرتی رہی جو میرے گردو پیش میں ہو رہا تھا تمہارے ساتھ رہ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں اپنے فطری مقام سے کتنا نیچے چلی گئی تھی۔ شکم پری اور نفس پروری حیوانی جبلتیں ہیں۔ دوسروں کی طرح میں ان سے مغلوب رہی۔ مجھے اپنے ماضی سے نفرت اور کراہت محسوس ہونے لگی ہے۔ تمہارا سلطان شاہ عظیم آدمی ہے، سادہ لوح اور بے داغ کردار کا مالک ہے۔ میں اب تک تمہاری اور غزالہ کی باتوں کو مذاق میں اڑاتی رہی۔ میں ڈرتی ہوں کہ میں نے رضامندی ظاہر کی اور اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاؤں گی، اس طرح بکھر جاؤں گی پھر شاید میں اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر لوں۔''

''تم کیوں خوف زدہ ہو..... وہ کیوں انکار کرے گا؟'' میں اس کی دل جوئی کی کوشش میں اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

''میرا ماضی مجھے ڈستا رہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے لیے گالی سمجھے گا۔''

''میں اس کی ذہنی گرہوں کو سمجھتا ہوں۔ وہ تم پر بلاوجہ محنت نہیں کر رہا۔ اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم سچے دل سے مسلمان ہونے کا اقرار کر لو تو وہ تمہیں تمہارے ماضی سمیت قبول کر لے گا۔ شرط یہ ہوگی کہ پھر تم مڑ کر پیچھے نہیں دیکھو گی۔''

''میرے مسلمان ہونے سے اسے کیا مل جائے گا.....؟ اس کے لیے میں وہی ویرا رہوں گی۔ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد۔ ایک خودسر اور رنگین مزاج عورت!''

Downloaded from https://paksociety.com

''بار بار ان بے ہودہ باتوں کو نہ دہراؤ۔ اپنی ولدیت پر تمہارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اپنی پرانی روش سے تم تائب ہو چکی ہو۔ اس کی کوششوں سے تم مسلمان ہو جاؤ گی تو اس کی عاقبت سنور جائے گی۔ تم نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہب میں دوسروں کو راہِ راست پر لانے والوں کا کیا مقام اور درجہ ہوتا ہے وہ تمہارے لیے قابلِ فخر سہارا بن جائے گا۔''

''میں خود بھی خواب دیکھتی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہو، میرا محبت کرنے والا شوہر ہو، میں بھی کسی کی جائز ماں بن سکوں، میرا کوئی محافظ' کوئی کمانے والا ہو جو میری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لینے کا حوصلہ رکھتا ہو.....''

''یہ سب ممکن ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جا رہی تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''جتنا میں نے پڑھا اور دیکھا ہے، یہ دنیا کا سب سے بہترین اور فطری مذہب ہے۔ اس کے ہر درس میں حکمت ہے۔ تمہاری نمازوں پر مغرب میں ریسرچ کی گئی ہے۔ یہ طہارت، نفاست اور صحت کی کلید ہے۔ روزوں کے سائنسی فوائد پر مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ حج کو ساری دنیا انسانیت کا بے مثال اجتماع تسلیم کرتی ہے، زکوٰۃ مفلسوں اور ناداروں کی حاجت روائی کا بہترین انفرادی ذریعہ ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ مجھے پڑھا رہا ہے۔ یہ سب میرا پڑھا اور سمجھا ہوا ہے۔ میں تمہارے مذہب کی عظمت کو سات سلام کرتی ہوں، بس مجھ سے اس کے پیروکاروں کے بارے میں کچھ نہ پوچھنا۔''

''تم سچی پیروکار بن کر ایک مثال قائم کر سکتی ہو۔''

یکا یک ویرا نے کلمہ توحید روانی سے پڑھ ڈالا اور جذباتی لہجے میں بولی ''جب نیو یارک میں مذہب اور شادی کے معاملے میں میری اور سلطان شاہ کی پہلی جھڑپ ہوئی تو میں نے اسی دن اس سے چھپ کر کلمہ پڑھ لیا تھا۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں نے اسے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اس سے شادی کے لالچ میں اس کا مذہب قبول کیا ہے۔ یہ میرا آزادانہ فیصلہ ہے۔ جو میری آخری سانس تک برقرار رہے گا۔''

وہ ہماری گفتگو کا ایسا غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ تھا کہ یکا یک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''ویرا! میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں۔ تم نے ہم سب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ تمہاری سوچ بہت سیدھی اور سچی ہے۔ اللہ تمہارے ایمان کو مضبوطی عطا کرے۔ اب میں سینہ ٹھونک کر سلطان شاہ سے بات کروں گا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا۔''

''ڈینی! آج ہمارے پرانے رشتے ٹوٹ گئے۔'' ویرا کی آنکھیں ایک بار پھر ڈبڈبا گئیں۔ ''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ آج سے تم میرے ولی ہو۔ تمہیں اختیار ہے کہ میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو۔ میں سر جھکا کر اسے قبول کر لوں گی۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔

وہ سیام پارک کا ایک نیم تاریک اور خالی گوشہ تھا۔ ہمارے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ جگہ بھیڑ اور پختہ روشوں سے دور تھی۔ ہم دونوں اردو میں بے فکری سے باتیں کرتے رہے تھے لیکن میں نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا۔ ہمیں گفتگو کی آزادی ضرور میسر تھی لیکن کوئی غیر معمولی عملی صورت حال لوگوں کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور میں دونوں ہاتھ اپنی پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا رہا۔ ویرا کے ساتھ میں بھی یکا یک جذباتی ابال میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ویرا حیران کن صلاحیتوں کی مالک تھی۔ اس نے بارہا اپنے اچانک فیصلوں سے ہمیں متحیر کیا تھا۔ اپنے آبائی مذہب سے رسمی تعلق ختم کر کے مسلمان ہو جانے کے معاملے میں بھی اس نے اپنی وہ روایت برقرار رکھی تھی۔

''اٹھو اور اب واپس جا کر تیاری کرو۔ پرسوں رات' ڈیڑھ بجے کاڈوبائے کلب کے پاس پہنچنا نہ بھولنا۔'' اسے وہ ہدایت دیتے ہوئے مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا اب درمیان میں ہماری ملاقات نہیں ہو گی؟'' اس نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''اب ملنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر طرف سے دشمنوں میں گھرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''کمبوڈیا پہنچنے تک ہمیں ہر طرف سے بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔''

''اب مجھے پروا نہیں کہ میں کمبوڈیا پہنچوں یا اسی شہر میں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں پیوند خاک ہو جاؤں۔'' اس نے بیچ سے اٹھ کر پرعزم لہجے میں کہا ''میں نے اپنے دل اور روح کا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔''

اس نے مجھے الوداع کہتے ہوئے فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا تو اس کے خوبصورت ہونٹوں پر ایک آسودہ اور خفیف مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ وہ مڑی اور تیزی کے ساتھ ایک طرف چل دی۔

چند ثانیوں بعد میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھے یوں محسوس

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا جیسے میں بنکاک کی زمین پر چلنے کے بجائے ہوا میں تیر رہا ہوں۔ ویرا نے مجھے اپنا ولی مقرر کر کے میرے کندھوں پر بہت بھاری ذمے داری ڈال دی تھی۔

مجھے اس بات کی بے اندازہ خوشی تھی کہ ویرا کے مذہب کی تبدیلی میں' میں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اس وقت میری اور ویرا کی بھرپور گفتگو نہ ہوئی ہوتی تو اس کے مسلمان ہونے کا راز نہ جانے کب تک اس کے سینے ہی میں دفن رہتا۔ میں مسرت اور کچھ عجیب سے خالی پن کے احساسات سے مغلوب اپنے ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔

ہوٹل کے کمرے میں غزالہ سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔ اسے میری دونوں ملاقاتوں کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا اور وہ ان کے نتائج جاننے کے لیے بے چین تھی۔

''اسے ہمارے پاسپورٹوں کی کیا ضرورت تھی؟'' میرے بیٹھتے ہی غزالہ نے سوال کر ڈالا۔ میری خاموشی اس سے برداشت نہیں ہو سکی۔

''سازش میں شامل ہونے کے بعد اس نے ہمارے مفاد میں کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ پاسپورٹ وہ اپنے ساتھ لے گیا' میری نگرانی ختم ہو چکی ہے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ اپنے پاسپورٹ ڈان کو دے دیں تاکہ نگرانی سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''اس وقت میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کمبوڈیا میں داخلے کے وقت ان کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اب ہر بات طے ہو گئی ہے۔ ہم پاسپورٹوں کے بغیر کمبوڈیا میں داخل ہوں گے۔''

''اگر پرسوں تک جلال کے آدمی نے نئے پاسپورٹ بھیج دیے تو یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلانا چاہا۔

''وہ آ گئے تو رکھے رہیں گے۔ انہیں کہیں اور استعمال کیا جائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا'' میں نے چاؤفان کے ساتھ ہر بات کر لی ہے۔ یہ تفصیل بعد میں بتا دوں گا۔ تم یہ بوجھو کہ آج ویرا سے میری کیا گفتگو ہوئی ہو گی؟''

''آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ آپ دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔ آپ دونوں کو دل کھول کر بے تکلفی سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہو گا۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں وہ بات کہہ دی جو سنجیدگی سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔

''تم یہ ثابت کرنے پر کیوں تلی رہتی ہو کہ تم ایک عام سی اور روایتی بیوی ہو۔ میں تمہاری ذہنی سطح اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں۔''

''وہ ہر وقت آپ سے بے تکلف ہونے کے چکر میں لگی رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی یہ حرکتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا ہو گا۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ آج میرے اور اس کے درمیان بے تکلفی کا خاتمہ ہو گیا؟''

''میں سمجھوں گی کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھر اس نے آپ کو اپنا منہ بولا بھائی بنا لیا ہو گا۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔ منہ بولے بھائی بہن کے رشتے کی کوئی قانونی، اخلاقی یا مذہبی حیثیت نہیں ہوتی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر اور نامحرم رہتے ہیں۔'' وہ ہنس ہنس کر اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

''تم اس کے خلاف اپنے تعصب کے حصار سے باہر نہیں نکل پا رہی ہو۔ چلو، میں تمہیں اشارہ دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں مذہب کے حوالے سے سوچو!'' میں نے اسے دعوت دی۔

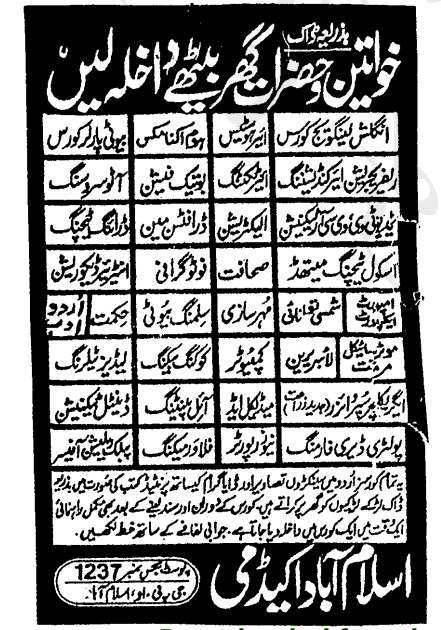

Downloaded from https://paksociety.com

''آپ تو یوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں جیسے وہ مسلمان ہوگئی ہو'' غزالہ نے منہ بنا کر طنز سے کہا۔

''یہی ہوا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''یہ کیسے ہوگیا؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی ''آپ تو اس کو روانگی کا پروگرام بتانے کے لیے گئے تھے۔ اسے اتنی آسانی سے مسلمان کیسے کرلیا آپ نے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نیویارک چھوڑنے سے پہلے وہ خاموشی سے ایمان لا چکی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

میں نے ویرا سے سنی ہوئی باتیں تسلسل کے ساتھ اس کو سنانا شروع کردیں۔

وہ سلطان شاہ سے قریب تھی اور میری دانست میں اس سے اپنی بات منوا سکتی تھی۔ ویرا نے از خود ایک بڑا فیصلہ کر کے ساری ذمے داری ہمارے سر ڈال دی تھی۔ اسے حسن و خوبی کے ساتھ نباہنا ہماری ذمے داری تھی۔ جب تک غزالہ اس واقعے کے پس منظر اور جزئیات سے واقف نہ ہوتی، سلطان شاہ کو موثر انداز میں قائل نہیں کرسکتی تھی۔

''آپ نے سب کچھ بتا دیا لیکن میرا ذہن اب بھی ان باتوں کو قبول نہیں کر رہا۔'' میرے خاموش ہونے پر غزالہ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا ''اس کے بڑے فیصلے عام طور پر غیر متوقع اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ بے چارہ سلطان شاہ اپنی تبلیغی کوششوں میں لگا ہوا ہے اور وہ پہلے سے مسلمان ہوئی بیٹھی ہے۔''

''اب سلطان شاہ کو شادی پر آمادہ کرنا تمہارا کام ہے۔ وہ اس موضوع پر میرے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسے آمادہ ہونا پڑے گا..... ویرا نے پہل کر کے اس کا ہر تذبذب دور کردیا ہے۔ وہ مذہبی رجحان کا مالک ہے۔ اپنے سارے تحفظات کے باوجود ایک نومسلمہ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے ویرا کو تو منع کردیا ہوگا کہ وہ اس بارے میں ابھی سلطان شاہ کو کچھ نہ بتائے۔ میں اس سے اپنے طور پر بات کروں گی۔''

''میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت ماحول ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔''

''وہ اتنے دنوں سے اپنا راز دل میں چھپائے بیٹھی ہے تو اب بھی زبان نہیں کھولے گی۔'' اس نے پرامید لہجے میں کہا ''آپ ویرا کے دلی ہیں۔ اس کی طرف سے رضامندی ظاہر کر چکے۔ اب میرا کام شروع ہوگا۔ میں از خود لڑکے والی بن گئی ہوں۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال، اول خان، چاؤفان اور ویرا سے میری تفصیلی گفتگو ہو چکی تھی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔ شاید وہ پاسپورٹ واپس لے لینے کے بعد کوئی نیا شوشا چھوڑنے والا تھا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مقامی لب و لہجے میں ایک نئی مردانہ آواز سن کر میں چونک گیا۔

وہ انٹرکام پر ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر کی کال تھی۔

''مسٹر علی احمد!'' اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''یس!'' میں نے فکرمندی کے ساتھ اقرار کیا۔

''سر! میں زحمت دینے کے لیے تہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کا لہجہ واقعی ندامت آمیز تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''روم سروس کا ایک آدمی آپ کے کمرے کے باہر موجود ہے۔ اگر آپ اپنی مسز کے ساتھ اپنے پاسپورٹ لے کر ذرا سی دیر کے لیے میرے دفتر میں آسکیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ باہر کھڑا ہوا آدمی آپ کو میزنائن فلور پر میرے دفتر تک لے آئے گا۔''

وہ مطالبہ سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟''

''سر! دو باوردی افسران آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ آپ کے دروازے پر دستک دیں اس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''

مجھے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ میں نے چاؤفان پر اندھا اعتماد کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجھے پاسپورٹوں سے محروم کرتے ہی غالباً پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ بندوبست اتنا مکمل تھا کہ ہمارے لیے بھاگنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر روم سروس کے ملازم کے روپ میں پولیس کا کوئی تجربے کار کمانڈر کھڑا ہوگا جو ہدایت سے انحراف کی صورت میں ہمیں سختی سے روک لے گا۔

چاؤفان نے اپنا وار کردیا تھا۔ کمبوڈیا کی طرف فرار ہونے کا منصوبہ مجھے خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کی شکنجے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو بیرونی کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکر ملا یا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شیخی کے سر براہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شدید سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا مال بھی بچا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غالباً ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون گوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنکر بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارنر نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آنکر بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا کہ یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارنر اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیس کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسکر مکمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہبھراج تھا۔ ہم اس پر منجمد گی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوہبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہبھراج نے ہمیں بہت دولت دینے کا لالچ دیا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا ساتھ دیتا رہا۔ نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خو میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوہبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر خت ناں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے جاؤ ڈان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلیجر میں بم رکھا کے کرائے۔ اسی دوران سوہبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوہبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوہبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو پہنچا دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کرا لیا۔ امریکی فونیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوہبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوہبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں جاؤ ڈان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں کھینچ کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ پوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھاوا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں نے میرا اغوا کر لیا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کوٹنا کہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مضحکانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ بحث نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پیٹ ڈالی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں جاؤ ڈان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ جب جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی مائی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہوئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے ابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے جاؤ ڈان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ الفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سب کی دیکھ لیا گیا ہے دونوں طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر میں اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھے مور بدمعاش مجھ پر حرج کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا پھر لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دہشت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اتر آیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جارہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ سی آئی اے بیجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پرتول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آگیا اور میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہوگیا۔

اب آپ قسط نمبر 257 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

تھائی لینڈ جیسے اجنبی ملک میں دوبادردی افسران کی طلبی پر نہ جانے کی کوئی گنجایش ہی نہیں تھی۔ مجھے جانا تھا اور سر کے بل جانا تھا۔ ان افسروں نے مجھے اپنے روبہ رو بلانے کے لیے ایسا فول پروف بندوبست کیا تھا کہ فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔

ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر نے ہمارے دروازے کے باہر موجود جس شخص کو روم سروس کا آدمی قرار دیا تھا' وہ میری دانست میں پولیس یا ایسے ہی کسی ادارے کا کوئی تجربے کار کمانڈو تھا جسے زیر کیے بغیر میں وہاں سے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کرسکتا تھا۔

ریسیور میرے کان سے لگا ہوا تھا اور ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے فوری طور پر فیصلہ کر کے ہوٹل کے افسر سے فون پر بات آگے بڑھانی تھی۔

''میں ابھی آتا ہوں!'' اس ذہنی تجزیے کے دوران میں الفاظ میری زبان سے گویا پھسل گئے۔ شاید میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ احساس پوری شدت سے بیدار ہو چکا تھا کہ میں انکار کر کے اپنے لیے خطرات مول لوں گا۔

''میں زحمت دینے کے لیے ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں۔'' وہ فون پر بچھا جارہا تھا ''آپ دونوں اپنے پاسپورٹ ساتھ لانا نہ بھولیں۔''

جب جانا ہی تھا تو اس کے سامنے جا کر بغلیں جھانکنے سے بہتر تھا کہ میں فون پر پوری بات کرلوں۔ میں نے کہا ''پاسپورٹ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ نشستوں کی بکنگ کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کو دیے ہوئے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ اسے وہ جواب دیتے ہوئے' ایر کنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا تھا۔

''سر! ذرا ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے جلدی سے کہا اور لائن پر گہرا سکوت طاری ہوگیا۔ شاید وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دردی والوں سے میرے بیان کیے ہوئے مسئلے پر مشورہ کررہا تھا۔

''او کے سر!'' چند لمحوں بعد اس کی تروتازہ آواز سنائی دی ''آپ دونوں میرے دفتر میں تشریف لے آئیں۔ ضرورت ہوئی تو پاسپورٹ بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔''

میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کردیا۔ اس دوران میں غزالہ ہمہ تن میری طرف متوجہ تھی اور میرے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے اندازہ لگا چکی تھی کہ اچانک کوئی گڑبڑ رونما ہوچکی ہے۔

''کہاں جارہے ہیں..... اچانک پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' اس نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''میرے ساتھ تم کو بھی چلنا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے چند فقروں میں پوری صورت احوال سے آگاہ کردیا۔

''چاؤفان بہت کمینہ نکلا!'' غزالہ کا بے ساختہ ردعمل میری سوچ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا۔ ''ہمارے پاسپورٹ ہتھیاتے ہی اس نے اپنا کھیل شروع کردیا۔ مجھے آپ کا ابتدائی شبہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔''

''کس شبہے کی بات کرتی ہو؟'' میں نے دروازے کی

Downloaded from https://paksociety.com

طرف جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''وہ ہمیں کمبوڈیا کا چکر دے رہا ہے۔'' وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی ''اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ ڈان کو اتنا بڑا چکما دے سکے۔ یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی ہے کہ آپ اس کی راہ کا روڑا ہیں۔ وہ آپ کو کسی چکر میں پھنسوا کر ڈان کی نظروں سے گرا دے گا۔ بہت آسانی سے اس کا راستہ صاف ہو جائے گا۔''

''اس نے مجھے ڈبونے کی کوشش کی تو میں اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبوں گا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اب جلدی آؤ..... ان لوگوں کا بھیجا ہوا فرشتہ ہمارے دروازے پر موجود ہے۔''

غزالہ کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ کیا مجھے خود بھی اپنا سارا منصوبہ برباد ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چاؤفان نے کمبوڈیا کی آزادفضاؤں کا سراب دکھا کر ہمیں بنکاک ہی میں دبوچ لینے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو روم سروس کے روایتی لباس میں گٹھے ہوئے جسم والا ایک درشت رو مقامی راہ داری میں کھڑا نظر آیا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ خوش خلقی سے مسکرایا لیکن اس کی کینہ توز نگاہیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں یا کم از کم مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

میرے پیچھے غزالہ کمرے سے برآمد ہوئی تو نووارد کے سکڑتے ہوئے ہونٹ دوبارہ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔ اس بار اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر غزالہ کو تعظیم بھی پیش کی۔ اس وقت وہ مجھے یکا بد معاش اور منافق نظر آ رہا تھا مگر میں اس پر اپنی برہمی ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔ وہاں سے دفتر تک پہنچنے کے دوران میں مجھے صرف اسی سے اصل معاملے کا کچھ سراغ مل سکتا تھا۔

وہ مقامی تھا لیکن بنکاک کے ایک بڑے ہوٹل میں ملازمت کر رہا تھا جہاں دن رات سیکڑوں غیر ملکیوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس لیے اپنے بگڑے ہوئے تلفظ سے قطع نظر صاف اور اچھی انگریزی بول رہا تھا۔ اس نے اخلاق سے ہمیں اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور راہ داری میں لفٹ کی طرف ہو لیا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور شکایتی لہجے میں بولا ''یہ انوکھی بات ہے کہ تمہارا منیجر ہمیں اپنے دفتر میں بلا رہا ہے۔ یہ حرکت مہمان داری کے اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہ میری زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔''

''سر! میں آپ کی کوفت کا اندازہ کر رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلا کر مؤدب لہجے میں کہا ''اسے بھی کوئی مجبوری درپیش ہو گی۔ اس کے کمرے میں ایک بڑا پولیس انسر آیا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پولیس کہیں کی بھی ہو' ہوٹل والوں کو ان سے دبنا پڑتا ہے۔''

انگریزی میں آپ کا کوئی صیغہ نہیں ہوتا لیکن اس کے طرز تکلم سے عزت افزائی کے اس قرینے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''وہ دو پولیس والے بتا رہا تھا۔'' میں نے کسی باریکی کا لحاظ کیے بغیر اس کی تردید کی۔

''پولیس والا تو ایک ہی ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ ایک امریکی فوجی لڑکا بھی ہے جو وردی میں ہے۔ شاید منیجر نے جلدی میں اسے بھی پولیس والا کہہ دیا ہو گا۔''

اس نے کسی پس و پیش کے بغیر مجھے اصل بات بتا دی۔ اس کے خلاف میرے ذہن میں ابھرنے والے شبہات دھندلانے لگے۔ اگر اس کا تعلق پولیس کے محکمے سے ہوتا تو وہ بھول کر بھی ہوٹل والوں پر پولیس کے نارواد باؤ کا ذکر نہ کرتا۔

اس نے ہمارے لیے لفٹ کا دروازہ کھولا اور آخر میں اندر آ کر میز نائن فلور کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے نیچے روانہ ہو گئی۔

''ہم نے اس ہوٹل میں قیام کر کے کوئی جرم نہیں کیا' پولیس کو ہم سے کیا لینا ہے؟'' میں نے اپنا شکوہ جاری رکھا۔

''سر! میں کیا کہہ سکتا ہوں' ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا ''معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ انٹرکام کے بجائے مجھے نیچے بلا کر آپ لوگوں کے بارے میں بتایا گیا تھا۔''

لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے سے رک گئی۔

لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے راہ داری میں نظر آنے والے تیسرے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سر! اس دفتر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔''

اس دروازے کے اوپری نصف حصے میں لگے ہوئے شفاف شیشے سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔ ہماری منزل اتنے قریب تھی کہ ہمیں لانے والے سے مزید گفتگو کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے اپنی بدگمانی پر دل ہی دل میں نادم تھا۔ میں نے مسکرا کر الوداعی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اس کے بتائے ہوئے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

شیشے کے سامنے پہنچتے ہی اندر کا منظر میرے سامنے تھا۔ وہاں کل تین نفوس تھے جن میں سے ایک اپنے سیاہ سوٹ کی وجہ سے ہوٹل کا کوئی بڑا ملازم نظر آ رہا تھا۔

میرے دل پر اضطراب اور بے یقینی کی کیفیت طاری تھی مگر میں نے اس موقع پر اپنی برہمی بلکہ بدتمیزی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔ دستک دیے بغیر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ غزالہ میرے پیچھے تھی۔

تینوں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر امریکی نژاد' نوجوان فوجی اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں ہلانے لگا۔ تھائی پولیس افسر نے ہمیں دیکھ کر گورے فوجی کی طرف دیکھا اور اس کے مایوسانہ ردِعمل کو دیکھ کر اپنی زبان میں سیاہ سوٹ والے سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

اس دوران میں سیاہ سوٹ والا ہمارے استقبال کے لیے اپنی کرسی چھوڑ کر' اپنی جگہ سے کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

''تیسرے درجے کی کسی سرائے میں بھی مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں ہوتا۔'' میں اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے پھٹ پڑا ''یہ میری زندگی کا بدترین تجربہ ہے۔ ہمیں مجرموں کی طرح کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

وہ خفت آمیز انداز میں اپنا دہنا ہاتھ بالوں پر پھیرتے ہوئے بولا ''میں آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔ میں پھر کہوں گا کہ میں نے ان دونوں باوردی افسران کے ساتھ آپ کے دروازے پر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلاوجہ پورے فلور پر چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تشریف رکھیں اور حکم کریں کہ آپ کے لیے کیا منگوایا جائے؟''

''میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں رکنا پسند نہیں کروں گا۔'' میں نے اپنا جارحانہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے کہا ''مجھے جس کام کے لیے بلایا گیا ہے' وہ بلاتاخیر ختم کیا جائے۔''

پولیس افسر نے کرسی چھوڑ دی۔ امریکی فوجی نے بھی اس کی تقلید کی۔ پولیس والے نے اپنی زبان میں کچھ کہہ کر سوٹ والے سے ہاتھ ملایا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا ''مسٹر اور مسز علی! میں بھی تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تھام پوٹ نے میرے ایما پر تم دونوں کو بلایا تھا۔ دراصل ہمیں ایک مشتبہ پاکستانی جوڑے کی تلاش ہے۔ ہم اپنے مہمانوں کی عزت کرتے ہیں لیکن کبھی مجبوریاں پیش آ جاتی ہیں۔ ہم شہر کے سارے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے مل رہے ہیں۔ یہ میرا اور کپتان اولڈ کا پانچواں ہوٹل ہے۔ ابھی ہمیں مزید جوڑوں سے ملنا ہے۔''

''.....اور اب آپ شیئرز کے بھاؤ سنیے.....امریکن اسٹیل، دو ڈالر زیادہ.....عرب ریفائنری، ڈیڑھ درہم کم.....''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی خلیقانہ مسکراہٹ سے مجبور ہو کر میں نے نیم دلی سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد کپتان اولڈ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ وہی مرد و دتھا جو سلطان شاہ کے کمرے میں گھس کر اس کا ایک بیگ اٹھا لے گیا تھا۔

ویرا نے اپنے ہوٹل میں گائن نامی ویٹریس سے سن کر نامعلوم امریکی کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ کیپٹن اولڈ پر سو فی صد صادق آ رہا تھا۔

وہ دونوں تیزی کے ساتھ دفتر سے نکل گئے اور تھام پوٹ ہماری خوشامدوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ ہمیں ہر قیمت پر کچھ دیر کے لیے اپنے دفتر میں بٹھانا چاہ رہا تھا۔

ہمیں کچھ باتیں تھائی پولیس افسر نے بتا دی تھیں۔ رہی سہی کسر کپتان اولڈ کی شناخت نے پوری کر دی۔ میرے لیے صورت احوال بالکل صاف ہو چکی تھی' جس میں تھام پوٹ بالکل بے قصور نظر آ رہا تھا۔ پولیس والے کے دباؤ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے ہوٹل میں یقینی طور پر کیپٹن اولڈ ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کاغذی ریکارڈ سے قطع نظر' وہ ان

Downloaded from https://paksociety.com

دونوں کو بہ چشم خود دیکھ چکا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر گائن کے متوجہ ہوجانے کی وجہ سے ویرا کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

وہ چلا گیا' اس کی جگہ سارجنٹ پال ان دونوں کی گھات میں لگا۔ وہ ہوٹل کا حساب بے باق کر کے نکلے تو پال ان کے پیچھے لگ گیا۔ ویرا کی ذہانت اور چالاکی کے نتیجے میں پال مقامیوں سے بری طرح مار کھا کر جہنم واصل ہوگیا۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ فرشتۂ اجل کا دیدار ہونے سے پہلے اس پر کیا کچھ گزری تھی۔

پال ان دونوں کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوچکے تھے۔ شہر میں بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کردی گئی۔ اولڈ ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ اس لیے وہ تھائی پولیس افسر کو اپنے ساتھ لیے بنکاک کے ہر بڑے ہوٹل میں پاکستانی جوڑوں کو تنگ کرتا پھر رہا تھا۔ اس امریکی گدھے کو اس کام پر لگانے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ ریٹا اور اکبر سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں الگ الگ کمروں میں مقیم تھے۔ اپنا ٹھکانا بدلنے کے بعد بھی وہ الگ الگ رہتے۔ ان تک پہنچنے کے لیے جوڑوں کو کھنگالنا بے سود تھا۔

اس وقت شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ان دونوں کی تلاش کی مہم جاری تھی' جس کی ناکامی یقینی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس معاملے میں امریکی اعصاب زدہ ہوکر فیصلے کررہے تھے۔ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد اگر کیپٹن اولڈ شہر میں بکھرے ہوئے گیسٹ ہاؤسز وغیرہ کا رخ کرلیتا تو ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان دونوں نے روزی اور جیکب کے نام ضرور اختیار کرلیے تھے تاہم ان کے چہرے وہی تھے۔ اولڈ انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ ایک طرف وہ جال پھیلا دیا گیا تھا' دوسری طرف ڈان اور چاؤفان کے آدمی انہیں ڈھونڈنے میں لگے ہوئے تھے۔

میں بہ وقت تمام تھام پوٹ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوسکا کہ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ پولیس والے اور امریکی فوجی کے دباؤ پر وہ ہوٹل میں مقیم سارے مہمانوں کو بھی کسی میدان میں جمع کرنے پر مجبور ہوجاتا۔

اس نے لفٹ کے دروازے تک آکر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملالیا۔ اس وقت خلاف توقع سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔

''ریٹا کہاں ہے؟'' میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''ابھی فون مجھے دے کر اپنے کمرے میں گئی ہے۔ کیا بات ہے' تم آواز سے کچھ پریشان معلوم ہورہے ہو۔'' میرے لب و لہجے نے اس کے کان کھڑے کردیے۔

''کان کھول کر سن لو اور اسے بھی بتا دینا۔ بڑے ہوٹلوں میں مشتبہ جوڑے کی سرکاری اور غیر سرکاری طور پر تلاش شروع ہوگئی ہے۔ ادھر سے ناکامی کے بعد وہ چھوٹے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کا بھی رخ کرسکتے ہیں۔'' میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ''ابھی دشمن بولائے ہوئے ہیں۔ اوسان ٹھکانے آتے ہی قرینے سے جال پھیلا کر تم تک پہنچ سکتے ہیں۔ دونوں کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''یہ خبر پرانی ہے اور اس پر ریٹا سے شاید تمہاری بات بھی ہوچکی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب اس میں نیا وزن پیدا ہوگیا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''میں ابھی صدف کے ساتھ ایک خطرناک پیشی بھگت کر آرہا ہوں۔ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والا' ایک تھائی پولیس افسر کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے ملتا.....''

میری بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور میں نے اضطراری طور پر فون بند کردیا۔ یکایک عجیب و غریب باتیں ظہور میں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ پتا نہیں اس وقت کون ہمارے دروازے پر آپہنچا تھا۔

میں پھرتی سے فون جیب میں ڈال کر یوں کرسی پر بیٹھ گیا جیسے دیر سے میرے پاس کوئی کام نہ ہو۔ میرے اشارے پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں تھام پوٹ کی لجلجائی ہوئی آواز آئی ''مسز علی! یہ میری اور ہوٹل کی انتظامیہ کی طرف سے خیر سگالی کا تحفہ ہے..... آج آپ کو ڈسٹرب کیا گیا ہے۔ آج کا کرایہ آپ کے بل میں سے منہا کردیا جائے گا۔''

''شکریہ!'' غزالہ کی سنجیدہ آواز آئی ''پھلوں کی ٹوکری دے دیں۔ شمپین کی بوتلیں ہمارے لیے بے کار ہیں۔ ہم کوئی شراب نہیں پیتے۔''

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' غزالہ نے اسے دروازے سے ہی ٹال دیا۔ وہ پلٹی تو اس کے ہاتھ میں تنکوں سے بنی ہوئی ایک خوبصورت ٹوکری جھول رہی تھی جس میں پھلوں کے ساتھ چاکلیٹ کے پیکٹ بھی نظر آرہے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

''میں گھبرا گئی تھی کہ اب نہ جانے کون سی مصیبت نازل ہوگئی۔'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے وہ لدی پھندی ٹوکری لکھنے کی میز پر رکھ دی ''وہ بے چارہ اپنے ناکردہ گناہ کا کفارہ ادا کرنے آیا تھا۔''

''اس کی گرہ سے کچھ نہیں گیا لیکن یہ اچھی اور کامیاب انتظامی پالیسی کا اظہار ہے۔ آج کی رات مفت میں گزرے گی۔ ہم ان پھلوں پر ہی گزارا کرتے رہیں تو یہ ٹوکری ہماری روانگی تک خالی نہیں ہوگی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ سوار ہوگیا۔

میں نے چاؤفان پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرلیا تھا۔ اسے عمر بھر تھائی لینڈ میں ڈان کے ساتھ رہنا بسنا تھا۔ میں اس کے لیے ایک غیر ملکی شناسا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر اس کی ذہنی رو صحیح سمت میں چل پڑتی تو وہ پوری بے خوفی سے ہمارے ساتھ وہ سب کرسکتا تھا جو میں کچھ دیر پہلے تک سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا تھا۔

اس کے بارے میں صرف ایک بات اچھی تھی کہ وہ ذہین نہیں تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی سمت میں سوچنے کا عادی تھا اور اپنی پوری صلاحیتیں اسی سمت میں صرف کردیتا تھا۔ اگر ہمیں ڈان کی پارٹی سے فرار کرانے کی سازش اس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی تو اسے یہ دھیان آنا محال تھا کہ وہ کسی اور طرح بھی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکتا تھا۔

فکر وتشویش کے سائے میں وہ رات آئی اور کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔ میرے اعصاب پر کمبوڈیا کا پُرخطر سفر سوار ہوچکا تھا۔ سونے سے پہلے میں دیر تک اس امکان پر غور کرتا رہا کہ ہمیں ڈان کو دھوکا دے کر بنکاک سے بھاگنا تھا تو اس کے لیے اگلے دو دن انتظار کی کوفت میں گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم فوری طور پر اپنا مختصر سا اسباب سمیٹ کر اس شہر خرابات سے کوچ کرسکتے تھے لیکن چاؤفان کے تعاون کے بغیر ہمارا فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ ڈان سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتا تھا۔ دوسری طرف وہ پارٹی کے انتظامات میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر بے خوفی سے ہماری روانگی کا بندوبست کردے گا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے ڈان کی پارٹی میں ہمیں قابل اعتماد گاڑی اور سفر کے لوازم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ اس دوران میں چاؤفان کی ذہنی رو نہ بہکے اور وہ ڈان کے عفریت سے ہماری گلوخلاصی کرادے۔

اگلی صبح کے اخبار میں مشتبہ پاکستانی جوڑے کی زور وشور سے تلاشی کے بارے میں خبر موجود تھی۔ خبر پہلے بھی آچکی تھی۔ اس بار زور وشور کا اضافہ ہوگیا تھا۔ موتی محل میں لگنے والی آگ اور راجن کی موت کے بارے میں خبریں موجود تھیں لیکن ان کے تیور بدل گئے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھا' اسے معزز اور شریف شہری قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے مرتے ہی اخبار والوں نے اس کا ماضی اچھالنا شروع کردیا تھا۔ یکا یک ان کی بینائی تیز ہوگئی تھی اور انہیں ماضی قریب میں ہونے والے بہت سے منظم اور بڑے جرائم میں راجن کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا۔

دھونس' دھاندلی' طاقت اور سازشوں کے بل پر بھرپور زندگی گزارنے والے دونوں ساتھی یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ سوبھراج کی موت ریکارڈ پر نہیں آئی تھی مگر اس کے کرتوت ہر ایک کے سامنے آنا شروع ہوگئے تھے۔ راجن کی موت کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی جارہی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجے غیر متوقع طور پر ڈان کا فون آگیا۔ اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے نہایت پُرتپاک لہجے میں میری مزاج پرسی کی پھر بولا ''تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ گے؟''

''ہاں..... میری کچھ ذاتی مجبوریاں ہیں۔ مجھے جانا ہوگا مگر میرا وعدہ ہے کہ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔ تمہارے پاس سال چھ مہینے رہ کر میں اتنا کما سکتا ہوں جو پاکستان میں رہ کر عمر بھر حاصل نہیں ہوسکے گا۔''

فون پر ڈان کے بے ساختہ قہقہے کی آواز گونجی۔ میرے کانوں نے پہلی بار اس کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے فرصت میں اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں کے لیے یہاں رکو۔ اگلی بار آؤ تو اپنی عورت کو ساتھ نہ لانا۔ عورت کا ساتھ انسان کو بہت کمزور کردیتا ہے۔''

''تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''اگلی بار میں اکیلا آنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔''

''تم نے اپنی واپسی کا معاملہ چاؤفان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں بار بار تمہیں نہیں بتا سکتا کہ بے پروائی اس کے ضمیر میں شامل ہے۔'' ڈان نے اپنی سازش کی داغ بیل ڈال دی ''اب اس کے پیچھے لگ کر اپنے ٹکٹ اور پاسپورٹ جلد لے لینا۔ نشے میں اس نے یہ

Downloaded from https://paksociety.com

چیزیں کہیں چھوڑ دیں تو اسے مر کر بھی یاد نہیں آئے گا کہ اس نے تمہاری چیزیں کہاں چھوڑی ہوں گی۔ تم لٹک کر رہ جاؤ گے۔''

''ڈان! مجھے ایسی بددعا نہ دو۔ وہ اتنا غیر ذمے دار بھی نہیں ہے۔''

''میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس وقت میں نے تمہیں دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔ کل رات چاؤفان تمہیں لے آئے گا۔ اپنی عورت کو ضرور ساتھ لانا۔''

وہ غزالہ کو بار بار عورت کہہ رہا تھا۔ چاؤفان کو میں اس تحقیر آمیز انداز پر جھاڑ چکا تھا۔ ڈان کو کچھ کہنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے اوپری دل سے کہا ''ہم ضرور آئیں گے۔''

''ہو سکے تو ایک کام بھی کر ڈالو۔'' ڈان نے سرسری لہجے میں کہا۔

''حکم دو۔ میں جب تک یہاں ہوں' ہر کام کے لیے حاضر ہوں۔''

''پاکستانی جوڑا..... جوڑا نہیں بلکہ ایک مرد اور ایک عورت.....ان کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ بنکاک میں ہزاروں ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بکھرے ہوئے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں چل رہا کہ وہ سیام کانٹی نینٹل سے نکل کر کہاں غائب ہو گئے۔ تم بھی اپنے طور پر کوشش کرو' تم نے ان کو ڈھونڈ لیا تو میں تمہیں ایک بڑا انعام دوں گا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں!'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

''تمہیں ان کے کوائف یاد ہیں ناں.....اکبر خان اور ریٹا الیف ہیریسن.....وہ.....!''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا ''تم نے میرے سامنے چاؤفان کو ان کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔''

''ویری گڈ!'' ڈان کی ستایشی آواز آئی ''یہ کام ہو جائے تو کل کے جشن کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ مرد کو عورتیں گھیر لیں گی' عورت مردوں کے نرغے میں ہو گی۔ ہمارے پس ماندہ قبائلی اسے طاغوتی رقص کہتے ہیں۔ یہ دشمن کے گردنا چا جاتا ہے.....''

میں اس سے زیادہ تفصیل سننا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر نرمی سے اس کی بات کاٹ دی ''ڈان! آج تم سنسنی خیز باتیں کر رہے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ تم عورتوں کی بہت عزت کرتے ہو' اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا تم نے!''

''میں نے عورت کو حقیر' کم تر اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ معاف کیا ہے۔'' اس کی آواز تکبر آمیز ہو گئی ''اس پر رحم کیا جا سکتا ہے' اس کی عزت نہیں کی جا سکتی۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔''

''مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ میرا اندازہ تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اچھا ہوا کہ تم نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ کمزور سمجھ کر رحم کھانے اور عزت کرنے میں بہت فرق ہے۔''

''عزت بڑوں یا برابر والوں کی' کی جاتی ہے۔'' اس وقت ڈان چبا چبا کر بول رہا تھا۔ اقتدار کا نشہ اس کے لب و لہجے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے میرے جواب میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

''تمہاری ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔'' میں نے کوئی نئی تلخی پیدا کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں عافیت جانی۔ میں وہ سنبھالا لینے کے بجائے کوئی کڑوی بات کہہ دیتا تو ڈان کا مزاج برہم ہو سکتا تھا ''اپنے سے کم رتبے والوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔'' میں نے اپنی بات پوری کی۔

''کل تم تماشا دیکھ لینا۔'' وہ بولا ''وہاں بہت بڑی بھیڑ نہیں ہو گی' چیدہ چیدہ لوگ آئیں گے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں میں نے جان بوجھ کر نہیں بلایا مگر وہ آئیں گے تاکہ مجھے اپنی قربت اور وفاداری کا یقین دلا سکیں۔''

''ایسے لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔'' میں نے رسمی لہجے میں کہا۔

''میں یہ سب کھیل جانتا ہوں۔ دنیا کو نچانے والے اب میری انگلیوں کے اشاروں پر ناچیں گے۔ اس تماشے کی جھلک کل رات کو نظر آ جائے گی۔''

شاید ڈان نے واقعی مجھے مدعو کرنے کے ارادے سے فون کیا ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری غلطی کی نشان دہی کرنے کے لیے فون کیا ہو۔ چاؤفان مجھے ڈان کے ارادے سے باخبر کر چکا تھا۔ چاؤفان کی غیر ذمے داری پر زور دے کر ڈان نے گویا اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ چند روز بعد وہ مجھے دونوں پاسپورٹ گم ہونے کی خبر دیتا تو ساتھ ہی یہ ٹیپ کا بند بھی دہرا دیتا کہ چاؤفان کے بارے میں وہ پہلے ہی اپنے اندیشے کا اظہار کر چکا تھا۔ میں ڈان کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر لانے کے قابل نہ رہتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

چند ثانیوں تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈان نے فون بند کر دیا۔

''ڈان اپنا کام نکال لینے کے بعد شرارت پر تلا ہوا ہے تو آپ اس بارے میں کیوں فکرمند ہو رہے ہیں؟'' غزالہ نے پوری روداد سن کر قدرے حیرت کے ساتھ کہا ''اس کی پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہم تھائی لینڈ کی سرحد عبور کر کے کمبوڈیا میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ڈان جو چاہے کرتا پھرے اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا؟''

''اب وہ پرانا ڈان نہیں رہا۔'' میں نے دھیرے سے کہا ''وہ موذی ہو گیا ہے۔ اگر کہیں بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی اور ڈان کو ہمارا سراغ مل گیا تو وہ ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔''

''یہ خطرہ پہلے بھی تھا' اب بھی ہے۔ ڈان سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس میں کون سا نیا اضافہ ہوا ہے جو آپ پریشان ہو رہے ہیں؟''

''تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے ذرا جھنجلا کر کہا ''پہلے بات کھلی نہیں تھی۔ ڈان سے لحاظ و مروت کی امید کی جا سکتی تھی۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس نے چاؤفان کی غیر ذمے داری کا ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاسپورٹوں کی خورد برد کے بارے میں چاؤفان نے مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔ وہ پاسپورٹ غائب کر کے مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے۔ اسے ہمارے فرار کی ذرا بھی سن گن مل گئی تو کم از کم مجھے پکڑ لینے کی بھرپور کوشش ضرور کرے گا۔ یوں سمجھو کہ اب اس کے ساتھ میری سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔''

''یہ کافی ہے کہ یہ سرد جنگ زیادہ لمبی نہیں ہو گی۔ کل رات اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد آپ اس کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''تم یہ سوچ سکتی ہو' میرے لیے یہ فرض کرنا مشکل ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں اس لیے تم خوش گمانی میں مبتلا ہو۔''

''آپ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہیں۔'' غزالہ نے متانت سے کہا ''چھوٹی اور بڑی ہر اہم بات مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو بہتر مشورہ دے سکوں۔ یہ ہم سب کے لیے بہت خطرناک مرحلہ ہے۔ ذرا سی چوک ہو گئی تو سب مارے جائیں گے۔''

''ڈان کے سارے روابط بہت تیزی سے استوار ہو رہے ہیں'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ''چاؤفان ہتار ہا تھا کہ امیگریشن کے محکمے کا سر ڈان کا پرانا دوست ہے۔ ڈان میرے بارے میں اسے ہدایت دے چکا تھا۔ اگر میں خاموشی سے بنکاک سے روانہ ہونے کی کوشش کرتا تو امیگریشن والے کسی بھی بہانے مجھے سفر کرنے سے روک دیتے۔''

''آپ نے پاسپورٹ لوٹا دیے ہیں۔ اب ایسا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔''

میں نے خاموشی سے غزالہ کی آنکھوں میں جھانکا پھر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو لیکن اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ڈان کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے۔ وہ کمبوڈیا میں بھی ہمیں تلاش کر سکتا ہے۔ تھائی لینڈ کے قرب و جوار کے ملکوں میں ہم زیادہ دیر تک اس سے نہیں بچ سکیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی گمبھیر ہے۔ سفری دستاویزات کے بغیر ہم وہاں سے کیسے نکل سکیں گے..... اس بار ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری میں جلال کو کیا مشکل پیش آ رہی ہے؟''

''پاسپورٹ بن چکے ہیں۔ ان کا کوئی مسئلہ نہیں' ساری دشواری ویزا کے حصول میں پیش آ رہی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''ہمارے لیے متعدد ملکوں کا ویزا ضروری ہے۔ بعض ممالک نے ویزا کے اجرا کا طریقہ پیچیدہ بنا دیا ہے' جس کے باعث دیر ہو رہی ہے۔''

''اب پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''پاسپورٹ بنوانا جلال کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ساری دشواری ویزا کی ہے' اب کیا ہو گا؟''

''وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''اس سے ایک بار پھر بات کرنی پڑے گی۔ ہماری یہاں سے روانگی اٹل ہے۔ ہمارے پاسپورٹ تاخیر سے آتے ہیں تو طارق کو کمبوڈیا تک دوڑ لگانی ہو گی۔ جب تک ہم تھائی لینڈ کی سرحدوں سے دس پانچ ہزار میل دور نہیں نکل جاتے' ڈان کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔''

وہ نکتہ میرے ذہن میں اتنا واضح نہیں تھا۔ غزالہ سے ہونے والے سوال و جواب میں بات سے بات نکلتی رہی اور وہ نتیجہ سامنے آ گیا۔

کمبوڈیا اس علاقے کا ایک افلاس زدہ ملک تھا۔ چاؤفان نے اس ملک کے سرحدی پاسبانوں کی بدعنوانیوں اور رشوت خوری کی جو تصویر پیش کی تھی اس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ کمبوڈیا میں رقم خرچ کر کے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن ایسے لین دین اور سہولتوں کے حصول کے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

زبان سے واقفیت ضروری تھی۔

تھائی لینڈ میں دنیا بھر سے انگریزی بولنے والے لاکھوں سیاح آتے ہیں لیکن بنکاک میں انگریزی جاننے والے عام مقامیوں کی تعداد قابل رحم حد تک کم تھی۔ کمبوڈیا میں مجھے اس سے بدتر حال نظر آنے کی توقع تھی۔ جب زبان یارمن ترکی ودمن ترکی نمی دانم والا معاملہ ہو تو روزمرہ گزارا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے ملک میں کسی سے غیر قانونی سفر کے بارے میں معاملات طے کرنا مشکل ہی نہیں' خطرناک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ ہم جیسے تیسے تھائی لینڈ سے نکل جاتے اور کمبوڈیا میں کہیں ٹک کر جلال کے بھیجے جانے والے نئے پاسپورٹوں کا انتظار کرتے۔ ان پر بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان پر ہمارے کمبوڈیا میں داخل ہونے کا اندراج ہوتا تو ہم ان پاسپورٹوں پر نئے ناموں کے ساتھ نہایت اطمینان سے کسی اور منزل کی طرف روانہ ہوسکتے تھے۔ ڈان یا گیری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ ہم بنکاک سے کہاں غائب ہوگئے تھے۔

اس موضوع پر مسلسل سوچتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند باریکیاں میرے ذہن میں واضح ہوگئیں جو بدلے ہوئے حالات میں کلیدی اہمیت اختیار کرگئی تھیں۔

نئے ناموں سے ہمارے لیے پاسپورٹ اور ویزا کے حصول کے لیے جلال کی ہدایات پر جو کچھ ہورہا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بنکاک سے کسی بین الاقوامی پرواز کے ذریعے کسی دوردراز مقام کے لیے روانہ ہوسکیں۔ اس پلان میں کمبوڈیا جیسے غیر معروف ملک کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔

جلال سے آخری بار میری گفتگو ہوئی تو میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ میں ہر قیمت پر بنکاک سے نکل بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے میری اگلی منزل کے بارے میں جاننا چاہا تو میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکا کیونکہ اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ چاؤفان مجھے کدھر کا رخ کرنے کا مشورہ دے گا۔

جلال کو یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہمیں تھائی لینڈ کے ویزا کی ضرورت رہی تھی نہ بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت تھی۔ ان لوازم کی تکمیل کمبوڈیا کے حوالے سے ہونی تھی۔ جب تک ہمارے پاس کمبوڈیا میں داخل ہونے کا جائزہ اور قانونی ثبوت نہ ہوتا ہم وہاں سے آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ وہ مسئلہ اتنی شدت کے ساتھ میرے ذہن پر سوار ہوتا چلا گیا کہ میں نے بے چین ہوکر جلال کا فون نمبر ملالیا۔

وہ اس وقت دبئی انٹرنیشنل ایرپورٹ پر تھا۔

''ایرپورٹ پر تم کیا کررہے ہو؟'' جلال کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''ایک گھنٹے بعد میں کراچی روانہ ہورہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کس سلسلے میں فون کیا ہے؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کراچی!'' میں نے چونک کر دہرایا ''کیا تمہاری کانفرنس ختم ہوگئی؟''

''کل کانفرنس کا آخری دن ہے۔ میں اپنے معاون کو یہاں چھوڑ کر واپس جارہا ہوں۔ میرے لیے تم چاروں کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اس میں گڑبڑ ہوئی تو ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' اس کی آواز سے بے چینی مترشح ہورہی تھی۔

''میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے معاملات کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ یہاں کے حالات پل پل رنگ بدل رہے ہیں' ہم دونوں اپنے پاسپورٹوں سے محروم ہوچکے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح کل رات یہاں سے نکل جائیں گے.....''

اس نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی ''کسی طرح دو دن اور گزارلو۔ میں تم لوگوں کے مکمل پاسپورٹ وغیرہ لے کر خود بنکاک آؤں گا۔ اس کے بعد میں تمہیں ایک پل بھی نہیں روکوں گا۔ میں نے اندازہ لگالیا ہے کہ تم بہت برے پھنسے ہوئے ہو۔ عجلت میں تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہیں کرسکوں گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''میں نے نپا تلا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں کامیابی کا نوے فی صد سے زیادہ امکان ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارے مقدر کی خرابی کے سبب ہوگی۔ مقدر کو ٹالنا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔''

''اب تک تم نے یہ تو طے کرلیا ہوگا کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''کمبوڈیا! ہم رشوت دے کر زمینی راستے سے وہاں پہنچیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اب بنکاک اور تھائی لینڈ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہمارے پاسپورٹوں کے مندرجات

Downloaded from https://paksociety.com

کچھ ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم کمبوڈیا سے بلا روک ٹوک نکل سکیں۔''

''بہت مناسب فیصلہ ہے۔'' اس نے بے ساختہ لہجے میں میری تائید کی ''بنکاک تمہارے بدترین دشمنوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ کمبوڈیا میں تمہیں ان سب سے نجات مل جائے گی..... ہو سکے تو مجھے اپنے منصوبے کے کچھ خدوخال بتادو۔''

آخری فقرے پر اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔ میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آئی بی کا ایک ذمے دار اور باخبر افسر تھا۔ اگر وہ فون پر کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کر رہا تھا تو اسے اس خواہش کے مضمرات کا بھی اندازہ ہونا چاہیے تھا۔ فون پر میری کہی ہوئی باتیں کسی اور کے کانوں میں پڑ جاتیں تو میں بہت مخدوش حالات کا شکار ہو سکتا تھا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ جب میں نے اپنے موتی محل کے داخلے کے سلسلے میں فون پر کراس ٹاک سننے کا افسانہ تراشتے ہوئے بنکاک کے فون سسٹم پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا تو ڈان نے پورے اعتماد سے اس سسٹم کی وکالت کی تھی۔ ویسے بھی میں نے بنکاک آنے کے بعد کسی اہم بات کے لیے لینڈ لائن استعمال کی تھی اور نہ سی ایس ڈی سامان سے نکالنے کی نوبت آئی تھی۔ سارے اہم اور خفیہ رابطوں کے لیے دو موبائل فون میرے استعمال میں رہتے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ محتاط رہنے کے باوجود مجھے ان پر بہت کچھ کہنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود میرے قیام کے دوران میں اس حوالے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب تک خاص طور پر کوشش نہ کی جاتی' میرے موبائل فونز پر ہونے والی گفتگو کو کوئی غیر متعلق آدمی نہیں سن سکتا تھا۔

دوسرا اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ڈان اور چاؤفان کو میرے اس فون کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا جو مجھے اول خان نے دیا تھا۔ میرے سارے بیرون ملک رابطے اسی فون پر ہوتے تھے۔ ان دونوں کو صرف اس مقامی موبائل فون کا علم تھا جو میں نے بنکاک میں لیا تھا۔ ڈان میری سرگرمیوں سے باخبر رہنے کے لیے کسی کو میرے پیچھے لگاتا تو اس کی ساری توجہ اسی فون نمبر پر مرکوز رہتی جس پر میں ڈان اور چاؤفان سے بات کرتا تھا۔

میری چند لمحوں کی خاموشی سے جلال نے میری الجھن بھانپ لی اور میرے لب کشا ہونے سے پہلے مضطربانہ لہجے میں بولا ''فکر نہ کرو..... موبائل فون محفوظ ہے' ہماری گفتگو کوئی نہیں سن سکے گا' کسی نے سن بھی لی تو اردو اس کے پلے نہیں پڑے گی۔''

اس کا تبصرہ سنتے ہی میں نے اسے اشاروں کنایوں میں اپنے پورے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ میں نے چاؤفان کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری زبان سے ایسے کلمات سنتے ہی وہ مصر ہو جاتا کہ میں کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اس کی طرف سے آنے والے پیکٹ کا انتظار کرلوں۔ مجھے اس کے خلوص کے بارے میں کبھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ اس نے ہماری پریشانی کا ادراک کرتے ہوئے دبئی کی کانفرنس سے قبل از وقت واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور بذات خود ہمارے پاسپورٹ بنکاک لانے پر تل گیا تھا۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکا کہ کسی وقت تمہیں کمبوڈیا جانا پڑے گا۔'' اس نے میری روداد سن کر پرتشویش آواز میں کہا ''تمہارے پرانے پاسپورٹ پر کمبوڈیا کا اندراج تھا نہ اب یہ ملک شامل ہے۔ میں کراچی پہنچتے ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اب مجھے بنکاک کے بجائے کمبوڈیا میں تم سے ملنا ہوگا۔''

''ابھی مجھے خود اندازہ نہیں کہ ہم کس شہر میں نکلیں گے۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا ''اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے نکل کر کمبوڈیا میں داخل ہونا ہے۔ یہ مرحلہ طے ہوتے ہی میں تم کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کروں گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ شہر بڑا ہو اور وہاں سے بین الاقوامی پروازیں روانہ ہوتی ہوں۔'' اس نے پرخلوص لہجے میں مشورہ دیا۔

''مجھے تمہاری مجبوریوں اور ذمے داریوں کا اندازہ ہے۔'' میں نے کہا ''پاسپورٹوں کے اندراجات درست ہوں تو تمہیں کمبوڈیا آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کسی بھی قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ ہمارا پیکٹ بھیج سکتے ہو.....''

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی ''تم ان تفکرات کو اپنے ذہن سے جھٹک دو' میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنالیا ہے۔ دعا کرو کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب رہوں۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ اب اپنا نام منظر عام پر نہ آنے دینا۔''

''مجھے تمہاری ہدایت اچھی طرح یاد ہے۔ راجن سے آخری مقابلے میں' میں نے بیم گن ضرور استعمال کی مگر اس کی نشانیاں اس طرح مٹائیں کہ اب تک کہیں سے اس کا ذکر

Downloaded from https://paksociety.com

سننے میں نہیں آیا۔'' میں نے اس کی مکرر تاکید کا برا منائے بغیر جواب دیا ''میری کوشش ہوگی کہ آیندہ ایسی کوئی نوبت بھی نہ آنے پائے مگر مجبوری انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔''

''میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے ذہن میں جاگزیں ہے۔ تم نے سرسری انداز میں اسے فراموش نہیں کیا۔''

''میں اب یہاں سے کسی سے رابطہ نہیں کروں گا۔ تم سے بات کرنی ضروری تھی۔ یہ تو بتاؤ کہ اول خان کا کیا حال ہے' وہ کیا کر رہا ہے؟''

''تختی آدمی کہیں بھی ہو' اپنا وجود منوالیتا ہے۔'' جلال کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میرا اندازہ ہے کہ امریکی کیمپ کا دباؤ ختم کرنے کے لیے اسے کراچی سے گوادر بھیجا گیا تھا۔ اس نے وہاں اپنے لیے کام تلاش کرلیا۔ باقی کسر تمہاری ٹپ نے پوری کر دی۔ میری تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس نے تین آدمی دھر لیے ہیں۔ ان میں ایک مقامی اور دو بھارتی ہیں۔''

''کیا یہ غیر معمولی پیش رفت نہیں ہے؟'' میں نے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ اس کی انتہائی غیر معمولی کامیابی ہے۔'' اس سے زیادہ حیران کن حقیقت یہ ہے کہ زندہ بچنے والے بھارتی نے بہت تیزی سے سب کچھ اگل دیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوا.....؟ کیا ان میں سے کوئی مارا بھی گیا ہے؟'' میری حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تینوں کچھ مزاحمت کے بعد زندہ پکڑے گئے تھے۔ تمہارا اول خان ملک کے دشمنوں کے لیے بہت سفاک آدمی ہے۔ روٹین کی باز پرس میں ناکامی کے بعد اس نے دو کے سامنے ایک بھارتی ایجنٹ کو گندھک کے تیزاب سے نہلا دیا۔ رنگ سازوں کے برش سے اس کے پورے بدن پر دھیرے دھیرے تیزاب پھیرا گیا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی کرب ناک موت دیکھ کر دونوں نے ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ تمہاری دی ہوئی خبر سو فی صد درست تھی۔ بنکاک سے تین کی ٹولی وہاں پہنچی تھی۔ ان کے سرغنہ کو راجن ممبئی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ شاید وہی راکا اصل ایجنٹ تھا جس کی تلاش جاری ہے۔ بقیہ دونوں بدمعاش اس کے مددگار تھے۔ ایک مر گیا' دوسرا اول خان کا قیدی ہے۔''

وہ تفصیل سن کر میرے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان سا اٹھا۔ میری دانست میں وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس بارے میں مکمل معلومات اول خان ہی فراہم کرسکتا تھا۔ وہ جلال سے زیادہ جرح کرنے کا محل نہیں تھا۔ میں نے کہا ''اس نے پنجاب جانے والی دوسری پارٹی کے بارے میں بھی کچھ بتایا ہوگا۔''

''ہاں' ابھی اتنی خبر ملی ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ ان کے لیے چوہے دان تیار کیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے جوں ہی نمودار ہوں گے' بھاری سادہ پوش نفری انہیں گھیر لے گی۔''

''مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے یہاں بیٹھ کر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہا ہوں۔ کاش' میں جلد از جلد وہاں آسکوں۔''

جلال کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے بے ساختہ کلمات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ لمحہ بھر کے نہایت واضح سکوت کے بعد اس کی ٹھہری ہوئی اور دھیمی آواز ابھری ''فکر نہ کرو' میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ تم کو جلاوطن شہزادہ نہ بننا پڑے' تم جلد از جلد ہمارے درمیان لوٹ آؤ۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے اور بہت سے دردمند پاکستانیوں کے دلوں میں تمہارے لیے کتنی عزت ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے تم نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ تم کچھ بھی نہ کرتے تو ہم راجن کے خاتمے پر ہمیشہ تمہارے احسان مند رہتے۔ تم نے راکے بڑے بڑے ستون گرائے ہیں۔ ان کا ایک زخم بھرنے نہیں پاتا کہ تم انہیں دوسرا گھاؤ لگا دیتے ہو۔''

''یہ ہماری خوش فہمیاں ہیں۔ دہلی میں نریش شرما اور اٹل بہواس مارے گئے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اب راکی کمر ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان کے خلاف ان کی کارروائیاں ایک لمبے عرصے کے لیے ماند پڑ جائیں گی لیکن وہ آج بھی اسی طرح سرگرم عمل ہیں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''دراصل فرد اور ادارے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرد ختم ہوتا ہے تو اس کا بنایا ہوا پورا شیش محل اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ اداروں میں افراد کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اٹل دہلی سے ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ ساگر نے بنکاک میں راجن کا سہارا لے لیا۔ پاکستان کے خلاف ان کی سازشیں اور سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں۔''

''ان کی نوعیت دوسری ہے جونیٹ ورک تم نے توڑا تھا' اس کا متبادل اب تک تیار نہیں کیا جاسکا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس راجن کے بارے میں حساس اور خفیہ معلومات موجود تھیں جو میں تم کو بھی نہیں دے سکتا تھا۔ راجن ایک الگ اور بڑا مسئلہ تھا۔ وہ خود گیا' گوادر میں اس کے بھیجے

Downloaded from https://paksociety.com

لوٹنے کا موقع ملا' یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم بنکاک میں رکتے ہوئے جائیں گے تاکہ تم دل کھول کر اپنی خریداری کر سکو۔''

''آنے والا وقت کس نے دیکھا ہے۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور میں نے آپ سے کہہ دی۔ یہاں اور کون ہے جس سے دل کی بات کی جائے۔'' اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کے کہا ''ایک دوسرے سے کچھ کہہ سن لیا جائے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے پھر تمہارے چہیتے تم سے آملیں گے۔ ویرا کی بعض عادتوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اس سے تمہاری گاڑھی چھنتی ہے۔ سیام پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات میں تم اس کے ساتھ الگ بیٹھ کر یوں راز و نیاز کر رہی تھیں جیسے وہ تمہاری اکلوتی سہیلی ہو۔''

''اوہ.....! آپ نے یہ بھی نوٹ کر لیا۔'' اس نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لے کر کہا ''عورتوں کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپس میں کی جاتی ہیں۔ میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی تھی۔''

اس کے لہجے کی شوخی نے وہ بات وہیں ختم کر دی مگر میں نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ پہلی فرصت میسر آنے پر اس کی خریداری کی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ضرور دوں گا۔

چار بجے چاؤفان کی کال آ گئی۔ اس کی آواز اور لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت بری طرح الجھا ہوا اور بدحواس ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ یاددہانی کرانے کے لیے فون کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ٹھیک ساڑھے چھ بجے ہوٹل پہنچ جائے گا۔

اس نے زیادہ بات کی نہ میں نے چھیڑ چھاڑ کی کوئی کوشش کی۔ میری رضامندی پاتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

ہوٹل کا حساب کچھ اس طرح چل رہا تھا کہ ہر وقت ہمارا ایک دن کا کرایہ وغیرہ پیشگی جمع رہتا تھا۔ ہم کسی اطلاع کے بغیر رخصت ہو جاتے تو ہوٹل والوں کو کم از کم واجبات کی حد تک کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ میں نے پیشگی جمع کرائی ہوئی آخری رسید کا جائزہ لے کر اسے تلف کر دیا۔ غزالہ نے پورے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔

اسے مصروف چھوڑ کر میں غسل خانے میں گھس گیا تاکہ بنکاک میں آخری پُرتعیش غسل سے لطف اندوز ہو سکوں۔

چھ بجے ہم دونوں پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ ویرا کی طرح غزالہ بھی میک اپ کی عادی نہیں تھی۔ ڈان کی تقریب میں شرکت کے لیے اس نے سیاہ دھاریوں والا سوٹ زیب تن کیا تھا' جس میں اس کا نکھرا نکھرا سراپا بہت زیادہ دلکش لگ رہا تھا۔ میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا بھرپور جائزہ لیا' لیکن کوئی نکتہ تلاش نہ کر سکا جس کے سہارے غزالہ کی شخصیت کو دبایا جا سکے۔

وہ شر انگیزیوں اور زن پرستوں کا جشن تھا جہاں ذہنی کج روی کو مہمیز دینے کے سارے اسباب جمع کیے جاتے تھے۔ مجھے فکر تھی کہ غزالہ وہاں آنے والوں کی بدنگاہی سے محفوظ رہ سکے۔ ڈان کے مہمانوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو میرے لیے اپنی کھوپڑی پر قابو پانا دشوار ہو جاتا اور فرار کا منصوبہ پسِ پشت چلا جاتا۔

غزالہ میری تیز نگاہوں کا مدعا بھانپ کر مسکراتے ہوئے بولی ''مجھے یوں گھور گھور کر نہ دیکھیں۔ میں نے دانستہ یہ سیاہ دھاریوں والا لباس پہنا ہے۔ رنگ اور ڈیزائن کے لحاظ سے یہی سب سے ہلکا تھا۔ میں وہاں خود کو سنبھال لوں گی۔ بس آپ اپنے غصے پر قابو رکھیے گا۔''

غزالہ نے ہمارا ضروری اسباب ایک تھیلے میں سمیٹ لیا تھا۔ جو شولڈر بیگ کی صورت میں آسانی سے اس کے شانے کی زینت بن سکتا تھا۔ کپڑے وغیرہ وہیں چھوڑ دیے گئے کیونکہ ہم کوئی بڑا تھیلا لے کر ڈان کی پارٹی میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ چاؤفان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارے اسباب کا تھیلا خاموشی سے مسروقہ کار میں منتقل کر دے۔ ہمیں بالکل نارمل انداز میں پارٹی میں شریک ہونا تھا تاکہ ڈان کو ہمارے عزائم پر کوئی شبہ نہ ہو سکے۔

سوا چھ بجے ہم نے اپنے کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر اسے خیرباد کہہ دیا۔

اپنے فلور سے ہوٹل کے دروازے تک مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے ہر آنے جانے والا ہمیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سنسنی خیز معرکے سر کیے تھے لیکن کسی ملک سے ایک منظم سازش کے ذریعے فرار ہونے کا وہ پہلا تجربہ تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں اور آنے والے مراحل کے بارے میں ذہن میں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔

ہم اپنے خوف اور وسوسوں کو اپنے دلوں میں چھپائے' خراماں خراماں ہوٹل سے باہر نکلے تو دور ہی سے چاؤفان کی سیاہ اکارڈ نظر آ گئی۔ وہ اپنے معمول کے مطابق مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی آ پہنچا تھا۔

ہمارے کار تک پہنچنے سے چند لمحے پہلے اس نے نیچے اتر کر غزالہ کے لیے ادب سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی یا پرائی کسی بھی عورت کی عزت نہیں کرتے' صنفِ نازک کو ہر حال میں

Downloaded from https://paksociety.com

یک پُرتعیش کھلونا تصور کرتے ہیں۔

دروازہ بند کر کے اس نے کسی مستعد ڈرائیور کی طرح اپنی جگہ سنبھالی اور گاڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

''ماسٹر! تمہارا سامان کہاں ہے؟'' اس نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''سب ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ڈان سے آزادی کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا' میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم پارٹی میں تھیلا کہاں لیے پھرو گے۔''

''کیا تم اسے ہماری گاڑی میں نہیں ڈال سکتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ماسٹر! توبہ کرو.....اب میں بھول کر بھی اس گاڑی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ وہ شان دار بیجیرو ہے اور وہاں پہنچائی جا چکی ہے۔'' بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''اس میں سب کچھ موجود ہے' ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ فاضل کین بھی تیل سے بھرا ہوا ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی پھر بھی میں نے احتیاط سے کام لیا ہے.....آج میں خود کو معزز سمجھ رہا ہوں۔ اپنی مادام کو پہلی بار میری گاڑی میں بٹھا کر تم نے میری عزت افزائی کی ہے۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو رہوں گا۔''

''چاؤفان! یہ مادام نہیں میری بیوی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ماسٹر! تمہیں عورت کہنے پر اعتراض تھا' مادام تو عزت کا لفظ ہے۔ کیا تم اسے بھی برا سمجھتے ہو؟'' اس نے معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

''یقیناً عزت کا لفظ ہے لیکن تم نے اسے لی کے لیے استعمال کر کے مشکوک بنا دیا ہے۔''

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا اور پیچھے مڑے بغیر بولا ''صدف! تمہارا شوہر بہت دلچسپ اور دلیر آدمی ہے۔ ہر وقت حاضر دماغ رہتا ہے۔''

''بیجیرو میں گاڑی کے کاغذات موجود ہیں؟'' میں نے غزالہ کے کچھ بولنے سے پہلے بات کا رخ یکا یک تبدیل کر دیا۔

''رنگ اور نمبر پلیٹ بدلی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق کاغذات کی جعلی نقول کاپیاں بھی رکھ دی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ تم کو ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تھائی پولیس قیمتی اور نئی گاڑیوں کو کہیں نہیں روکتی۔ میں نے یہی سوچ کر نئی بیجیرو کا بندوبست کیا ہے۔ گاڑی کی سج دھج کمزور ہوتی تو راستے میں تم کہیں بھی مشکل میں پڑ سکتے تھے۔''

مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تھائی پولیس کی ذہنی سطح ہماری پولیس سے بلند نہیں تھی۔ جاہ وحشمت اور ثروت وامارت سے وہ بھی فی الفور مرعوب ہو جانے کے عادی تھے۔ خوش پوش مجرم واردات کا ارتکاب کر کے بیش قیمت گاڑی میں آسانی سے فرار ہو سکتے تھے۔ خستہ حال گاڑیوں میں سفر کرنے والے بلا تکلف کہیں بھی روکے جا سکتے تھے اور ضرورت پیش آنے پر مشتبہ قرار دے کر بند کیے جا سکتے تھے۔

وہ ضمنی خوشی تھی۔ اہم تر بات یہ تھی کہ چاؤفان نے ہمارے فرار کے منصوبے پر خاصی باریکی کے ساتھ کام کیا تھا۔ بیجیرو کا بندوبست دیگ کے ایک چاول کی طرح اس کی نیک نیتی کی غمازی کر رہا تھا۔ میں نے سارے منفی خیالات اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیے۔ چاؤفان کے بارے میں اندیشے دور ہوتے ہی مجھے تقویت اور توانائی کا احساس ہونے لگا۔

''چاؤفان! میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا ''میں زندگی بھر تمہارے اس تعاون کو فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ تمہارے بھاگ جانے میں تمہارے ساتھ میرا بھی فائدہ ہے۔ تم نے مجھے یہ رخ نہ سمجھایا ہوتا تو میں مر کر بھی ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتا۔'' .....آخری سفر میں صاف گوئی سے کام لے کر اس نے مجھ سے زیادہ غزالہ کو حیران کر دیا۔

''اس کے باوجود تم ہمارے محسن ہو۔'' غزالہ بولی ''تمہارے تعاون کے بغیر ہم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

''اب بھی یہ مرحلہ آسان نہیں ہے۔'' چاؤفان متانت سے بولا ''گاڑی میں اس علاقے کا ایک بڑا نقشہ رکھا ہوا ہے۔ میں نے سرخ قلم سے تمہارے راستے کی نشان دہی کر دی ہے۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد راستہ کچا پکا اور خراب ہے۔ تم بھٹک گئے تو پھر اللہ ہی تمہارا محافظ ہوگا۔''

''تم نے اپنی سی ہر کوشش کر لی ہے۔ اب کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارا مقدر ہوگا۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''بنکاک سے نکلنے کے بعد تم قدم قدم پر یاد آتے رہو گے۔''

''تمہارا سفر درست سمت میں جاری رہا تو تم سورج نکلنے سے پہلے کمبوڈیا میں سیسوفون کے سرحدی قصبے میں داخل ہو جاؤ گے۔'' وہ پُرخیال آواز میں بولا۔

''وہاں تمہاری کمی بری طرح محسوس ہوگی۔'' میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کا رخ بدلا ''کمبوڈیا کی زبان سے ناواقفیت ہمارے لیے عذاب بن سکتی ہے۔''

''وہ پس ماندہ ملک ہے' غربت اور جہالت عام ہے۔ وہاں نوم پنہہ سے باہر انگریزی جاننے والے بہت کم ملیں گے۔ کوئی بھی مشکل درپیش ہو تو بے دریغ ڈالر یا مقامی کرنسی استعمال کرنا۔ غربت کی وجہ سے لوگ خاصے لالچی ہیں۔'' چاؤفان نے اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔

''تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہمیں کسی کارآمد آدمی کا پتا وغیرہ دے دو۔ ہم اس کو منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔''

''ماسٹر! کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولا ''یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی کہ میں نے دو غیر ملکیوں کو وہاں کسی کے پاس بھیجا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے ڈان کے اعتماد کو دھوکا دے رہا ہوں لیکن اس کے غیظ وغضب کا سامنا نہیں کرسکتا۔ اس علاقے میں میرے دیسوں شناسا ہیں مگر میں تم کو کسی کے پاس نہیں بھیج سکتا۔''

''تم نہ بھیجو' مجھے صرف نام' پتا اور فون نمبر دے دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''میں تمہارا نام لیے بغیر اس سے رابطہ کروں گا۔ اسے رقم ملے گی تو وہ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ماسٹر! تم کیوں اس طرح بات کررہے ہو' میں زمین میں گڑا جارہا ہوں۔''

''اس وقت تم زمین پر نہیں' اپنی کار میں ہو۔ تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے تو تھوڑی سی ہمت اور کرڈالو۔ یقین رکھو کہ تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔''

''یہ نہیں ہوسکتا۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا ''تم ان علاقوں کے رواج سے ناواقف ہو۔ وہاں حوالے کے بغیر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ جو بھی ملے گا' سب سے پہلے یہ جاننا چاہے گا کہ تمہیں کس نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ نام شناسا ہوا تو وہ تمہارا خادم ثابت ہوگا ورنہ وہ رکھائی سے تمہاری ساری جمع پونجی لوٹنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہوجائے گا۔''

''یہ اور بھی آسان ہے۔'' میرے ذہن میں برمحل ایک تجویز آگئی ''تم اپنے کسی حریف کا نام بتادو جو اس علاقے میں پہچانا جاتا ہو۔ بات کھلے گی تو تمہارے بجائے وہ ڈان کے عتاب میں آجائے گا۔ تم کو اپنے ایک دشمن سے نجات مل جائے گی۔''

''ماسٹر! تم نے نہایت اعلیٰ درجے کا حرام مغز پایا ہے۔''

اس نے بے ساختہ کہا اور میں بھونچکا رہ گیا۔

''میرے حرام مغز کا کیا ذکر نکل آیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے لڑکپن میں اپنے گاؤں کے حکیم سے سنا تھا کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں چھپا ہوا حرام مغز ساری ذہنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ تم اتنی پھرتی سے ہر مشکل کا حل پیش کردیتے ہو کہ مجھے تمہارے حرام مغز پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اب کبھی اپنے گاؤں کی طرف جانا ہو تو اس حکیم کو گولی مار دینا۔ حرام مغز دماغ کا حاکم نہیں' تابع مہمل ہوتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ایسے نیم حکیم اپنے الو کھے نقوں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میرے ذہن میں پھوم فاٹ کا نام آرہا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہ لی کا مال دار عاشق جو تمہارے ہاتھوں پٹا تھا؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''وہ چھوٹا راجن کا حاشیہ بردار تھا۔ ابھی اس کے کس بل باقی ہیں۔ نشے میں ڈوب جاتا ہے تو مادام کو بار بار فون پر تنگ کرتا ہے۔'' میں نے محسوس کیا کہ گاڑی میں غزالہ کی موجودگی کی وجہ سے چاؤفان نے سنبھل سنبھل کر وہ وضاحت پیش کی تھی۔

''پرسوں تم لی سے بیزار تھے کیونکہ اب وہ تمہارے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اب کیوں اس سے ہمدردی کررہے ہو۔ وہ خود پھوم فاٹ سے نمٹ لے گی۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! تمہاری بیوی کی وجہ سے میری زبان بند ہے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کمینہ کیسا بلیک میلر ہے۔ دھمکیاں دیتا ہے کہ مادام کے قابلِ اعتراض پوسٹر شہر کی ساری دیواروں پر لگوادے گا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ اب کبھی کبھی کاٹ لیتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے' محاورے غلط ثابت ہوتے جارہے ہیں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا۔

''اب تمہارا وقت آگیا ہے' کسی بھی وقت اسے گھیر لو۔''

''اب وہ چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے بتایا نا کہ مادام کے گھر کے چکر لگانے کے بجائے وہ فون کرنے لگا ہے۔ میں اسے کہاں پکڑوں..... بس تمہاری تجویز درست ہے۔ اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

نام استعمال کرڈالو۔ میری شکایت پر ڈان کان نہیں دھرے گا۔ تمہارے چکر میں اس کا نام سامنے آئے گا تو ڈان غضب ناک ہوکر اس کا خون پی جائے گا۔'' چاؤفان نے میری مرضی کا فیصلہ سنادیا ''یہ عجیب بات ہورہی ہے کہ میرے فائدے میں تمہارا فائدہ ہورہا ہے۔ تم کوکبوڈیا میں مددگار مل جائے گا۔ پھوم فاٹ سے مادام کی جان چھوٹ جائے گی۔ چند دنوں میں اس خبیث نے مادام کوزچ کردیا ہے۔''

''تم مجھے سیسو پھون والے آدمی کا نام پتا دے دو۔ میں پھوم فاٹ کے کریاکرم کا پورا بندوبست کردوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

گاڑی شہر کی حدود سے باہر آکر کشادہ سڑک پر بہت تیزی سے رواں تھی۔ بنکاک میں وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کہیں راز ونیاز کی باتیں کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ چاؤفان نے رفتہ رفتہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

گاڑی کی کیبن لائٹ جلاکر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک مڑی تڑی جیبی ڈائری نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسی میں سے ایک صفحہ پھاڑ کر اس پر انگریزی میں اپنے کمبوڈین شناسا کا نام اور فون نمبر لکھ کر وہ کاغذ میری طرف بڑھادیا۔

''اسے احتیاط سے رکھ لو۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتا ہے۔ دھیمی اور آسان زبان میں بات کروگے تو وہ سب سمجھ جائے گا ورنہ مشکل ہوگی۔''

''بے فکر رہو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔'' میں نے اس کا دیا ہوا کاغذ تہ کرکے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے تعاون سے میرے مسائل ایک ایک کرکے حل ہوتے نظر آرہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہوا میں مخصوص سمندری بو کے گہرے رچاؤ سے اندازہ ہوا کہ ہم ساحلی علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے بندرگاہ کی تیز روشنیاں اور اس روشنی میں حرکت کرتے ہوئے کرینوں کے بلند نولادی ڈھانچے کہیں نظر نہیں آئے۔

''ماسٹر! اندھیرے میں کسے تلاش کررہے ہو؟'' چاؤفان نے میری بے چینی بھانپ کر پوچھا۔

''شاید ہم سمندر کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن بندرگاہ کہیں نظر نہیں آرہی۔''

''میں نے دوسرا راستہ لیا ہے۔ بندرگاہ پیچھے رہ گئی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ ڈان کی پارٹی ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی' ہم اسی طرف جارہے ہیں۔''

''کھلے ساحل پر کسی سیر تکلف ضیافت کا بندوبست بہت مشکل ثابت ہوا ہوگا۔''

''ماسٹر! تمہارا خادم ناممکن کو ممکن بنانے میں ماہر ہے۔'' اس نے شیخی بگھاری ''سارا بندوبست مثالی ہے۔ ذرا سی دیر میں تم کو جنگل میں منگل ہوتا ہوا نظر آئے گا۔''

ہماری گاڑی غالباً ساحل کے متوازی دوڑتی رہی۔ پہاڑیوں اور ٹیلوں کی وجہ سے سمندر ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن فضا سمندر سے قرب کی چغلی کھارہی تھی۔ چند منٹ کے بعد ہمیں تاریک فضا میں اوپر تک روشن غبار سا پھیلا ہوا نظر آنے لگا جو تیزی سے واضح ہوتا جارہا تھا۔

''ماسٹر! یہ آسمان تک چمکتی ہوئی روشنی دیکھ رہے ہو نا۔ آج کی پارٹی لوگوں کو مدتوں یاد رہے گی۔ دو درجن ہیکل موبائل جنریٹروں نے اس وقت ساحلی پٹی کو بقعۂ نور بنایا ہوا ہوگا۔ کھانے پینے کا سارا تیار سامان ریفریجریٹیڈ ٹرکوں میں منگوایا گیا ہے۔ شرابیں یخ بستہ اور کھانے بھاپ اڑاتے ہوئے سرو کیے جائیں گے' جیسے ابھی چولھوں اور تندوروں سے اتارے گئے ہوں۔ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کی خدمت کے لیے ایکیاسی لڑکیاں بلائی گئی ہیں۔ ریت پر جما ہوا پنڈال پرستان کا سماں پیش کررہا ہوگا۔''

اس دوران میں تقریب گاہ کا نقشہ واضح ہونا شروع ہوگیا۔ ہماری داہنی سمت میں سمندر کی سرپٹکتی ہوئی موجوں سے کچھ دور خیمے نما بڑا سا پنڈال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس سے کچھ پیچھے' سڑک کے کنارے کئی بند ٹرک جیسے کارواں ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ قرب وجوار میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر بہت خواب ناک نظر آرہا تھا۔

چاؤفان پنڈال کے قریب سے تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ پنڈال کے بعد ہی ریت کو ہموار کرکے گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ بنائی گئی تھی جہاں ہم سے پہلے متعدد گاڑیاں موجود تھیں۔

''پہلی قطار میں چوتھی گاڑی غور سے دیکھ لو۔'' چاؤفان نے پارکنگ کے لیے گاڑی گھماتے ہوئے کہا ''تم کو اسی پجیرو میں نکلنا ہے۔''

''کیا ابھی سے اتنے مہمان آگئے ہیں؟'' میں نے وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد دیکھ کر حیرت سے سوال کیا ''پجیرو ہر طرف سے گاڑیوں میں گھری ہوئی ہے۔''

''اسے میں نے دانستہ ایسی جگہ پارک کیا ہے جہاں روشنی کم ہے تاکہ گاڑی غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں نہ

Downloaded from https://paksociety.com

آ سکے۔'' اس نے اپنی گاڑی ایک جگہ روک کر کہا'' یہ گاڑیاں یہاں کے کام کرنے والوں اور ہمارے آدمیوں کی ہیں۔ کچھ لڑکیاں بھی اپنی گاڑیوں میں آئی ہوئی ہیں۔ سارے میزبانوں کو مہمانوں کی آمد سے پہلے یہاں جمع ہونا ہے۔''

''ڈان کب آئے گا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ ٹھیک نو بجے پہنچے گا..... کوئی بات رہ گئی ہے تو پوچھ لو۔ تم کو اندر پہنچانے کے بعد میں مصروف ہو جاؤں گا۔ تمہاری طرف آنا ہوا تو کوئی خاص بات نہیں ہو سکے گی۔''

پارٹی شروع ہونے میں دیر تھی لیکن فضا میں مترنم قہقہے گونج رہے تھے۔ ریتیلے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے چاؤفان دانستہ سیاہ مرسیڈیز کے قریب سے گزرا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ پارکنگ میں کسی بے ترتیبی کے باوجود مرسیڈیز دوسری سمت سے بہ آسانی نکالی جا سکے گی۔

وسیع پنڈال سڑک اور دونوں پہلوؤں سے پوری طرح بند تھا۔ اس کا طول وعرض دیکھ کر میں حیران تھا کہ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کے لیے اتنے رقبے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

چاؤفان جوں ہی سڑک پر آیا' مختلف سمتوں سے مرد اور عورتیں نمودار ہو کر اسے تعظیم دینے لگیں۔ بعض کا انداز بہت زیادہ بے تکلفانہ تھا مگر ان کی بے تکلفی میں بھی چاؤفان کی بالادستی کا اعتراف جھلک رہا تھا۔ وہ ان سب سے ہنستا بولتا' کسی کسی کے ساتھ دست درازی کرتا' ہمارے ساتھ بڑھتا رہا۔

کھانے کی دو گاڑیاں سڑک پر' پنڈال کے عقبی حصے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں جنریٹر کچھ فاصلے پر کھڑے کیے گئے تھے تاکہ ان کا شور محفل کے شرکا کی سماعت پر بوجھ نہ بنے۔ ایک جنریٹر چل رہا تھا۔ چاؤفان نے بتایا کہ اس کی کسی غیر متوقع خرابی کے اندیشے سے دوسرا جنریٹر تیار کیا گیا تھا تاکہ محفل میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اس ویران ساحلی علاقے میں نظر آنے والی لڑکیوں کے لباس اشتعال انگیز حد تک مختصر تھے اور وہ چلتے پھرتے ہوئے شوخی سے اپنے جسمانی خدوخال کو مزید واضح کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ جن لڑکیوں نے پورا لباس پہنا ہوا تھا انہوں نے بہ طور خاص یہ اہتمام کیا تھا کہ لباس ان کے بدن کے کسی زاویے کو شکنوں میں معدوم نہ کرنے پائے۔

ہم دونوں چاؤفان کی معیت میں پنڈال کے سرے پر پہنچ کر سڑک سے اترے تو قدموں میں ریت کی جگہ دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ قالینوں کی اس روش سے ہم سامنے پہنچے تو وسیع وعریض پنڈال کا وہ حصہ پورا کھلا ہوا تھا یعنی اس پارٹی کے شرکا اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے کھلے سمندر کا بھرپور نظارہ کر سکتے تھے۔

ریت میں گڑے ہوئے اونچے پائپوں پر سرچ لائٹوں کی پوری قطار لگی ہوئی تھی جس کا رخ سمندر کی جانب تھا۔ ان روشنیوں میں جھاگ اڑاتی اور پھر دم توڑتی ہوئی سمندری لہریں سفید وسیاہ رنگوں میں ہولناک شبیہیں بنا رہی تھیں۔

اس سمت میں پنڈال کے باہر تک قالین بچھے ہوئے تھے۔ اندر کا فرش بھی ان قالینوں سے مرصع تھا۔ پنڈال میں کوئی اسٹیج نہیں تھا۔ قناتوں کے ساتھ نیم دائرے کی صورت میں سجی سجائی میزیں اور آرام دہ کرسیاں بہت قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ درمیانی جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس خالی جگہ کی تین سمتوں میں میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ چوتھی سمت میں نہ جانے کیا کچھ جوڑ کر ایک بار کھڑا کر دیا گیا تھا جہاں مختصر لباسوں والی کئی لڑکیاں گلاس اور پیمانوں کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

چاؤفان ہمیں فخریہ انداز میں وہ سب دکھاتا اور بتاتا ہوا پنڈال میں لے گیا جہاں جوان' خوب رو اور بے باک تھائی لڑکیوں کا ایک پورا غول بے مقصد کاموں میں مصروف تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ ہم وہاں پہنچنے والے پہلے مہمان تھے۔

ڈان کو روایتی طور پر اس نیم دائرے کی وسطی میز پر بیٹھنا تھا۔ چاؤفان نے ہمیں اس کی قریبی میز پر بٹھانا چاہا لیکن میں نے دور کی ایک میز منتخب کر لی۔ ڈان کی نظروں سے دور رہ کر میں آسانی سے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔

''تمہارا بندوبست بے مثال ہے۔'' میں نے اس کا دل بڑھانے کے لیے کہا'' کوئی من چلا پاکستانی یہ منظر دیکھ لے تو کراچی کا ساحل روز اسی طرح آباد ہونے لگے۔''

''سمندر کو آلودگی سے بچانے کے لیے یہاں ایسی پارٹیوں پر پابندی ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا'' یہ ڈان کا معاملہ ہے۔ اس لیے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ میں نے دل کھول کر ساری حسرتیں نکالی ہیں۔''

''خرچ بھی تم کو اٹھانا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اس کی پروا نہیں۔'' وہ بائیں آنکھ دبا کر مکاری سے بولا'' ماسٹر! یہ سرمایہ کاری ہے۔ چند دنوں میں ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک لوٹ آئیں گے۔ چھوٹا راجن اپنے باپ کا خزانہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ یہیں سے کما کر کروڑ پتی بنا تھا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

بات ختم کرتے ہی وہ چونک کر پلٹا۔ بار پر کوئی اسے بلا رہا تھا۔ وہ ہم سے مزید کچھ کہے بغیر ادھر ہولیا۔

اس کے جاتے ہی ایک طرح دار لڑکی ہماری میز پر آ گئی۔ لباس کی مفلسی اس کے پورے وجود سے عیاں تھی۔ اس نے جھک کر بڑی ادا سے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے فریش لائم کی فرمایش کی تو اس نے حیرت سے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی ناشائستہ بات کہہ دی ہو۔ وہ گئی اور چند لمحوں میں میرے مطلوبہ مشروب کے دو ٹھنڈے گلاس میز پر لے آئی۔

''یہ تقریب سمندر کی کھلی فضا میں نہ ہوتی تو میرے لیے یہاں بیٹھنا دشوار ہو جاتا۔'' غزالہ نے اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ''لڑکیاں ابھی سے بے لگام ہو رہی ہیں۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ آپ کے سوا یہاں کوئی بھی اپنی بیوی کے ساتھ نہیں آئے گا۔''

''یہ تھائی شرفا کی معاشرت کا ایک رخ ہے۔ ان کا میزبان ایک ڈان ہے۔ وہ سب یہاں آ کر فخر محسوس کریں گے۔ عورت اور شراب کی کشش بے پناہ ہوتی ہے۔ اس گُر کو آزما کر اس قوم نے سیاحوں سے اربوں ڈالر بٹورے ہیں۔ ان کی اشرافیہ بھی اس لت میں مبتلا ہے۔''

تقریب گاہ کا بندوبست اس ڈھب سے کیا گیا تھا کہ پروگرام واضح تھا۔ بار اور میزوں کے درمیان چھوڑی ہوئی خالی جگہ یقینی طور پر رقاص جوڑوں کے لیے چھوڑی گئی تھی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے فریش لائم کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔ اس اثنا میں ایک شوخ و چنچل لڑکی مسکراتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ اس نے توتلی انگریزی میں اپنا تعارف کراتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہماری دیکھ بھال اس کے سپرد کی گئی تھی۔ مجھ سے اجازت لے کر وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی شرارت سے چمکتی ہوئی روشن آنکھیں بار بار میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

اس کے براجمان ہوتے ہی ایکا ایکی لڑکیوں کا مصرف میری سمجھ میں آ گیا۔ ہر میز کے لیے ان میں سے ایک لڑکی مخصوص تھی۔ جو رہ جاتیں وہ اوپر کی بھاگ دوڑ میں لگی رہتیں۔ آنے والے باذوق مہمان بعد میں ان کا بھی کوئی نہ کوئی مصرف تلاش کر لیتے۔

ہمارے لیے فریش لائم لانے والی لڑکی انگریزی سے نابلد نظر آتی تھی۔ یہ چاؤفان کی مہربانی تھی کہ اسے انگریزی جاننے والی مختصر پوش سے بدل دیا گیا تھا۔

لڑکی باتیں کرنے کا فن جانتی تھی۔ وہ اپنی ادا دکھا کر بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔ غزالہ نے اس سے جب یہ کہا کہ اس لمبی تقریب میں صرف واش رومز کی وجہ لڑکی نے ہنستے ہوئے بتایا کہ مے نوش مہمانوں کی ضرورت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ سڑک پر جنریٹروں پہلے چار کارواں کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر کاروا میں جملہ سہولیات سے آراستہ تین تین واش روم بنے ہو تھے۔ میں نے چاؤفان کے ساتھ ادھر آتے ہوئے کارواں دیکھے تھے۔ لڑکی نے ان کا مصرف بھی واضح کر دیا۔

پنڈال میں لگے ہوئے طاقت ور اسپیکرز پر اچانک دھیم مغربی موسیقی گونجنی شروع ہو گئی۔ موسیقی کی لے پر لڑکی ہاتھ پیر تھرکنے لگے۔

میز کے نیچے یکا یک اس لڑکی کے گھٹنے میرے گھٹنو سے ٹکرائے۔ میں نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پُرشو انداز میں میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میر اضطراری ردِعمل سے غزالہ کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اس لمحے بھر کے لیے اشتباہ آمیز نظروں سے لڑکی کو گھورا پھر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''تم بہت اچھی اور خوبصورت لڑکی ہو۔'' غزالہ سپاٹ لہجے میں کہا ''بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی ضروریات کے معاملے میں ہم دونوں خود کفیل ہیں۔ ہمارے درمیان کسی او کی شمولیت کا امکان نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم خالی بیٹھنے کے بجائے گھومتی پھرتی رہو تاکہ ہم تخلیے میں یہاں کے رومان انگیز ماحول سے کچھ فیض حاصل کر سکیں۔ جب بھی ضرورت ہوئی، ہم تمہیں بلا لیں گے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کرسی چھوڑ دی ''یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری میزبان ہوں۔''

وہ ہوش ربا انداز میں لچکتی اور مٹکتی ہوئی بار کی طرف چل دی۔

''تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔'' میں نے غزالہ سے کہا ''وہ عذاب کی طرح ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی تھی۔ اب اس کو بھی ذہن میں رکھنا پڑے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''میں نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اس لیے وہ جھٹ سے چل دی۔ میں نے آپ دونوں کے درمیان اپنے پیر پھیلائے ہوئے تھے۔''

''بیوی ہر حال میں بیوی ہوتی ہے۔ شوہر کے معاملے میں اس کا ریڈار بہت مستعدی سے کام کرتا ہے۔'' میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اسی طرح ہمارے سروں پر مسلط رہی تو ایک بجے کیا ہوگا۔ مجھے یہ میزبانی سے زیادہ نگرانی نظر آرہی ہے۔''

''وہ شوفین اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ اسے اکسا کر اتنی پلا دیں کہ وہ مدہوش ہوجائے۔ اس صورت میں ہم خاموشی سے نکل سکیں گے۔'' اس نے میرے ذہن میں کلبلانے والی تجویز کو بلاتوقف الفاظ کا جامہ پہنادیا ''مجھے اس مسئلے کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں اس کی چوری پکڑنے کے بجائے اس کی حرکتوں کو نظرانداز کردیتی' اب آپ کو اسے بہلانا ہوگا۔''

وہاں کھلا بار لگا ہوا تھا۔ کئی لڑکے لڑکیاں اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو کچھ پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ شاید انہیں صرف اپنے مہمانوں کے ساتھ پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ احتیاط نہ کی گئی ہوتی تو مدعوئین کی آمد سے پہلے چاؤفان کا سارا عملہ کیف وسرور کی اجنبی دنیاؤں کی سیر کررہا ہوتا۔ وہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا۔

آٹھ بجے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے دو سفید فام مرد آئے جو اپنے اطوار سے امریکی معلوم ہورہے تھے۔ چاؤفان باہر سے انہیں اپنے ساتھ پنڈال میں لایا۔ وہ ان دونوں کے سامنے جس انداز سے بچھا جارہا تھا' اس سے مجھے گمان ہوا کہ ان میں سے ایک کرنل گیری ہوگا۔ میرے شبہے کو اس بات سے بھی تقویت ملی کہ چاؤفان نے انہیں مرکزی میز کے قریب بٹھایا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھنے سے پہلے دو لڑکیاں لپک کر اس میز پر پہنچ گئیں۔ چاؤفان نے ان کی طرف اشارے کرکے کچھ کلمات ادا کیے اور امریکیوں نے بڑی ڈھٹائی سے ان لڑکیوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا۔

چاؤفان دوبارہ باہر چلا گیا۔ اس نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔

میں کن انکھیوں سے امریکیوں کی میز کا جائزہ لیتا رہا۔ لڑکیوں کے اشارے پر ایک تیسری لڑکی نے بار سے مے نوشی کے لوازم ایک ٹرے میں سمیٹ کر ان کی میز پر سجادیے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ چاروں اپنے پیالے ایک دوسرے سے ٹکرا کر مے نوشی کا آغاز کرچکے تھے۔

اگلی کھیپ میں کئی مہمان ایک ساتھ پنڈال میں آئے۔ اس بار چاؤفان ان کے ساتھ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے بعد اس کا سبب بھی سامنے آگیا۔ مہمان تیزی سے آرہے تھے۔ ان کے استقبال کے لیے چاؤفان باہر رکا ہوا تھا۔ مہمانوں کو ان کی نشستوں تک پہنچانے کی ذمے داری لڑکیوں نے سنبھال لی تھی۔

اس وقت تک غزالہ کی پیش گوئی درست ثابت ہورہی تھی۔ آنے والوں میں کسی خاتون کا وجود نہیں تھا۔

ہماری میزبان اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی ہمارے قریب آئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''اجازت ہو تو میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں؟''

میں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔ ہم مہمانوں کے ناموں اور مراتب سے بے خبر تھے۔ وہ دور سے ہمیں ان کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی آزردگی سے بتایا کہ رفتہ رفتہ سب لڑکیاں آنے والوں کے ساتھ مصروف ہوتی جارہی تھیں۔ اسے ہمارے رویے کی وجہ سے اپنی ہم جولیوں میں سکی کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ چاؤفان نے اسے ہماری خدمت پر مامور کیا تھا اس لیے وہ کسی اور مہمان کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پنڈال میں بھٹکتے ہوئے اسے دوسری لڑکیوں کے طنز اور آوازوں کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔

میں نے اسے اپنی میز پر شراب نوشی کی اجازت دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی کی ٹرے سے اسکاچ کا لارج پیگ اٹھالیا۔

''یہاں بیٹھ کر جو چاہو کرتی رہو لیکن میز پوش کی آڑ میں اپنی ٹانگوں پر ذرا قابو رکھنا۔'' غزالہ نے وضاحت کی ''گڑبڑ کی تو میں دوبارہ اٹھادوں گی۔''

وہ غزالہ کی براہِ راست الزام تراشی کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ بوکھلاہٹ میں اس نے تیز اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق سے اتارلیا۔

''ہمیں یہاں آنے والوں کے بارے میں بتاتی رہو۔ ہم تمہارے شہر میں نئے وارد ہوئے ہیں۔'' میں نے اس لڑکی کو خفت سے بچاتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کردیا۔

اس وقت تک دس بارہ افراد وہاں آچکے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایک دوسرے سے یوں گھلے ملے ہوئے تھے جیسے ان میں پرانی شناسائی رہی ہو۔

گومی نامی وہ لڑکی ان سب لوگوں سے واقف نہیں تھی۔ جنہیں جانتی تھی' ان کے بارے میں دھیرے دھیرے ہمیں بتانا شروع کردیا۔

سفید فاموں کے بارے میں اس نے میرے اندازے کی تائید کردی۔ پختہ عمر والا امریکی کرنل گیری تھا۔ اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

نوجوان ساتھی کیپٹن کک تھا۔ وہ دونوں شہر کی رنگین مزاج خواتین میں بے حد مقبول تھے۔ عورت اور شراب کی کسی بھی ضیافت سے انکار ان کے مسلک میں شامل نہیں تھا۔

مقامیوں میں سب ہی معروف چہرے تھے۔ تجارت' صنعت' بنکاری' وزارت اور دیگر سرکاری شعبوں کے کلیدی عہدے دار اور شہری وہاں چلے آرہے تھے۔ ان میں بنکاک کا پولیس کمشنر بھی شامل تھا جو پہلے راجن کا نمک خوار ہوا کرتا تھا۔

کچھ لوگ ڈان کے لیے پھول اور تحائف لے کر آئے تھے جو مرکزی میز کے قریب قرینے سے قالین پر سجا دیے گئے تھے۔

پونے نو بجے آنے والوں میں تھائی لینڈ کے دو امیر ترین افراد نمایاں تھے۔ ان کی آمد پر موسیقی روک کر تھائی زبان میں کچھ اعلان کیا گیا۔ اعلان ختم ہوتے ہی تالیوں کی زبردست گونج میں موسیقی کا سلسلہ دوبارہ چل پڑا۔

گومی نے بتایا کہ ان میں سے ایک نے ڈان کے لیے مرسیڈیز سکس ہنڈریڈ کی چابی پیش کی تھی' دوسرے نے ڈان کے رفاہی کاموں کے لیے دس لاکھ بھات کا چیک دیا تھا۔

ان غیر معمولی نذرانوں کا ذکر سن کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ دنیا جانتی تھی کہ ڈان کا رفاہی کاموں سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے حاشیہ برداروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا اور وہ سب شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف سے اپنے کاروبار اور جان و مال کے تحفظ کے لیے پیشگی ادا کیا جانے والا تاوان تھا جسے تحفے کا نام دے دیا گیا۔ ان دونوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے پورے اجتماع کے سامنے تحائف پیش کر کے سب کو بتا دیا تھا کہ وہ ڈان کو اس کا حصہ دے رہے ہیں' اس کے بعد ڈان یا اس کے آدمیوں کو ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کا حق نہیں تھا۔

میں پڑھتا اور فلموں میں دیکھتا رہا تھا کہ ڈان گلے تک جرم و گناہ کی دلدل میں غرق ہونے کے باوجود کس طرح سوسائٹی میں معصوم اور معزز بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ستم کا شکار ہونے والے کس طرح ان ہی کے پاس اپنی فریاد لے کر آتے ہیں۔ اس اجتماع میں' میں وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے بے اختیار چاؤفان کے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے ڈان کی دعوت عیش و طرب کو سرمایہ کاری کا نام دے کر یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک مل سکتے ہیں۔ اس کی توقع پوری ہو رہی تھی۔ اسے کچھ دینا یا نہ دینا ڈان کی صوابدید پر منحصر تھا۔

پنڈال کی تقریباً ساری میزیں آباد ہو چکی تھیں۔ ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا۔ زندگی کی رونقیں اور رعنائیاں اپنے جوبن پر آتی جا رہی تھیں۔ جام و سبو لیے ہوئے لڑکیاں پھرکیوں کی طرح پورے پنڈال میں چکرا رہی تھیں۔ مترنم اور رسیلے قہقہے' مے کی جلی آوازیں اور کبھی کبھی کہیں سے ابھرنے والی تحیر زدہ سریلی چیخ خلیج سیام کے اس ساحلی گوشے کو خوابناک آرزوؤں کے ایک جوالا مکھی میں تبدیل کرتی جا رہی تھیں۔

نو بجے یکا یک موسیقی تھم گئی۔ ساؤنڈ سسٹم پر ڈان کی آمد کا اعلان ہوا اور پنڈال میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ سب کی نگاہیں ساحل کی طرف تھیں جدھر سے گھوم کر ڈان کو پنڈال میں آنا تھا۔

ڈان کے نمودار ہوتے ہی سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پنڈال تالیوں کے شور سے گونجنے لگا۔ ڈان نفیس تراش کے سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیص میں بہت وجیہ اور باوقار نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاروں موٹے بھی تھے جو دن رات سیکرٹریز بار کی اوپری منزل پر مفت کی کھا کر پل رہے تھے۔ وہ بھی سوٹ پہنے ہوئے تھے مگر ان کے شانوں سے خودکار رائفلیں اور ان کے میگزین جھول رہے تھے۔ وہ چاروں ڈان کے دائیں بائیں تھے' اس کے پیچھے چاؤفان کسی روبوٹ کی طرح اکڑ کر چل رہا تھا۔

پنڈال کے سرے پر رک کر ڈان نے مہمانوں کی طرف ہاتھ لہرا کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تالیوں کی گونج دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ چند لمحوں میں سب مہمان اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے مگر ان کی نگاہیں ڈان کی مسحور کن شخصیت پر مرکوز تھیں۔

ڈان نے ہاتھ ہلا کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ پانچوں وہاں سے واپس ہو لیے۔ ڈان بائیں طرف پہلی میز پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ ڈان کی وہ حرکت سب کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس میز کے گرد بیٹھے ہوئے چھ نفوس گھبرا کر اٹھے۔ وہ تین مرد اور تین میزبان لڑکیاں تھیں۔ ڈان نے وہاں رک کر سب سے باری باری ہاتھ ملایا' کچھ باتیں کیں اور دوسری میز کی طرف ہو لیا۔

''اوہ..... ڈان یہاں بھی آئے گا..... میں کیا کروں؟'' گومی بوکھلا کر بولی۔

''سکون سے بیٹھی رہو' وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا۔'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ایک گھونٹ میں اپنا بقیہ گلاس خالی کر ڈالا۔

ہر میز پر لوگوں سے فرداً فرداً ملنے کے بعد وہ ہماری میز پر آیا تو پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا ''علی! تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو؟''

''ڈان! میری عورت ذرا شرمیلی ہے۔'' میں نے اسے خوش کرنے کے لیے غزالہ کے لیے دانستہ عورت کا لفظ استعمال کیا ''بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے۔ تمہاری میز کے قریب بہت سے لوگ ہوں گے.....''

''خوب صورت عورتیں شرمیلی ہوتی ہیں۔'' ڈان نے مربیانہ ہنسی کے ساتھ غزالہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بہت نرمی سے مصافحہ کر کے چھوڑ دیا۔

''علی خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسی حسین بیوی ملی ہے۔'' ڈان کے ان الفاظ پر غزالہ کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی غیر مرد کی زبان سے اپنی اتنی بے باکانہ تعریف سنی تھی۔ ڈان اس کے ردِعمل سے بے پروا ہو کر کہتا رہا ''عورت اچھی نہ ملے تو مرد کی زندگی جہنم ہو جاتی ہے۔ تم دونوں میرے پیارے ہو، تمہارا مستقبل بہت تابناک ہوگا۔''

ڈان کے الفاظ میں طنزیا تضحیک کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ غزالہ نے سر جھکا کر خاموشی سے ڈان کی باتیں سن لیں، زبان سے کچھ نہ بولی۔

''میرے قریب بیٹھتے تو میں تمہیں بہت کام کے لوگوں سے ملواتا۔'' ڈان میری طرف متوجہ ہو گیا ''یہ موقع بار بار نہیں آئے گا۔ میں سب سے مل لوں تو میرے پاس آنا۔ میں تمہیں کرنل گیری سے ملواؤں گا۔ وہ اتنا برا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔''

ڈان کے مزاج میں عجیب شاہانہ بے نیازی تھی۔ اپنی بات کہہ کر اس نے میرا جواب سننے کی ضرورت نہیں سمجھی، گومی سے رسمی انداز میں ہاتھ ملا کر اگلی میز کی طرف چلا گیا۔

جب تک ڈان اپنے مہمانوں سے ان کی میزوں پر ملتا رہا، سروس معطل رہی۔ ساری لڑکیاں سمٹ کر بار کے قریب جمع ہو گئیں۔ جوں ہی ڈان اپنی وسطی میز پر پہنچا، ساغر و مینا ایک مرتبہ پھر گردش میں آ گئے۔ اس بار سروس بہت تیز اور مستعد نظر آ رہی تھی۔ شاید لوگوں کی مے نوشی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بنکاک میں ہمارے قیام کے آخری چند گھنٹے تھے۔ اس وقت ڈان سے کوئی بگاڑ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا۔ میں نے غزالہ اور گومی کو ہر حال میں اسی جگہ بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود ڈان کی طرف چل دیا۔

ڈان کی میز بڑی تھی۔ اس کے گرد کئی خوشامدی جمع تھے جن میں پولیس کمشنر پیش پیش تھا۔ گیری، ڈان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈان نے پُرتپاک انداز میں گیری سے کہا ''لو! میں ابھی ذکر کر رہا تھا، علی آ گیا۔ بہت شیر دل سورما ہے یہ میرا۔''

گیری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ایک لڑکی نے اسی لمحے میرے لیے جگہ خالی کر دی۔ ڈان کے اشارے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

''ابھی ڈان تمہاری دلیری اور تمہاری بیوی کے حسن کی تعریف کر رہا تھا۔'' گیری ہنستے ہوئے بولا۔

''میں اپنی بیوی کو یوں موضوعِ سخن بنانا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے گیری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''جہاں تک میری دلیری کا تعلق ہے تو میں صرف ڈان کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ ڈوریاں ڈان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا ڈان کی خوبی ہے۔''

ڈان نے پسندیدگی کے اظہار میں اپنا سر ہلایا اور بولا ''دلیری اور وفاداری..... یہ دو خوبیاں بہت کم لوگوں میں یکجا ہو پاتی ہیں۔ علی ان کا مرقع ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ڈان نے دوسروں کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ اسی لمحے میز خالی ہو گئی۔ وہاں صرف تین نفوس رہ گئے۔ گیری، ڈان اور میں۔

''علی پاکستانی ہے۔'' اس بار ڈان نے ذرا دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''یہ واپس جانا چاہتا ہے مگر میں نے اسے روکا ہوا ہے۔ تم اس سے کیا پوچھنا چاہ رہے تھے؟''

''پاکستان کے حوالے سے آج کل ہمارے ذہنوں میں صرف ایک نام آتا ہے..... کیا تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' گیری نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''صرف نام سنا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''راجن ذہین آدمی تھا!'' گیری نے یکا یک ڈان کی طرف متوجہ ہو کر تائیدِ طلب لہجے میں کہا۔

''الو کا پٹھا تھا۔'' ڈان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا ''ذہین ہوتا تو یوں کتے کی موت نہ مارا جاتا۔''

گیری نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا ''اس کا اصرار تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کو یہاں بلایا تھا۔ کل منٹھار سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ راجن نے اکبر نامی

Downloaded from http://paksociety.com

کسی گواہ کو ان پانچوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سے باز پرس کی نوبت آنے سے پہلے موتی محل پر باہر سے خوفناک حملہ ہوگیا اور سب کو بھاگنا پڑا.....''

''سب بکواس ہے۔'' ڈان نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی ''پتا نہیں تم لوگ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو۔ وہ ڈینی نوبیا میں مبتلا تھا۔ میں نے خود چھان بین کی ہے۔ کراچی میں دو آدمی پکڑے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈینی ہے۔ چھوٹا راجن کو ہر جگہ وہ نظر آرہا تھا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ موتی محل پر وہ حملہ میرے آدمیوں نے کیا تھا۔''

میری جان میں جان آئی کہ ڈان نے برہم ہوکر مجھے ایک کڑی آزمایش سے بچالیا۔

''یہ سب مجھے معلوم ہے۔'' گیری بولا ''ان پانچ بڑوں کی یہ رائے ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ ڈینی یہاں نہیں آیا۔ راجن کے اعصاب پر اس کی دہشت سوار تھی۔''

''پھر اس خبیث کا ذکر کیوں کررہے ہو؟''

''میں علی کو صورتِ حال سمجھا رہا تھا تاکہ یہ بھی اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرے کہ ایک آدمی بہ یک وقت دو دور دراز شہروں میں کیسے ہوسکتا ہے؟''

''گیری! یوں وقت برباد کرنا ہے تو یہ معما بھی حل کرو کہ پانی میں آگ کیسے لگ سکتی ہے؟ بھینس انڈے کیسے دے گی..... ناممکنات کے بارے میں سوچنا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔'' ڈان کا موڈ بدستور خراب تھا۔ اسی لہجے میں وہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولا ''تم اپنی میز پر جاؤ' جوڑے فلور پر آرہے ہیں۔ لوگ تمہاری بیوی کے ساتھ بھی رقص کرنا چاہیں گے' تمہاری موجودگی میں کوئی اس میز کا رخ نہیں کرے گا۔''

وہ ڈان کی نہایت ہمدردانہ ہدایت تھی۔ میں پلٹا تو موسیقی کی دُھن پر متعدد جوڑے پنڈال کی خالی جگہ پر تھرک رہے تھے۔ ہر مرد نے اپنی شریکِ رقص کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

میں اپنی میز کی طرف چلا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ غزالہ کے بشرے کی ترشی مجھے دور سے نظر آگئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ شخص ساقی گری کرنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقاصوں کی بھیڑ میں شامل ہوگیا۔

میری عدم موجودگی میں تین افراد غزالہ کے پاس آچکے تھے۔ اس نے اردو میں کہا کہ وہ انہیں ایسا نچاتی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجاتا لیکن مصلحت سے کام لے کر وہ معذرت پر اکتفا کرتی رہی۔

پتا نہیں پہل کس نے کی تھی' رفتہ رفتہ ساری میزیں خالی ہوگئیں۔ ہر مرد کسی نہ کسی لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹے قالین پر موجود تھا۔ ڈان بھی اٹھ کر اس بھیڑ میں شامل ہوچکا تھا۔ سیر کرنے والی لڑکیاں کسی نہ کسی کے ساتھ ناچ میں شامل ہوگئی تھیں۔

میں غزالہ کو ساتھ لے کر ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ گومی اپنے گلاس سمیت ہمارے ساتھ تھی۔

وہ کوئی باقاعدہ رقص نہیں تھا۔ سب اوندھے سیدھے پیر چلا رہے تھے۔ جوڑوں کی حرکات وسکنات میں کوئی تسلسل تھا نہ ہم آہنگی۔ سب اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق ہل جل رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بے ہنگم رقص صرف صنفِ نازک سے قرب کا ایک بہانہ تھا۔

لوگ رقص کے دوران میں بھی مے نوشی میں مصروف تھے۔ کئی جوڑے قالین پر ہلکورے لیتے ہوئے خاموشی سے ریتیلے ساحل کی طرف نکل گئے۔ اندازہ ہورہا تھا کہ چاؤفان نے میزبان لڑکیوں کی تعداد کم بتائی تھی۔

اس وقت مجھے گیری کا ساتھی نظر آیا۔ وہ ایک میز پر کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا جام دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھاما ہوا تھا اور میز پر آگے جھک کر کچھ بول رہا تھا۔ جب میں ڈان سے ملنے کے لیے گیا تب بھی وہ وہیں نظر آیا تھا۔ دور سے محسوس ہورہا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے وہ خاصے نشے میں تھا۔ گیری کی جگہ خالی تھی۔

وہ محفل پونے گیارہ بجے تک یوں ہی چلتی رہی۔ جوڑے تھک کر میزوں پر آئے اور دوبارہ رقص میں شریک ہوتے رہے۔ آخر کار ساؤنڈ سسٹم پر دھیمی موسیقی کے دوران میں کھانے کا اعلان ہوا اور رفتہ رفتہ ویران میزیں ایک مرتبہ پھر آباد ہونے لگیں۔

ٹھیک گیارہ بجے پنڈال اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ بھانت بھانت کے گرم کھانوں کی قابیں اٹھائے لڑکیاں میزوں کے درمیان چکراتی پھر رہی تھیں۔ مجھے ہوٹل میں قیام کے دوران میں تجربہ ہوچکا تھا کہ بچے تھالی باشندے سمندری پیداوار میں گھاس سے مگر مچھ تک نہیں چھوڑتے۔ یہی حال خشکی پر پائے جانے والے جانوروں کا تھا۔ ان میں سبزی خور وقت کے ساتھ عنقا ہوتے جارہے تھے۔ میں نے گومی کو واضح طور پر بتادیا کہ ہم مچھلی اور مرغی کے سوا کچھ استعمال نہیں کریں گے۔ اس کی ہدایت پر ہمارے لیے پسندیدہ ڈشیں فراہم کردی گئیں۔ گومی نے اپنے لیے عجیب وغریب سوپ

Downloaded from https://paksociety.com

کے بعد سانپ کا سالن منگوایا تھا۔

جب تک میزوں پر کھانا فراہم کیا جاتا رہا' پنڈال میں ہلچل رہی۔ میدان صاف ہوتے ہی سامنے سے رقاص لڑکیوں کی ایک قطار اندر آئی اور انہوں نے پیشہ ورانہ انداز میں خوب صورت رقص پیش کرنا شروع کر دیا۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ ان لڑکیوں نے جو کچھ زیب تن کیا ہوا تھا' اس پر لباس کا نام ایک تہمت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کچھ آرائشی چیتھڑے ضرور کہے جاسکتے تھے جن پر بلاسبب نگاہیں مرکوز ہو رہی تھیں۔

کھانے کا دور توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں گیری کہیں سے بھٹکتا ہوا ہماری میز کی طرف آ نکلا۔ اس نے اپنی بھری ہوئی پلیٹ ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈالا اور جھک کر میرے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا ''یہاں بات نہیں ہوسکتی' میں ایک بجے نکل جاؤں گا۔ ایک دو روز میں وقت نکال کر مجھے فون ضرور کرنا' تم سے اہم باتیں کرنی ہیں۔''

اس کے دہانے سے آنے والی الکحل اور کھانوں کی ملی جلی بو بہت ناگوار لگ رہی تھی مگر اس کے سنسنی خیز پیغام نے مجھے وہ بدبو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔

مجھے کب بنکاک میں رکنا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ آگے چل دیا۔

اس نے ایک بجے اپنی روانگی کا پروگرام بتا کر مجھے پریشان کر دیا۔ وہی ہماری روانگی کا طے شدہ وقت تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ مدہوشوں کی اس محفل میں ایک بجے تک کسی کو دوسروں کی سدھ بدھ نہیں رہے گی۔ لیکن روانگی کے وقت پارکنگ لاٹ میں گیری سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ ہمیں ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان ویرا اور سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ لینا تھا۔ وہ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کرتے۔ ہماری طرف سے زیادہ تاخیر کے نتیجے میں وہ دونوں کسی سنگین مسئلے سے دوچار ہوسکتے تھے۔

کھانے کے بعد رنگِ محفل بدل گیا۔ تکلفات کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔ بنے سنورے لباس جسموں پر ڈھلکے ہوئے نظر آنے لگے۔ ناچنے والی پیشہ ور لڑکیاں دھیمے اور خوبصورت رقص سے ہیجان انگیز ناچ پر مائل ہوگئیں۔ مرد انہیں دیکھ کر بے پروایانہ انداز میں فقرے چست کر رہے تھے۔ ایک آدھ اٹھ کر ان کے درمیان پہنچا ہوا تھا۔

بنکاک کے نام نہاد شرفا کا وہ اجتماع ماحول اور روتیوں کے لحاظ سے بازاری لفنگوں کے اجتماع کا منظر پیش کرنے لگا۔

غزالہ کے لیے وہ بہت تکلیف دہ تجربہ تھا۔ اس نے کبھی مردوں کے اتنے بڑے غول کو خود فراموشی میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی زبان پر کوئی حرفِ شکایت لائے بغیر' خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ ذہنی کوفت کے اس مرحلے کے بعد ہمیں ڈان کی غیر علانیہ قید سے آخر کار رہائی ملنے والی تھی۔

چاؤفان گا ہے گا ہے پنڈال میں نظر آ رہا تھا۔ جب سے ڈان وہاں پہنچا تھا' وہ زیادہ تر اسی کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ بھول کر بھی اس نے ہمارا رخ نہیں کیا۔

گومی کھانے کے بعد بھی ندیدے پن سے پیتی رہی۔ نشے کے باعث اس کی زبان پر لکنت طاری ہوگئی تھی۔ اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہتھیلیوں میں سر تھام کر کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ وہ ہمارے لیے بے ضرر ہو چکی تھی۔ اسے دنیا و مافیہا کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ہم اٹھ کر چلے جاتے تو اسے کانوں کان علم نہ ہوتا کہ وہ میز پر اکیلی رہ گئی ہے۔

میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں گومی کو کسی اور لڑکی کے حوالے کر دوں مگر اس خوف سے خاموش بیٹھا رہا کہ کہیں اس کی جگہ کوئی ہوش مند لڑکی ہمارے سروں پر مسلط نہ ہو جائے۔

میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بارہ بجے کے بعد میری گھڑی کی رفتا سست ہوگئی ہو۔

''گیری کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' غزالہ نے گومی پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔

''ہم دس منٹ کی تاخیر سے نکلیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''پنڈال سے نکل کر پہلے ہم واش روم جائیں گے۔ وہاں سے سڑک پر ٹہلتے ہوئے پارکنگ میں جا نکلیں گے۔ امید ہے کہ اس وقت تک وہ یہاں سے روانہ ہو چکا ہوگا۔''

میری نظریں گیری کی تلاش میں بار بار بھٹکتی رہیں۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے مجھے بھیڑ میں اس کی صورت نظر آئی پھر وہ غائب ہوگیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ پنڈال میں بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ کھانا وغیرہ سرو کیا جا چکا تھا۔ مہمانوں اور میزبانوں کو صرف پینے اور ناچ گانے سے غرض رہ گئی تھی۔ ان کے وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر بیرونی کاموں پر مامور عملہ بھی دھیرے دھیرے اندر گھس آیا تھا اور

Downloaded from https://paksociety.com

تماش بینی کے ساتھ شرابوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

وہ ساحلی ویرانہ اتنا دور افتادہ تھا اور باہر موجود ساز و سامان اتنا محفوظ تھا کہ کسی کو چوری چکاری کا ڈر نہیں تھا۔ سب بے فکر ہو کر اس محفل کے مزے لوٹ رہے تھے۔

ایک بجے میں نے قریب سے گزرنے والی ایک لڑکی کی توجہ گومی کی طرف مبذول کرائی جو میز پر اپنا سر ٹکائے فرصت سے اونگھ رہی تھی۔

اس لڑکی نے فوری طور پر اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور وہ دونوں گومی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر زبردستی چلاتے ہوئے لے گئے۔ وہ حال صرف گومی کا نہیں' ناچ گانے کے شور شرابے میں اور بھی کئی مہمان اور میزبان اسی طرح بے سدھ نظر آ رہے تھے۔ انہیں کوئی نہیں چھیڑ رہا تھا۔ جو جس حال میں تھا' مست اور خوش تھا۔

ایک بج کر دس منٹ پر میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نے سرسری انداز میں کرسیاں چھوڑ دیں۔ میں نے عقابی نظروں سے پنڈال کا جائزہ لیا تو ڈان مہمانوں کی بھیڑ میں گھرا ہوا تھا۔ کئی رقاص لڑکیاں اس کی میز کے سامنے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر عجیب انداز میں ناچ رہی تھیں۔ اس ہجوم میں گیری کا پتا تھا نہ چاؤفان کہیں نظر آ رہا تھا۔

ہم پنڈال کی بغل میں بچھے ہوئے قالینوں پر سے گزرتے ہوئے روشن سڑک پر آ گئے جہاں دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کیٹرنگ کا عملہ بھی اپنی گاڑیوں کو متفقل کر کے شاید اندر پہنچا ہوا تھا۔

آگے لمبا سفر درپیش تھا۔ میں مثانے کا دباؤ ہلکا کرنے کے لیے ایک کارواں میں داخل ہوا تو مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔

کاروان کی پتلی سی راہ داری میں ایک قطار سے سات واش روم بنے ہوئے تھے جن میں سے بیشتر آباد تھے۔ اندر کی محدود فضا میں گونجنے والی دھیمی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ اس بندوبست کو خلوت کدے کے طور پر مصرف میں لا رہے تھے۔

میں ایک خالی باتھ روم میں گھسا تو اس کی عمدہ بناوٹ کسی طیارے کے باتھ روم سے مشابہ نظر آئی۔ وہاں غسل کے سوا تمام حوائجِ ضروریہ کا اہتمام موجود تھا۔ غزالہ کاروان کے باہر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی' میں عجلت میں باہر آ گیا۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا کہ غزالہ نے میرے ساتھ کارواں میں داخل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔

ہم ویران سڑک پر چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ فضا ملے جلے انسانی شور اور موسیقی سے گونج رہی تھی۔ اس ساحلی ویرانے میں رات گہری ہونے کے ساتھ محفل پر رنگ آتا جا رہا تھا۔ ہمیں پارکنگ لاٹ تک کوئی تنفس نظر نہیں آیا۔

ہم قناتوں کے ساتھ پارکنگ لاٹ کے اس حصے میں اتر گئے جو نسبتاً اندھیرے میں تھا۔

وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا پھر بھی ہم بہت محتاط انداز میں بڑھتے ہوئے سیاہ پجیرو تک پہنچے۔ اگلے چند ثانیوں میں ہم گاڑی میں موجود تھے۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ مجھے توقع تھی کہ انجن چلنے کی آواز ساؤنڈ سسٹم سے ابلنے والے شور میں دب جائے گی۔ یہی ہوا' ہم گاڑی میں سست روی سے سڑک پر نکل آئے۔ میں نے اس وقت تک ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے۔

گاڑی کا انجن طاقت ور اور کم آواز تھا۔ ہم سبک رفتاری کے ساتھ پنڈال کی عقبی سڑک سے گزرتے چلے گئے۔ دور تک پھیلی ہوئی روشنی میں دوسرے کارواں کے قریب ہمیں ایک نفیس گزیدہ جوڑا نظر آیا جو اپنی دُھن میں مگن تھا۔ میں نے پجیرو کی رفتار بڑھانے کے ساتھ ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس حیوانی جنگل سے صحیح سلامت نکل آئے۔'' غزالہ نے فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''اب آگے ہمارا مقدر ہو گا۔''

''جلدی سے گاڑی میں موجود سامان کا جائزہ لے ڈالو۔ نقشہ ملنا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

اگلے پائیدانوں میں کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کسی بندر کی سی پھرتی سے پیچھے کود گئی اور وہاں اسے پائیدان میں رکھا ہوا بیگ مل گیا۔ جو ایک بڑی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

تھیلے میں نقشے کے ساتھ سفری ضروریات کا سامان اور فاضل میگزین کے ساتھ ایک چھوٹی خودکار رائفل بھی موجود تھی۔

میں غزالہ سے وہ تفصیل سن رہا تھا کہ مجھے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے وسط میں ایک شخص اچھلتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر ہمیں رکنے کے بے تابانہ اشارے کر رہا تھا۔

ہمارا درمیانی فاصلہ بہت تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی کی تیز روشنی میں' میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بلاشبہ کرنل گیری تھا۔ اس کی گاڑی سڑک کے کنارے

Downloaded from https://paksociety.com

جیک پر ایک طرف سے اٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے.....'' میں نے تشویش زدہ آواز میں کہا۔

''وہ راستے سے نہ ہٹے تو اسے کچلتے ہوئے آگے نکل جائیں۔'' غزالہ خوف زدہ بلکہ ہذیانی سی آواز میں بولی۔ وہ بیگ سنبھالے عقبی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے تبصرے سے پہلے وہ سڑک پر آئے ہوئے گیری کو دیکھ چکی تھی۔ اپنا جملہ پورا کرتے ہی وہ دوبارہ آگے آ گئی۔

میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے چند سیکنڈ سے بھی کم وقت تھا۔ میں نے گیری کو نظر انداز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن اس کا برا وقت آ گیا تھا۔ اس کی موت نے گاڑی میں کسی خرابی کی صورت میں اسے بری طرح گھیر لیا تھا۔

میں چاہتا تو کسی طرح اسے بچا کر تیزی سے آگے نکل سکتا تھا۔ اس تدبیر میں یہ خرابی تھی کہ وہ ہماری ایک جھلک دیکھ کر ہمیں پہچانتا یا نہ پہچانتا' اس امر کا گواہ ضرور بن جاتا کہ تقریب گاہ کی طرف سے سیاہ ٹیجیرو واپس گئی تھی۔ اس کی گاڑی میں یقیناً کوئی ایسی خرابی رونما ہوئی تھی جو فوری طور پر دور ہونے والی نہیں تھی۔ وہ تقریب گاہ سے کئی میل دور لق ودق ویرانے میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ لامحالہ وہیں رک کر تقریب سے لوٹنے والی کسی اور گاڑی کا انتظار کرتا۔ وہ پہلی ملاقات میں ڈان کا چہیتا بن چکا تھا۔ ڈان کو اس کی پریشانی کا علم ہوتا تو وہ اس سے رابطہ کرتا اور سیاہ ٹیجیرو کے بد دماغ مالک کا ذکر سامنے آ جاتا۔ یوں ہمارے کھوڈیا پہنچنے سے پہلے پورے زور وشور سے اس گاڑی کی تلاش شروع ہو جاتی۔ معاملہ ایک اہم امریکی سفارت کار سے بداخلاقی کا ہوتا اس لیے شبہ یہ تھا کہ ملک گیر پیمانے پر کالی ٹیجیرو کی تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔

غزالہ کے مشورے کو روبہ کار لانے میں کئی پیچیدگیاں تھیں۔ دھیمی نکر سے گراں ڈیل گیری کو جہنم واصل کرنا ناممکن تھا۔ تیز رفتاری سے گاڑی ٹکرانے میں خدشہ تھا کہ گاڑی کے کسی حساس حصے کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ہمیں لمبا سفر درپیش تھا۔ میں ایسا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

سڑک پر ہاتھ لہراتے ہوئے کرنل گیری کی طرف گاڑی دوڑاتے ہوئے شاید میرے اندیشوں نے بدترین صورت اختیار کر لی تھی مگر اس وقت کی حقیقت یہ تھی کہ میرے ذہن نے پلک جھپکتے میں وہ تجزیہ کر کے گاڑی روکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے بریک لگا کر گیری سے چند میٹر کے فاصلے پر گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر سڑک پر اتر گیا۔

''اوہ گاڈ! شکر ہے کہ تم آ گئے۔ میرا ہر حال میں اپنے دفتر پہنچنا ضروری ہے۔ دو بجے واشنگٹن سے میرے لیے ایک اہم ترین کال آنے والی ہے۔'' وہ اپنی پیشانی ملتے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''یکا یک پچھلے بریک جام ہو گئے۔ سڑک پر تیزی سے رگڑنے سے ایک ٹائر پھٹ چکا ہے۔ گاڑی جہنم میں جائے' تم مجھے شہر پہنچا دو..... میں نے آج ہی تم سے تخلیے میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی' اتفاق دیکھو کہ کن حالات میں یہ تخلیہ میسر آیا ہے۔''

وہ ٹیجیرو کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے آ گئی۔ ''تم یہاں بیٹھ جاؤ' میں پیچھے چلی جاتی ہوں۔''

غزالہ کی اس پیش کش میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے اس بیگ کی فکر لاحق ہو گئی تھی جو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔

گیری کو اس وقت غزالہ کے حسن کی ستایش کا دھیان نہیں آیا۔ اس نے بہت شائستگی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔

''تم اکیلے ہو؟ کیپٹن کک کہاں رہ گیا؟'' میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈان کی پارٹی زبردست ہے۔ کام نہ ہوتا تو میں بھی وہاں رکتا۔ یہ جوان افسر ذرا رنگین مزاج ہوتے ہیں۔ کک وہیں رک گیا۔ پارٹی ختم ہو گی تو کسی سے لفٹ لے کر لوٹ آئے گا۔''

جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ کے ساتھ ہماری اہم اشیا بھی اس وقت غزالہ کے پاس تھیں۔ ان میں ایک بھرا ہوا پستول بھی شامل تھا۔ اس لمحے مجھے افسوس ہوا کہ گیری تک پہنچنے سے پہلے میں نے غزالہ کو کوئی ہدایت کیوں نہ دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے کون سا ہتھیار استعمال کرنا ہو گا۔

بیم گن کے بارے میں جلال کی واضح تاکید غزالہ کے علم میں تھی لیکن اس وقت وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اضطرار کے عالم میں غلطی بھی کر سکتی تھی۔

''مارنا ہے۔'' میں نے اردو میں کہا۔

''کیا کہا تم نے؟'' گیری نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''کک کے لیے اپنی مادری زبان میں شاندار متبادل لفظ استعمال کیا تھا۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا ''تم کو ڈینی کے بارے میں تجسس تھا۔ قدرت کے کھیل بہت ہی نرالے ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس وقت تم ڈینی کے ہم سفر ہو۔''

میرے آخری فقرے پر وہ ایک گالی بک کر بری طرح سیٹ میں اچھلا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری ڈرائیونگ میں حارج ہوتا غزالہ نے اس کی کنپٹی پر پستول سے فائر کردیا۔

قریب کے فائر کے باوجود گولی اس کے دماغ میں پیوست ہوکر رہ گئی۔ اس کے جسم نے روح کو لرزا دینے والا ایک شدید جھٹکا لیا اور اس نے بیٹھے بیٹھے اسی لمحے دم توڑ دیا۔

وہ گیری سے قدرت کا انصاف تھا۔ میں اس سے کسی تصادم سے بچنے کی بھرپور کوششوں کے باوجود اسے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

''تم نے پستول استعمال کرکے زبردست عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' میں نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کے کہا۔

''جلال نے بیم گن کو شجر ممنوعہ قرار نہ دے دیا ہوتا تو میں اسی کو آزماتی۔ اب اس لاش کو یہیں چلتی گاڑی سے لڑھکا دیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم نے بھی ایک ملک دشمن کو ٹھکانے لگا دیا۔ پارٹی سے لوٹنے والے سڑک پر اس کی لاش دیکھیں گے تو شہر میں ایک کہرام برپا ہوجائے گا۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہیں ہوگا.....''

''گاڑی کو فورویل میں ڈال کر سڑک سے اتار دیں۔ ٹیلوں کے درمیان کسی کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر متبادل تجویز پیش کردی۔

''ہمارے پیچھے پارٹی سے کوئی اور بھی لوٹ سکتا ہے۔ اس نے ہماری گاڑی کو کچے میں جاتے یا وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔ گیری کی لاش کو چند روز تک غائب رہنا چاہیے تاکہ ہم کمبوڈیا میں سکون سے کوئی ٹھکانا تلاش کرسکیں۔ تم کو اندازہ نہیں ہے' گیری کا قتل ہر طرف ایک آگ سی لگا دے گا۔''

''ان ویران ٹیلوں کے پیچھے کون جائے گا۔ لاش وہیں گلتی سڑتی رہے گی۔'' وہ اپنی تجویز پر مصر رہی۔

''مردار خور پرندوں پر شاید کوئی توجہ نہ دے لیکن معاملہ امریکی افسر کا ہوگا۔ اس کی گاڑی سڑک پر ملے گی۔ وہ پورے علاقے کا فضائی جائزہ ضرور لیں گے اور لاش دریافت کرلیں گے۔''

''کیا آپ اسے اپنے ساتھ کمبوڈیا لے جانا چاہ رہے ہیں؟''

''چڑنے کی ضرورت نہیں۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد اسے کسی نالے یا کنوئیں میں پھینک دیں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ابھی لاش گرم ہے' جوڑ نرم ہوں گے۔ اسے مار دیا ہے تو اتنی مہربانی اور کرو کہ اسے سیٹ سے پائیدان میں دھکیل دو۔''

''میں پہاڑ جیسا یہ بوجھ نہیں دھکیل سکوں گی۔'' وہ عجیب سے انداز میں منمنائی۔

''میں نے یہ کام کرنے کے لیے گاڑی روکی اور پیچھے سے کوئی سر پر پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ذرا سی ہمت سے کام لو' یہ اتنا بھاری نہیں ہے' جتنا نظر آرہا ہے۔''

''آپ بات ہی نہیں سمجھتے۔'' وہ جھنجلا گئی ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اب تم بہانہ کررہی ہو۔ اچانک تمہاری طبیعت کو کیا ہوگیا؟'' میں نے ذرا ترشی سے سوال کیا۔ اس کے ہنکنے پر مجھے غصہ آگیا تھا۔

''میں آپ کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ آپ ہر طرف سے بے فکر ہوکر اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ ناراض ہورہے ہیں تو سن لیں کہ میں آپ کی ہونے والی اولاد کے تحفظ کے لیے یہ احتیاط کررہی ہوں۔''

غزالہ کے وہ الفاظ میرے لیے اس قدر خوشی کا سبب بنے کہ فرطِ مسرت سے چند لمحوں کے لیے میری زبان گنگ ہوگئی۔ دل چاہا کہ گاڑی روک کر والہانہ انداز میں غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں۔ اس خبر کا مجھے ایک مدت سے انتظار تھا۔ اس تاخیر میں ہمارے کسی ارادے یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس بارے میں ویرا اور سلمٰی نے کئی بار ٹوکا لیکن میں نے ہمیشہ کوئی دوٹوک جواب دینے کے بجائے ایسا مبہم رویہ اختیار کیا کہ تمسخر و استہزا کرنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہم دونوں جان بوجھ کر اس التوا کا سبب بن رہے ہیں۔

غزالہ نے وہ خبر اچانک اور مجبور ہوکر جس انداز میں سنائی' وہ میرے لیے بہت عجیب بلکہ خیال انگیز تھا۔ غزالہ خوب جانتی تھی کہ اسے ماں کے روپ میں دیکھنا میرا پرانا خواب تھا۔ اس بارے میں ہمارے درمیان دیر تک باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس ذکر پر غزالہ کے

Downloaded from https://paksociety.com

حسین چہرے پر آزردگی کے سائے تیرتے نظر آنے لگے تو میں نے اس ذکر سے کنارہ کرلیا۔ میں نے رضا کارانہ طور پر اپنی زبان ضرور بند کرلی لیکن وہ خواہش میرے لاشعور سے یوں چپکی ہوئی تھی کہ ہر ماہ و سال مجھے غزالہ کی طرف سے کسی خبر کا انتظار رہتا تھا۔

وہ مبارک گھڑی آئی تو ایسے وقت میں آئی جب میں غریب الوطن ہوکر اپنے الجھاووں میں پھنسا ہوا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس نے مجھے اپنے راز میں شریک کیا تو میری توجہ بٹ جائے گی' ذہن اپنے مسائل کے ساتھ اس کی فکر میں بھی الجھ جائے گا لیکن گیری کے ناگہانی ظہور اور پھر اس کی موت نے وہ گرہ دور کردی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا وجود ہلکا' بہت ہلکا ہوکر فضاؤں میں تیر رہا ہو۔ صرف وہ ماں نہیں بننے والی تھی' میں بھی باپ کے درجے پر فائز ہونے والا تھا۔ وہ پُرگداز احساس ایسا انوکھا تھا جسے میں صرف محسوس کررہا تھا' اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں تھا۔

یہ بہت مبارک شگون تھا کہ وہ خبر میرے ایک حریف کی موت کے موقع پر سامنے آئی تھی۔ حریف بھی ایسا جس سے میرا کوئی مقابلہ ہوا نہ مجادلہ۔ وہ اپنی سازشی حرکتوں میں مصروف تھا۔ اس کی فتنہ انگیزیوں کی کہانیاں ثبوتوں کے ساتھ میرے علم میں آچکی تھیں لیکن میرے پاس اس سے الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا تو میری شہ رگ کے گرد ڈان کا پھندا تنگ ہوتا چلا جاتا۔ میں نے اس سے کنی کاٹ کر نکل جانا چاہا لیکن قدرت نے مکافاتِ عمل کے آفاقی اصول کے تحت اسے دھکیل کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ شاید انسانی مقدر پر حکمرانی کرنے والی غیبی طاقت نے ہی غزالہ کے دماغ میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اپنے وجود میں پنپنے والے ایک نئے وجود کے بارے میں اپنی زبان بند رکھے تاکہ ایک خاص موقع پر مجھے وہ نوید سنا سکے۔

میرا دل اپنے رب کے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات سے یوں لبریز ہوا کہ غزالہ سے کوئی مکالمہ ہوئے بغیر میرے وجود کی گہرائیوں میں رقت کا ایک طوفان امڈ پڑا اور میری بصارت ایک آبی پردے سے دھندلانے لگی۔

ان چند لمحوں کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ میں سب کچھ فراموش کرچکا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میرے برابر والی نشست پر ایک تازہ لاش رکھی ہوئی ہے۔ میں اس وقت چونکا جب گاڑی کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں نے غیر ارادی طور پر ایک ہاتھ سے پاور اسٹیئرنگ کاٹ کر پجیرو کو سنبھالا' دوسرے ہاتھ کی آستین سے آنکھوں کی نمی صاف کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری گاڑی اس لمحے ایک خطرناک کھڈ میں اترتے اترتے بچی تھی۔

غزالہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی میرے اس جذباتی ابال کو محسوس کررہی تھی۔ اس نے نرمی سے میری پشت سہلائی' کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹوں سے چند بے معنی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اس کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

گاڑی کے جھٹکے سے گیری کا بدن پشت گاہ سے لڑھک کر بند دروازے سے ٹک گیا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دور تک پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مطمئن ہوکر گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور ایک ہاتھ سے زور لگا کر گیری کے بھاری وجود کو کسی نہ کسی طرح گاڑی کے کشادہ پائیدان میں گرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ناگہانی جھٹکے نے اس کام کو خاصا آسان بنادیا تھا۔

غزالہ اسی لمحے اگلی نشست پر آگئی۔ گیری کی لاش اس کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

ہم دونوں کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے جیسے دونوں کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ اس تاریک ویرانے سے نیم روشن سڑک پر آنے کے بعد میں نے غزالہ کو چلتی گاڑی میں بار بار نشستوں کی تبدیلی کے حوالے سے چھیڑا تو اس نے بتایا کہ ڈاکٹر نے اسے وزن اٹھانے سے منع کیا ہوا تھا۔ ہلکی پھلکی اچھل کود اس کے لیے بے ضرر تھی۔

ڈاکٹر کے ذکر نے مجھے پھر چونکا دیا۔ بنکاک میں اس کے شب و روز میرے سامنے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا موقع کب مل گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خریداری کے بہانے دوبار ایک تھائی گائنا کولوجسٹ سے ملی تھی۔

جو ڈوٹ گیا' باتیں چل نکلیں تو پتا چلا کہ ویرا اس کی ہم راز بنی ہوئی تھی۔ سیام پارک میں غزالہ نے اسے تخلیے میں لے جاکر اپنے دل کی بات بتادی تھی۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہم کب تک بنکاک میں رکے رہیں گے۔ ویرا خود کبھی ماں بننے کے تجربے سے نہیں گزری تھی لیکن اس نے غزالہ کو تحمل سے ہدایت کی تھی کہ وہ ان ابتدائی ایام میں محتاط رہنے کے ساتھ باقاعدگی سے اپنی معالجہ سے رجوع کرتی رہے۔

مجھے یاد آرہا تھا کہ غزالہ ایک سے زائد بار سیام پارک کے گوشے میں ویرا سے ہونے والی باتوں کے بارے میں کچھ بتاتے بتاتے خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ویرا کے ساتھ مل کر

Downloaded from https://paksociety.com

بہت کامیابی سے اپنی رازداری برقرار رکھی تھی۔

ویرا بے لگام منہ پھٹ اور موڈی خاتون تھی۔ اسے اس کی مرضی کے خلاف بولنے یا خاموش رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزالہ کے معاملے میں وہ بہت پکی نکلی۔ مجھ سے غیر معمولی بے تکلفی ہونے کے باوجود اس نے مجھے اس امر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ غزالہ تبدیلی کے کسی نازک دور سے گزر رہی تھی۔

''یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ ان میں پڑ کر آپ یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ میرے قدموں میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔'' غزالہ نے شوخی سے کہا۔

''آنے والے نے گیری کی بھینٹ لی ہے۔ فی الحال اس کے لیے وہی جگہ بہتر ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔'' میں نے سرور کے عالم میں جواب میں دیا ''ان دونوں کو لینے کے بعد اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''

''میں مشورہ دوں گی کہ پہلی فرصت میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں کوئی نالا یا کنواں تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔''

''وہ میری ابتدائی تجویز تھی۔ کہیں نرم زمین مل گئی تو رک کر اسے دفن بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''آپ اس کے لیے ان بھیڑیوں میں کیوں پڑنا چاہ رہے ہیں؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا ''اس چکر میں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

''اس کی لاش کا چند روز تک غائب رہنا ہمارے مفاد میں ہوگا۔'' میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا ''لاش دستیاب ہوتے ہی اس کے اعلیٰ افسران ایک قیامت کھڑی کر دیں گے۔''

''لاش چھپا کر آپ اس قیامت کو نہیں ٹال سکتے۔''

''اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ لاش ملنے کے بعد اس کے قتل کا الزام ہمارے سر آئے گا کیونکہ کسی کو ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ اگر یہ بیجر وکسی کی نظروں میں نہیں آئی تو وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم گیری کو اغوا کر کے کہیں چھپ گئے ہیں۔ وہ یہ اندازہ لگائیں گے کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں جا سکے ہوں گے۔ وہ اپنا کافی وقت ان اطراف میں برباد کریں گے۔ ناکامی کے بعد ان کی ساری توجہ بنکاک کو کھنگالنے پر مرکوز رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کمبوڈیا سے بھی نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہمارے لیے وقت بہت اہم ہے۔ لاش چھپا کر ہم یہ وقت خرید سکتے ہیں۔ کئی دن برباد کرنے کے بعد شاید وہ گیری کے قتل کے امکان پر غور کر سکیں گے۔''

''ہم اس ملعون کی وجہ سے بہت گمبھیر صورتِ حال سے دوچار ہو گئے ہیں۔''

''سامنے آ جانے کے بعد اسے مارنا ناگزیر تھا۔ مارنے کے بعد لاش کو چھپانا ہماری ضرورت بن گیا ہے۔ وہ جتنی دیر تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہیں گے، ہم ان کی دسترس سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔'' اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں آنے والے وقت کا ایک واضح خاکہ بنتا جا رہا تھا۔

''ہر دو صورتوں میں ہم دونوں ہی ان کے شکوک وشبہات کا مرکز رہیں گے۔''

''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے لیے واشنگٹن سے آج ہی فون آنا تھا۔''

''رات کے دو بجے کس کا فون آتا..... وہ بہانے بازی کر رہا تھا، کسی اور چکر میں رہا ہوگا۔''

''تم وقت کے فرق کو فراموش کر رہی ہو۔ بنکاک اور واشنگٹن کے وقت میں کم وبیش آدھے دن کا فرق ہے۔ وہاں اس وقت دوپہر ہوگی۔ چہرے مہرے سے یہ بھی اوباش اور تفریحات کا رسیا نظر آتا تھا۔ سرکاری کام نہ ہوتا تو یہ بھی روشنیاں گل ہونے کے انتظار میں وہاں رکا رہتا۔''

''کیا وہ پارٹی سورج طلوع ہونے تک چلتی رہے گی؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

میں دھیرے سے ہنس دیا ''کبھی کبھی تم احمقانہ بات کہہ جاتی ہو۔ چاؤفان نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا خمار گہرا ہونے کے بعد صرف ساحل کی طرف جلنے والی سرچ لائٹس روشن رہیں گی۔ باقی تمام روشنیاں ڈان کے ایک اشارے پر بجھا دی جائیں گی۔''

''لعنت ہو ڈان اور اس کے مہمانوں پر۔'' وہ تیزی سے بولی ''کاش، سمندر کی کوئی اونچی لہر ان سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے۔ ان سیاہ کرتوتوں کی پردہ داری کے لیے اس دور افتادہ ویرانے کا انتخاب کیا گیا ہوگا ورنہ یہ تقریب کہیں اور بھی ہو سکتی تھی۔''

''ڈان کے دماغ میں راجن کی وائٹ ہاک گھسی ہوئی ہے۔''

وہ میرے لیے بنکاک میں ڈرائیونگ کا پہلا تجربہ تھا۔ ہم گھور اندھیرے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میرے سامنے شہر کے روشن اور کشادہ راستے پھیلے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں لوگوں کی دل بستگی کے لیے شبینہ تفریحات کے ٹھکانے نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

پائے جاتے تھے اس لیے ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا گہرا راج تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کے روشن قمقمے بھی تھکے تھکے اور خوابیدہ سے نظر آرہے تھے۔ مجھے وہ سب بالکل نیا نظر آرہا تھا۔ کہیں بھی کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آرہی تھی کہ جس کے سہارے میں صحیح راستے کا تعین کرسکوں۔

بس سمت کا ادراک ذہن میں موجود تھا۔ اس کے سہارے میں رکے بغیر بڑھتا جارہا تھا۔ بہ ظاہر میں غزالہ سے باتوں میں مصروف تھا مگر مجھے راستے کی فکر دامن گیر تھی۔ چاؤفان سے سب کچھ طے ہوگیا تھا۔ بس وہی ایک مسئلہ میں نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا۔

ہمارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میرے ایما پر غزالہ نے چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ میں سے تہ کیا ہوا نقشہ نکال کر اپنی گود میں پھیلا لیا۔

کیبن لائٹ کی روشنی میں مجھے محسوس ہوا کہ چاؤفان اپنے قول کے مطابق واقعی اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا مجھے نظر آتا تھا۔ اس نے ہمیں کوئی لمبا چوڑا نقشہ دینے کے بجائے ایک بڑے نقشے سے صرف وہ حصہ کاٹ لیا تھا جس پر سفر کرکے ہمیں کمبوڈیا کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔ بڑے اسکیل پر چھپے ہوئے اس نقشے میں چاؤفان کی لگائی ہوئی سرخ لکیر بہت نمایاں تھی۔ اس راستے کے قرب وجوار میں چھوٹی بڑی سڑکیں اور آبادیاں بھی بہت واضح تھیں۔

مجھے پہلے سے اس راستے کا علم نہیں تھا لیکن غزالہ سے یہ سن کر کہ ہمیں پنج بری روڈ سے ہی شمال کی طرف ایکسپریس وے پر جانا تھا' خوشی ہوئی کہ میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو صحیح مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے جانی پہچانی عمارات نظر آنے لگیں۔ میں بنکاک کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا مگر چاؤفان کے ساتھ شہر کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے میں نے ہر ممتاز عمارت اور نمایاں مقامات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی جو اس آڑے وقت میں میرے کام آئی۔

ہم شہر کے مرکزی حصے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ رات کے پونے دو بجا رہی تھی۔ پارٹی سے قدرے تاخیر سے روانگی اور کرنل گیری سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود ہمارا وقت خراب نہیں ہوا تھا۔ اس رات ہمارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ گیری جیسا چالاک اور خطرناک آدمی حالات کی بے بسی کا شکار ہوکر غزالہ کے ہاتھوں کسی میمنے کی طرح مارا گیا۔ راستوں کا علم نہ ہونے کے باوجود میں اپنی چھٹی حس کے سہارے صحیح سمت میں گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خوش نصیبی اس سفر میں آگے بھی ہمارا ساتھ دے گی اور ہم عافیت کے ساتھ ڈان اور تھائی قانون کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔

چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے میرے ذہن پر صرف اور صرف ڈان کی بدنیتی کا خوف سوار تھا۔ وہ اپنے مکارانہ حربوں سے مجھے بنکاک میں روک کر مجھ سے کام لینا اور میرے بارے میں مزید جہان بین کرنا چاہ رہا تھا۔ بنکاک میں قانون کی بہت سی سنگین خلاف ورزیاں کرنے کے باوجود مجھے قانون کے محافظوں کی طرف سے کوئی تشویش لاحق نہیں تھی کیونکہ وہ میری درپردہ کارروائیوں سے بے خبر تھے۔ گیری کی ہلاکت نے وہ صورتِ حال یکایک بدل دی تھی۔ اس کی گمشدگی کے بارے میں ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود مقامی پولیس واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ہماری تلاش شروع کردیتی۔

پیٹ پونگ سے پنج بری تک' شہر کے قلب میں شب بیدار رندوں کی مشتہ سرگرمیاں پورے زوروشور سے جاری تھیں۔ ان میں ہر ملک اور ہر قوم کے مردوزن نظر آرہے تھے۔ سب کھوئے کھوئے اور خواب زدہ انداز میں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رواں دواں تھے۔ ان کے لیے رات اترنے کے بعد دن طلوع ہوتا تھا۔

گاڑی میں ایک اہم امریکی سفارت کار کی تازہ لاش لے کر بنکاک کے اس شب بیدار علاقے سے گزرنا آسان کام نہیں' میرا دوران خون تیز ہوچکا تھا' دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں محسوس ہورہی تھیں اور نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں کاؤبوائے کلب کے قریب کسی آوارہ گرد جوڑے کی طرح بے پروائی سے ایک دیوار سے لگے ہوئے تھے۔ کاؤبوائے کلب میں رات اپنے ہنگامہ خیز شباب پر تھی' فٹ پاتھ پر بھی کافی لوگ موجود تھے لیکن کوئی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

انہیں یہ علم نہیں تھا کہ میں کس گاڑی میں انہیں لینے کے لیے آؤں گا۔ جوں ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر روکی' انہوں نے ہماری ایک جھلک دیکھی اور تیر کی طرح ہماری طرف چلے آئے۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں کے شانوں پر ہلکے پھلکے سفری تھیلے جھول رہے تھے جو قلاش سیاح عام طور پر اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ہی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہوگئے اور میں نے گاڑی آگے

Downloaded from https://paksociety.com

بڑھادی۔

''فرار کے لیے اس سے بہتر گاڑی ملنی مشکل تھی۔'' ویرا نے بیٹھتے ہی ستایشی لہجے میں تبصرہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ چاؤفان کو الو کا گوشت کھلا کر تم نے اپنا مطیع بنالیا ہے۔''

''تم لوگوں کا بقیہ سامان کہاں ہے.....؟ کراچی میں تو تم دونوں نے سفر کے لیے اچھے خاصے سوٹ کیس تیار کیے تھے۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کر کے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''یوں سمجھ لو کہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے' کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔'' خطرناک مہم درپیش ہونے کے باوجود ویرا شگفتہ موڈ میں تھی۔ اس کی بات جاری رہی ''کچھ نیویارک میں رہ گیا' چند جوڑے ٹورنٹو میں پھینک دیے' ایک تھیلا راستے میں کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے آئے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہیں' جن کے بغیر گزارہ مشکل تھا۔''

یکا یک اس نے چند گہرے سانس لیے پھر تشویش زدہ انداز میں بولی ''گاڑی میں جلے ہوئے بارود کی بو کیوں آرہی ہے؟''

میں دل ہی دل میں ویرا کے تیز مشاہدے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ گاڑی میں میلوں پیچھے فائر کیا گیا تھا۔ ساری بو تیز ہوا میں اڑا لے گئی تھیں مگر اس کی حساس ناک نے گیری کے دماغ میں گھسی ہوئی گولی کی بارود کی بو سونگھ لی تھی۔

''جس طرح دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے اسی طرح بارود انسانی خون میں نہا کر اپنی افادیت ثابت کرتا ہے۔'' میں نے پُرمزاح لہجے میں جواب دیا ''غزالہ کی چلائی ہوئی گولی ایک دشمن کی کھوپڑی میں پیوست ہے اور وہ اگلے پائیدان میں موجود ہے۔''

''نہیں!'' ان دونوں کے دہانوں سے گھٹی گھٹی تحیر زدہ آوازیں آئیں اور وہ ایک ساتھ اگلی نشستوں کے درمیان آگے جھک آئے۔

گاڑی میں اندھیرا تھا لیکن ایکسپریس وے کی تیز روشنیوں کا انعکاس اتنا کافی تھا کہ دونوں نے ہی غزالہ کے قدموں میں پڑی ہوئی گٹھڑی نما لاش دیکھ لی۔

''یہ کون ہے.....تم اسے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟'' سلطان شاہ کے ہونٹوں سے دبی دبی مگر تیز سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ امریکیوں کا گیری دی گریٹ ہے۔ تم دونوں کی تلاش میں لگا ہوا دشمن نمبر ایک۔'' میں نے کہا ''یوں سمجھ لو کہ یہ صرف مرنے کے لیے دست بستہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔''

''تم اب بھی ان دنگلوں میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ غزالہ آج کل کس حال سے گزر رہی ہے؟'' ویرا نے بے ساختگی سے ترش لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

''گیری کے آنجہانی ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے..... تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ نے صرف پستول کا ٹریگر دبایا ہے۔ محنت کا کام میں نے خود کیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''مجھے سخت شکایت ہے کہ تم دونوں نے اپنی زبانیں بند رکھ کر میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''کیا ہوا.....غزالہ کو کیا ہو گیا؟'' سلطان شاہ کی آواز کی پریشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

''غزالہ تمہاری منہ بولی بہن ہے۔ یوں سمجھ لو کہ سات آٹھ مہینوں کے بعد تم کسی کے منہ بولے ماموں بننے والے ہو۔ آئی بات سمجھ میں!'' ویرا نے منہ توڑ انداز میں جواب دیا۔

میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ ویرا کے ذہن سے میری پچھلی ملاقات کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ اس میں ذرا بھی دھیما پن نہیں آیا تھا۔

''بہت خوشی کی بات ہے کہ آج یہ خبر مل رہی ہے۔ یہ واقعہ تو آج سے بہت پہلے رونما ہو جانا چاہیے تھا۔'' سلطان شاہ کی آواز سے بے پناہ مسرت جھلک رہی تھی ''مبارک ہو.....میری طرف سے تم سب کو مبارک ہو۔ اب ہم اپنی گود میں ڈینی کے بچے کو کھلائیں گے۔''

''ڈینی کا بچہ کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' ویرا کھلکھلا کر ہنس دی ''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بچی بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم لوگوں نے کیا خرافات شروع کر دیں۔'' غزالہ جھنجلائی ہوئی آواز میں بولی ''کیا ہم اس لاش کو یوں ہی اپنے سینے سے لگائے پھرتے رہیں گے؟''

''ہاں' اس کی کہانی سناؤ۔'' ویرا بولی ''اس جیسا مکار اور موذی شخص کسی دھوم دھڑکے کے بغیر اتنی آسانی سے تمہارے چنگل میں کیسے آ پھنسا؟''

وہ بہت مختصر سا واقعہ تھا۔ میں نے پوری جزئیات کے ساتھ ان دونوں کے سامنے دہرا دیا۔ ساتھ ہی انہیں اپنے تحفظات اور اندیشوں سے بھی آگاہ کر دیا۔

''فی الوقت تمہارا اندیشہ بے بنیاد ہے۔'' ویرا نے پوری بات سن کر فیصلہ کن انداز میں اپنی رائے دی۔ ''اس ویران سڑک پر گیری کی خراب گاڑی دریافت ہو گی اور اس کا کہیں پتا

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں چلے گا تو ہر طرف بھونچال ضرور آئے گا لیکن کسی کو بھول کر بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔ تم بتا رہے ہو کہ پارٹی میں ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ڈان سمیت سب لوگ نشے کے خمار میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ گیری کی گاڑی دریافت ہونے تک سب ہوش وخرد سے بے گانہ ہو چکے ہوں گے۔ ہر شخص گیری سے ہمدردی ظاہر کرتا ہوا' اپنے گھر جا کر سو جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کا راز اس وقت کھلے گا جب ڈان ہوش وحواس میں آنے کے بعد کسی ضرورت کے تحت تم سے رابطہ کرنا چاہے گا اور تم کہیں دستیاب نہ ہو گے۔ دونوں الگ الگ واقعات تصور کیے جائیں گے۔ ڈان تمہیں تلاش کرے گا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ گیری تم دونوں کو اغوا کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ گاڑی خراب ہونے پر اس نے کوئی متبادل تلاش کر لیا ہو گا۔ تمہاری ذات میں گیری کی دلچسپی ڈان کے علم میں آ چکی تھی۔ منفی سمت میں مت سوچو۔ ڈان کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کئی دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مہلت غنیمت ثابت ہو گی۔ اصل نکتہ وہی ہے جو تمہارے ذہن میں جما ہوا ہے۔ کسی کو گیری کی لاش کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ لاش سامنے آنے سے پورا کھیل بگڑ جائے گا۔''

تعداد میں دو سے چار ہوتے ہی صورتِ حال حوصلہ افزا نظر آنے لگی۔ سب کچھ جوں کا توں تھا لیکن میرے ذہن سے دباؤ دور ہو گیا۔ ہم چاروں ایک مدت کے بعد بے تکلفانہ فضا میں یکجا ہوئے تھے۔ ماحول میں عجیب جوش اور گرم جوشی پائی جا رہی تھی۔

پیچ بری سے ایکسپریس وے سیدھی جا رہی تھی۔ اس پر لاش کو کسی محفوظ مقام پر ٹھکانے لگانے کا موقع ملنا محال تھا۔ بنکاک کے مضافاتی رہائشی علاقے میں سڑک کے کنارے تھائی اور انگریزی زبانوں میں لگے ہوئے بورڈ سے علم ہوا کہ وہاں سے آگے اس سپر ہائی وے کا نام شاہ راہِ دوستی ہو گیا تھا۔ وہ علامات دیکھتے ہی ویرا نے غزالہ سے نقشہ لے لیا اور پورے انہماک سے ہمارے سفر کے مجوزہ راستے کے مطالعے میں جٹ گئی۔

سلطان شاہ نے غزالہ سے باتیں شروع کر دیں۔ ہم سب چار جان ایک قالب تھے۔ ہمارے درمیان کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی تھی۔ غزالہ اسے جلال کی کمبوڈیا میں متوقع آمد اور اس کے دیے ہوئے نئے ناموں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ویرا بہ ظاہر اپنے کام میں لگی ہوئی تھی لیکن درمیان میں لقمے دیتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر کی دماغ سوزی کے بعد ویرا نے بتایا کہ اس وقت ہم لوپ بوری کی سمت میں جا رہے تھے۔ جہاں سو بھراج کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوا تھا۔ لوپ بوری سے کافی پہلے پھرانا خون (PHIRA NAKHON) نامی قصبے سے ہمیں سپر ہائی وے سے اتر جانا تھا۔ اس نئی سڑک کا نام شاہ راہ دوستی تھا جو متعدد شہروں اور قصبوں سے ہوتی ہوئی کمبوڈیا میں داخل ہو جاتی تھی۔

سپر ہائی وے پر لگے ہوئے سائن بورڈ کے بارے میں غلط فہمی دور ہونے سے مجھے اطمینان ہوا کہ پھرانا خون کے بعد ہم گیری کے ناپسندیدہ بوجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نکال سکیں گے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی آرام دہ اور تیز رفتار مسافت کے بعد ہمیں پھرانا خون کے نشانات نظر آنے شروع ہو گئے۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں باری باری گیری کی لاش کا دیدار کر لیا تھا۔

اس کی کنپٹی پر چھوٹے سے زخم کے گرد خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اس کی موت واقع ہونے کی وجہ سے زخم سے خون بہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے مرے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے لاش کے جوڑ بہ دستور نرم تھے۔

سپر ہائی وے پر رات گہری ہو جانے کے باوجود مال بردار ٹرکوں اور ٹریلروں کی خاصی آمد و رفت جاری تھی۔ اس دوران میں ہمیں گنتی کی چند گاڑیاں آتی جاتی نظر آئیں۔ ان میں لوگ شاید کسی ہنگامی ضرورت کے تحت سفر پر نکلے تھے۔

پھرانا خون کی آبادی خاصی وسیع تھی۔ ہائی وے کی بلندی سے شہر کی خواب ناک روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم سپر ہائی وے سے بائیں طرف شاہ راہ دوستی پر اترے تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ ہمارے سفر کا ایک مرحلہ خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

ہم آبادی کے بیرونی سرے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ وہ سڑک بھی کشادہ اور ہموار تھی۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ سپر ہائی وے کے مقابلے میں اس روٹ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

پھرانا خون کی آبادی سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ میری نگاہیں کوئی مناسب مقام تلاش کر رہی تھیں جہاں گیری کی لاش کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔

''تمہیں اپنے چاؤ جان پر پورا بھروسا ہے؟'' اچانک ویرا سوال کر بیٹھی۔ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''اس کا نام چاؤ چان نہیں چاؤ فان ہے۔ ابھی تک وہ اپنے قول کا دھنی ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈان کا ایک پرانا نمک خوار یکا یک تمہارا ہمدرد کیوں بن گیا؟''

وہ بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔ جب میں نے اسے سمجھایا کہ بنکاک میں میری موجودگی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ میری مدد کر کے اس نے وہ رکاوٹ دور کرنے کی ایک بے ضرر کوشش کی تھی تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی ورنہ وہ کمبوڈیا جانے کے بجائے کہیں اور روپوش ہو جانے کی تجویز لیے بیٹھی تھی تاکہ چاؤ فان کو بھی ہماری اگلی منزل کا سراغ نہ مل سکے۔

پھرانا خون سے کافی دور آنے کے بعد مجھے سڑک کے دونوں طرف چھدرے درختوں سے گھرا ہوا ویرانہ نظر آیا۔ اس وقت ہمارے آگے پیچھے' دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے ان تینوں کو ہوشیار کیا اور گاڑی دھیمی کر کے سڑک سے نیچے اتار دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کے شامل ہونے کے بعد مجھے جو اطمینان حاصل ہوا تھا' وہ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ دوبارہ اعصابی دباؤ میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ راستے اجنبی تھے۔ آگے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ہمیں کہاں موقع میسر آ سکے گا۔ بہتر یہی تھا کہ پہلی فرصت میں گیری کی لاش سے نجات حاصل کر لی جائے۔

''اس ویران جنگل میں اترتو رہے ہو' ذرا واپسی کا خیال بھی رکھنا۔'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں مجھے ٹوکا ''ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر واپس لوٹ جائیں۔''

''یہ تمہاری بھی برابر کی ذمے داری ہے' ذرا سمتوں کا خیال رکھنا۔''

''اس جنگل میں کیا گیری کی لاش کو کسی پیڑ پر لٹکانے کا ارادہ ہے؟''

''اور کچھ نہ ہو سکا تو یہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ابھی لمبا سفر باقی ہے۔ کہیں نہ کہیں بہتر موقع مل جاتا۔ غزالہ کا پیر بھاری ہو چکا ہے۔ گیری نکل کر کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ یہاں دور تک سپاٹ میدان نظر آ رہا ہے۔ گاڑی یہیں سے سڑک کی طرف موڑ لو۔'' اس نے مسخرانہ انداز میں رائے زنی کی۔

''اس چکر میں ہم سرحد تک پہنچ جائیں گے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

کچھ زمین ناہموار تھی' بے ترتیبی سے اگے ہوئے درختوں کے درمیان راستہ بنانے کے لیے تھوڑی سی دشواری ہو رہی تھی۔ گاڑی ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی۔

''روکو..... گاڑی روک دو!'' یکا یک سلطان شاہ چلایا اور میں نے گھبرا کر بریک لگا دیے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور سسپنشن پر جھول کر رہ گئی۔

''کیا تمہیں اپنے گاؤں کی کوئی بدروح نظر آ گئی؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''میرے گاؤں کی نہیں' امریکی ہے۔'' اس نے بے رخی سے جواب دیا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میری ساری توجہ گاڑی کے راستے پر مرکوز تھی۔ سلطان شاہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دونوں اطراف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ زمین میں ایک تازہ گڑھا دیکھ کر اس نے گاڑی رکوائی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کیا۔ ہیڈ لیمپس روشن رہنے دیے اور سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ ویرا بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

میں نے دور ہی سے وہ گڑھا دیکھ لیا جس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی رکوائی تھی۔ وہ کوئی لمبا سا گڑھا تھا جس کے کناروں پر مٹی کا خاصا ڈھیر جمع تھا۔ میں نے بے اختیار سلطان شاہ کو شاباش دی اور لپک کر گڑھے کے کنارے پہنچ گیا۔

وہ زمین پر نیم گولائی میں خاصا بڑا گڑھا تھا جو کسی قدرے بڑے چوپائے نے اپنے آرام کے لیے زمین میں کھودا تھا۔ مٹی کے ڈھیر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک دو دن سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔

''یہ تو گیری کی بنی بنائی قبر ہے۔'' وہ جگہ دیکھتے ہی ویرا بے ساختہ بولی ''ذرا سی محنت سے اسے گہرا اور چوڑس کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سما جائے گا۔''

ہمارے پاس زمین کھودنے کا کوئی اوزار نہیں تھا مگر میں وہ موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے گاڑی وہیں گھمالی۔ ہیڈ لیمپس کا جلتے رہنا خطرناک تھا۔ وہ مشکوک روشنی سڑک سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بعد تاروں کی روشنی ناکافی محسوس ہوئی۔ چاؤ فان کے فراہم کیے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا گیا تو اس میں جیبی ٹارچ کے ساتھ ایک طاقتور سرچ لائٹ اور مضبوط رسی بھی موجود تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہم نے گیری کی نرم لاش پائیدان سے وہیں گرا کر سیدھی کی۔ رات کے پُرہول اندھیرے میں اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں خوف آور انداز میں ہماری طرف نگراں تھیں۔ ویرا نے پھریری لے کر اس کے بے نور چہرے پر اپنا اسکارف ڈال دیا۔

ہاتھوں کی مدد سے اس گڑھے کو لمبا اور ہموار کرنے کے کام شروع کیا گیا تو غزالہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ویرا نے سختی سے اسے روک دیا۔ اس کا کام صرف روشنی دکھانا تھا۔

سطح ٹوٹ جانے کے سبب اندر کی زمین قدرے نرم تھی مگر اتنی بھی نرم نہیں تھی کہ ہم کسی جنگلی درندے کی طرح اسے تیزی سے کھرچ لیتے۔ سلطان شاہ ابتدا میں ٹرانسپورٹ لائن سے وابستہ رہا تھا۔ وہاں اس کا پرانا تجربہ کام آیا۔ وہ بچیرو کے ٹول بکس میں سے جیک راڈ اور پیچ کس نکال لایا۔ ان اوزاروں کی مدد سے کام کی رفتار تیز ہوگئی۔

ویرا کی سفاکانہ تجویز تھی کہ گڑھے کو لمبا کرنے کے بجائے لاش کی ٹانگیں کاٹ کر اسے گڑھے میں ٹھونس دیا جائے۔ ہم میں سے کوئی اس کام پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تک گیری زندہ تھا' میرا ناپسندیدہ شخص تھا لیکن ہلاکت کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی کرنا مناسب نہ ہوتا۔

سرسری طور پر وہ کام جتنا آسان نظر آرہا تھا' عملی طور پر اس سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ تقریباً پون گھنٹے کی کڑی محنت کے بعد جب ہم تینوں تھک کر پسینوں میں نہا گئے تب وہ گڑھا اس قابل ہوا کہ اس میں لاش اتاری جاسکے۔

انسان جب تک زندہ رہتا ہے' اپنی ذات کے فسوں میں ایسا گرفتار رہتا ہے کہ دنیا کی کسی شے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مال وزر اور آرام و آسایش کے حصول کی دوڑ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی راہ میں آنے والوں کو کچل کر آگے بڑھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اس زندگی کا آخری انجام ہمارے سامنے تھا۔ گیری کا رسوخ اس کے کام آیا تھا نہ شہ زوری اسے بے بسی کی موت سے بچا سکی تھی۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کمایا تھا' وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس منزل پر اتنا تہی دست اور تہی دامن تھا کہ اسے ڈھنگ کی تدفین بھی نصیب نہیں ہوسکی تھی۔

لاش کو گڑھے میں ڈال کر میں نے ویرا کے اسکارف کا غور سے معائنہ کیا۔ اس پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو اس کا سراغ ثابت ہوسکے۔ لاش گڑھے میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ اسے ہلانا جلانا مشکل تھا۔ اسے پہلو کے بل لٹانے کے لیے گڑھے کو مزید کئی انچ گہرا کرنا پڑتا جو ہم تینوں کے بس سے باہر تھا۔ میں نے اسی حالت میں گیری کے چہرے پر ویرا کا اسکارف ڈالا اور اس پر مٹی گرانی شروع کردی۔

مٹی ڈالتے ہوئے ہم محتاط تھے کہ ہمارے چہرے اور کپڑے زیادہ گرد آلود نہ ہوں۔ ساری مٹی پھیلانے کی کوشش میں اس مقام پر ایک نمایاں ابھار پیدا ہوچکا تھا۔ اس وقت ویرا نہ جانے کس رو میں تھی کہ اس نے بچیرو کے ٹائروں سے اس مقام کو ہموار کرنے کا مشورہ پیش کردیا۔ اس بربریت کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ ہر ایک کی بس اتنی سی خواہش تھی کہ جنگلی درندے دو تین روز تک اس نرم زمین کو ادھیڑ کر گیری کی لاش باہر نہ کھینچیں۔

گاڑی میں موجود کولر کے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھونے میں غزالہ نے ہماری مدد کی۔ وہاں سے تازہ دم ہوکر ہم گاڑی میں سوار ہوئے تو ویرا نے واپسی کے راستے کا مسئلہ کھڑا کردیا۔ لاش کی جبری تدفین کے کام میں الجھ کر کسی کو ہوش نہیں رہا تھا کہ ہم کدھر سے آئے تھے۔

اس مرحلے پر غزالہ نے گاڑی سے اتر کر ٹائروں کے نشانات دیکھے اور ان کے سہارے ہمارا قافلہ سڑک کی طرف روانہ ہوگیا۔ چند منٹ میں ہم دوبارہ سڑک پر محوِ سفر تھے۔

راستے میں چھوٹی موٹی آبادیاں آتی اور گزرتی رہیں۔ ہر جگہ خواب ناک سناٹا نظر آیا۔ راستے میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں رک کر ستایا جاسکے۔ کچے پکے مکانات' جھونپڑیوں اور ٹمٹماتی ہوئی روشنیوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اصل تھائی لینڈ وہی ہے۔ بنکاک اور دوسرے مشہور تفریحی مقامات کا سجا سجایا چہرہ سیاحوں کی دل بستگی کے لیے تیار کیا گیا تھا' جس کی اس ملک کی حقیقی معاشرت اور معیشت سے دور کی بھی نسبت نہیں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان تفریحی مقامات کے لیے زندہ خام مال ان قریبی آبادیوں سے ہی فراہم کیا جاتا تھا۔

بسکٹوں کے پیکٹ کھول کر تھرموس سے گرم گرم چائے پیتے ہوئے ہم سب کے دلوں سے چاؤفان کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں جس نے اس اکتا دینے والے سفر کے لیے ہماری ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔

چائے نوشی کے بعد میں نے سگریٹ سلگالی۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے بعد ویرا نے ایک بار بھی سگریٹ نہیں سلگائی تھی جبکہ اپنی عادت کے مطابق اسے اتنی دیر میں چار پانچ سگریٹیں پھونک دینی چاہیے تھیں۔ مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کو سگریٹ پیتی ہوئی عورتیں زہر لگتی تھیں۔ وہ انہیں مرد مار بلکہ مرد خور تصور کرتا تھا۔ مجھے شبہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہو رہا تھا کہ اس کی سخت ناپسندیدگی کی وجہ سے شاید ویرا نے اپنی وہ عادت ترک کر دی تھی۔ وہ مسئلہ اتنا نازک تھا کہ اسے مذاق کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں شدید خواہش ہونے کے باوجود اس بارے میں ویرا سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

سفر کی ابتدا سے ہی میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔ سکون میسر آیا تو مجھے یاد آیا کہ ویرا مسلمان ہو چکی تھی اور اس نے مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر لیا تھا۔ سلطان شاہ ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ ویرا کی موجودگی میں سلطان شاہ سے اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں تھی۔ وہ کوئی تلخ بات کہہ جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ویرا کی طرح اس سے بھی علیحدگی میں بات کی جاتی۔ اس کے لیے ہمارا سفر ختم ہونے کا انتظار ضروری تھا۔

ویرا نے ہمارا سفری نقشہ غزالہ سے لیا تو لوٹانے کے بجائے اس پر قبضہ کر کے بیٹھ گئی۔ وہ وقفے وقفے سے اس کا جائزہ لے کر اعلان کر رہی تھی کہ ہمارا سفر صحیح سمت میں جاری تھا۔ ہم جن نشانات یا آبادیوں سے آگے نکل آئے تھے' وہ انہیں نقشے پر کاٹتی جا رہی تھی تاکہ ایک نظر میں بقیہ مسافت کا اندازہ ہو سکے۔

نقشے کے مطابق آخری منزل میں ہمیں مشرق کی طرف بڑھتے چلے جانا تھا۔ رفتہ رفتہ سامنے پوپھٹنے کے آثار نظر آنے لگے۔ صبح ہونے والی تھی اور ہم بہ دستور تھائی لینڈ کی حدود میں تھے۔ اس وقت ویرا کو اچانک موبائل فون کا خیال آیا۔ میں نے بٹن دبا کر اس کی اسکرین روشن کی تو سگنل کا اشارہ غائب تھا۔

بنکاک میں دنیا کی ہر سہولت اور آسایش میسر تھی لیکن تھائی لینڈ کا وہ دور افتادہ سرحدی علاقہ اس وقت بھی موبائل فون جیسی سہولت سے محروم تھا۔ اس وقت ڈان یا چاؤفان کا نمبر ملانے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی' لے دے کر طارق ہی ایسا شخص تھا جس کی نیند میں خلل ڈال کر ذرا سی معذرت کر لی جاتی تو کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہوتا۔

میں نے طارق کا نمبر ملایا لیکن لائن پر سکوت چھایا رہا۔ وہاں آنے کے بعد ہمارا مقامی موبائل فون ناکارہ ہو چکا تھا۔ اوّل خان کے دیے ہوئے فون کے بارے میں مجھے امید تھی کہ تھائی لینڈ کے لیے رومنگ موجود ہونے کی وجہ سے وہ شاید کمبوڈیا میں بھی کارآمد رہے۔

سات بجے سورج کی تیز روشنی میں ہم ساکیو نامی آخری قصبے کے قریب سے گزرے تو اندازہ ہوا کہ ہم گیری کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی افتاد میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے تو ہمارا سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد ہمیں لکڑی کے ٹیڑھے میڑھے کھمبوں سے لگی ہوئی خاردار تاروں کی باڑ نظر آنے لگی جہاں تھائی لینڈ کی سرحد ختم ہو رہی تھی۔ اس باڑ کے درمیان ایک رسمی سی عارضی رکاوٹ موجود تھی۔ اس سرحدی شان و شوکت کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا جو دا ہگہ پر سرحد کے دونوں طرف نظر آتی ہے۔

سرحدی باڑ سے کچھ پہلے ٹین کی چھت والا ایک پختہ کمرا بنا ہوا تھا جس پر تھائی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ آویزاں تھا۔ دور سے وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈھیلی ڈھالی وردی میں ملبوس ایک مدقوق سا آدمی باہر نکل آیا۔

غزالہ نے اسے دیکھتے ہی سو سو ڈالر کے چند نوٹ مجھے تھما دیے۔

صورت سے نظر آ رہا تھا کہ سرحدی ویرانے میں دنیا سے کٹ کر ڈیوٹی سرانجام دینے والا وہ شخص اپنی زندگی سے بے زار تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔ میں اس سے پہلے رفتار کم کر چکا تھا۔

اس کے پاس گاڑی روک کر میں نے ادب سے اپنے سر کو ذرا سا خم دیا اور تین نوٹ مٹھی میں دبا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نوٹوں کی مالیت پر ایک نظر ڈالی اور گننے کی زحمت کیے بغیر انہیں اپنی جیب میں اڑس لیا۔ ہمارے چہروں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تھائی زبان میں کہا جانے والا ہر کلام نرم و نازک ہم پر بے اثر رہے گا۔ وہ زبان ہلائے بغیر مست خرامی سے رکاوٹ کی طرف چل دیا۔ میں گاڑی روک کے اس کی ہدایت کا انتظار کرتا رہا۔

اس نے رسی سے بندھا ہوا بانس کا سرا کھولا تو وہ دوسرے سرے پر بندھے ہوئے بھاری پتھر کے بوجھ سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ بانس کو دوبارہ نیچے لانے کے لیے اس نے رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی کے انجن کی آواز کے باوجود اس نام نہاد امیگریشن چیک پوسٹ سے کوئی اور شخص باہر نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تھائی لینڈ کے حکمرانوں نے اس اکلوتے شخص کو جملہ اختیارات سونپے ہوئے تھے۔

اس نے اشارہ کیا اور اگلے لمحے میں ہم تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ تین سو ڈالر میں وہ سودا برا نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے خیال تھا کہ رکاوٹ سے گزر کر ہم اس غیر جانب دار سرحدی پٹی سے گزریں گے جس پر دونوں میں سے کسی ملک کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

جب آگے بڑھے ہوئے زیادہ خستہ حال کمرے کی اوٹ سے ایک شخص کچھ چباتا ہوا نمودار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہاں نومینز لینڈ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ رسی سے بندھے ہوئے بانس نے اس خطۂ زمین کو دو الگ الگ ملکوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

میں نے اس کے قریب گاڑی روکی تو اس نے کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال کر پھرتی سے انجن بند کیا اور چابی اپنی تحویل میں لے لی۔ میں نے پچھلے تجربے کے مطابق سو ڈالر کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنے منہ میں موجود خوراک کو نگلتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا لیکن اس نے نوٹوں کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور دماغ پر یہ وحشت سوار ہوگئی کہ شاید ہمارا واسطہ کسی ایمان دار کمبوڈین اہلکار سے پڑ گیا تھا۔

وہ کوشش کے باوجود اپنا دہانہ پوری طرح خالی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ میری بے چارگی کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے ہاؤ مچ کہا تو میری جان میں جان آئی۔

میں نے اسے تین سو ڈالر بتائے تو اس کا منہ بن گیا۔ انگریزی کے معاملے میں وہ بے چارہ بالکل یتیم تھا۔ اسے لین دین میں استعمال ہونے والے گنے چنے الفاظ اور گنتی کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں جملہ الفاظ اور متعدد ہندسوں کو یک جا کر کے تے کرنے کے انداز میں ایک مختصر سی تقریر کر ڈالی جس کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

میں اس سے اپنی کم علمی بلکہ جہالت کا اعتراف کرنے والا تھا کہ پیچھے سے ویرا بول پڑی۔ اس نے جلدی جلدی بتایا کہ وہ ایک ہزار ڈالر فی کس کے حساب سے مبلغ چار ہزار ڈالر کا طلب گار تھا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ میں مطلوبہ رقم دے کر اس کا منہ کالا کروں۔ ڈالر کم ہوں تو اس سے لے لوں۔ وہ مول تول سے چڑ کر قانونی موشگافیوں پر اتر آیا تو ہم لبِ سرحد ہی درگور ہو جائیں گے۔

چاؤفان نے مجھے کمبوڈیا میں داخلے کی رشوت کی شرح سو ڈالر فی کس بتائی تھی۔ وہ شاید دونوں طرف کے مقامیوں کے لیے رعایتی شرح تھی۔ ہم چاروں واضح طور پر بیرونی مخلوق نظر آ رہے تھے۔ دکان دار سے سرکاری اہلکار تک باہر سے آنے والوں کی کھال ادھیڑنا اور اپنا حق طلب کرنا اپنا اخلاقی اور قومی فرض تصور کرتے ہوں گے۔ ہمارے لیے وہ شرح یکا یک دس گنا بڑھا دی گئی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ہم کسی خستہ حال گاڑی کے بجائے شاندار پجیرو میں سفر کر رہے تھے۔

ویرا نے مشورہ دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ڈالر گننا شروع کر دیے تھے۔ کمبوڈین اہلکار کی حریصانہ نظریں میرے چہرے سے ہٹ کر ویرا کے ڈالروں پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

اس نے گنتی کرنے کے بعد نوٹ میری طرف بڑھائے۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے کمبوڈین نے وہ گڈی جھپٹ لی۔ ساتھ ہی اس نے میری چنگی سے تین سو ڈالر بھی اچک لیے اور چابی میرے حوالے کر کے ہمیں اپنے ملک کے طول و عرض میں گھومنے پھرنے کی اجازت عطا کر دی۔

تھائی اہل کار کی طرح اس نے بھی نوٹ گنے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ تاروں کی ایک معمولی باڑ کے آر پار نرخوں میں ایسا زمین آسمان کا فرق تھا۔ ترقی یافتہ شہروں کے مقابلے میں دور دراز اور پس ماندہ سرحدی علاقوں کے وہ طور طریقے میرے لیے حیران کن تھے۔

''تیزی سے نکل چلو۔'' ویرا نے میری پشت پر ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس مردود کو صرف ہزار ڈالر دیے ہیں۔ اس نے گن لیے تو تمہیں روک لے گا۔''

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

سرحد پار کرنے کے چکر میں ہم مجموعی طور پر ایک ہزار چھ سو ڈالر کے خسارے سے دو چار ہو چکے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بڑی رقم تھی۔ ہم حالات کے چنگل میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا تو ہم وہ بھی ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

یہ بڑی بات تھی کہ اس رشوت کے عوض ہم سے ہمارے کاغذات کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا نہ مسروقہ گاڑی کی ملکیت کا ثبوت طلب کیا گیا۔ ہم اپنے ساتھ چوری کی ایک بیش قیمت گاڑی کمبوڈیا میں لے آئے تھے جسے سرحدی چور بازار میں بیچ کر ہم آسانی سے اپنا نقصان پورا کر سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑاتا اس نوجوان کا شغل ہوگیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیسرا سلسلہ۔ آئیے نوجوان کو سرخرو کرنے والوں کی تصویریں

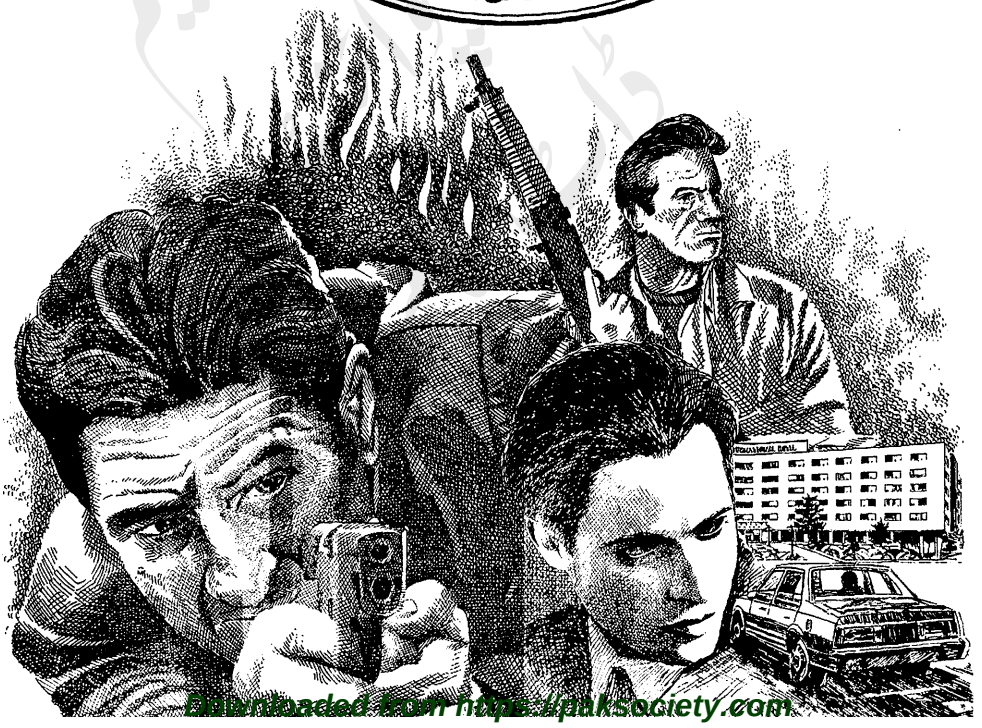

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے پھندے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغرب، معاشرے کو بیرونی کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے تحت زیر منصوبوں کے تحفظ کے لیے خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کے ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوالگ نوٹا کی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے انڑو سروخ کی بدولت بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کا پیس کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مستوجب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسکر گرم مہم تھی اور اس کی پشت پناہی کویرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہبراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل نے کروایا تھا۔ ناکامی کے بعد وہ معانی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہبراج نے ہمیں بہت دولایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدار اس کا سب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا مشترکہ تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوہبراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بڑی پرسخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلیجر میں بم رکھا کے کرائے۔ اسی دوران سوہبراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوہبراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوہبراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوہبراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کی ٹریفک سسٹم کے باعث مجھے سوہبراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں کھینچ کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں میری سرانشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھاوا کیا لیا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنا ہی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کوتباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اسے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مخاصمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ سمجھا نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی تہ خاک کر دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اکنشیں فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی ہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی ناکی ایک عورت راجن کی بوٹ کے قتلے میں ہم لگانے پر آمادہ ہوئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام سٹیرو خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ بادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں بادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس شخص کے چھ مور بد معاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بد معاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اتر اہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کار کردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جارہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے بجٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگادی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤ فان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آکر میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ جب تک میں بنکاک میں موجود ہوں ڈان اسے اپنا دست راست نہیں بنائے گا جبکہ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد ڈان مجبور ہو گا کہ اسے آگے لائے اور اپنا نمبر دو بنا ڈالے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ ڈان کے خلاف میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ سے کمبوڈیا جانے کا تھا۔ دوسری طرف ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت پروان چڑھ چکی تھی پھر اچانک ویرا نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے مجھے ششدر کر ڈالا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ سلطان شاہ سے شادی پر آمادہ ہے۔ یہ حقیقی خوشی تھی جوان ناگفتہ حالات میں مجھے ملی تھی۔ ہمارے فرار کا منصوبہ تیار تھا۔ ڈان کے اپنی حیثیت کی بحالی کی خوشی میں پارٹی کا بندوبست کیا تھا۔ مجھے وہیں سے اسے جل دے کر نکلنا تھا۔ پارٹی زور دار تھی اور اس میں کرنل گیری بھی موجود تھا۔ میرا اس سے تعارف ہوا وہ مجھ سے ڈینی کے حوالے سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہم وہاں سے نکلے تو راستے میں اس سے مذبھیڑ ہو گئی اس کی موت اسے ہمارے راستے میں لے آئی تھی۔ اسے واصل جہنم کر کے ہم نے سلطان شاہ اور ویرا کو ساتھ لیا اور کمبوڈیا کی طرف روانہ ہو گئے۔

آخری قسط کے واقعات

مشرق بعید کے اس حصے میں ترقی اور خوش حالی کے سارے مظاہر میکڑوں میل پیچھے رہ گئے تھے۔ جو چمک دمک بنکاک میں نظر آتی تھی۔ وہ شہر سے نکلنے کے بعد عنقا ہو گئی تھی۔ ہر طرف کچے پکے مکانات دیہاتوں کی صورت میں بکھرے ہوئے نظر آئے جن کے درمیان کہیں کوئی پرشکوہ عمارت یا یادگار نمایاں نہیں تھی۔ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے اس علاقے کی پس ماندگی کا احساس اور بھی نمایاں ہو رہا تھا کیونکہ تاریک آبادیوں میں کہیں کہیں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ وہاں بیشتر علاقوں میں بجلی تک دستیاب نہیں تھی۔ ہم بنکاک سے جوں جوں دور ہوتے چلے گئے، تھائی لینڈ کی ترقی کا تصور دھندلاتا چلا گیا۔ اس ملک میں اگر کوئی تعلیمی یا معاشی ترقی ہو رہی تھی تو اس کے ثمرات صرف اس اشرافیہ تک محدود تھے جس کے نمایندوں کو ہم ڈان کی محفل طرب ونشاط میں ہوش وخرد سے بے گانہ ہو کر حیوانی جبلتوں کی تسکین میں مبتلا چھوڑ آئے تھے۔ دور افتادہ مقامات پر رہنے بسنے والے عام لوگ ترقی کے فیوض سے نا آشنا تھے۔ دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح تھائی لینڈ میں بھی گنے چنے امرا اور سرکاری اہل کار پھل پھول رہے تھے۔ کرپٹ اہل... کاروں اور حریص اشرافیہ کی بد معاشی سے حاصل ہونے والی معاشی ترقی کو بھی شاریاتی گورکھ دھندوں میں الجھا کر پورے ملک کے باشندوں کی ترقی کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا۔

سرحد پار کرنے کے بعد ترقی کا رہا سہا تاثر بھی جاتا رہا۔ طویل مدت تک خانہ جنگیوں اور جنگی آزمایشوں میں مبتلا رہنے والے کمبوڈیا کا دور افتادہ سرحدی علاقہ غربت اور پس ماندگی کی عبرت اثر تصویر پیش کر رہا تھا۔ دھان پان جسموں اور بوسیدہ لباسوں والے کمبوڈین دہقان اپنی زبانِ حال سے وہ سب بتا رہے تھے جو کسی خبر یا رپورٹ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتا تھا۔

زمین پر بانس کی رکاوٹ کی صورت میں بنی ہوئی سرحدی لکیر سے ہمارا فاصلہ بڑھتا رہا۔ کچھ دیر تک ویران علاقے میں سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

ویرانے بنکاک سے سفر کی ابتدا میں غزالہ سے نقشہ لے کر اس پر یوں قبضہ جمایا تھا کہ کسی اور کو اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ راستے بھر اس سفری نقشے کا جائزہ لے کر گاہے گاہے مشورے دیتی رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ

Downloaded from https://paksociety.com

کرتے ہوئے اندازہ لگایا کہ چاؤ فان نے ہماری رہنمائی کے لیے نقشے پر سرخ لکیر نہ لگائی ہوتی تب بھی راستہ بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا، پھرانا خون سے آگے صرف ایک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سڑک سرحد تک چلی آئی تھی جس سے راستے میں جا بہ جا بہت سے کچے راستے ملے ہوئے تھے۔ اس اکلوتی سڑک پر بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آبادی کے موہوم سے آثار نظر آتے ہی ویرا نے نعرہ لگایا کہ ہم سیسو پھون پہنچنے والے تھے۔

''اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے۔ سفر کرتے ہوئے دیر سویر ... اس قصبے کو آنا ہی تھا۔'' سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''اس طرح سپاٹ انداز میں سوچو گے تو زندگی اور موت کی بھی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ ویرا نے چڑنے کے بجائے متانت سے جواب دیا'' زندگی ایک مخصوص عمل کے نتیجے میں جنم لیتی ہے اور ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ ایک دن مرنا ہوتا ہے۔ تمہاری سوچ کے مطابق کسی کے پیدا ہونے یا مرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔''

''یہی اس زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے جسے ہم زندگی بھر بھولے رہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔

''آخری وقت سامنے آتا ہے تو ہم یکا یک صدمے اور دہشت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔''

''یہ معاملات اتنے سہل اور سیدھے نہیں ہیں جتنا تم بیان کر رہے ہو۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے تبصرہ کیا'' تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ راجن اور گیری کے مرنے پر مجھے کیسی خوشی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی ڈینی کے دل سے پوچھو کہ اسے باپ بننے کی خبر سن کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

ویرا شاید دلوں کے بھید جان لیتی تھی۔ اس نے وہ بات کہہ ڈالی جو میں سوچنے کے باوجود اپنی زبان پر نہیں لا سکا۔ زندگی اور موت کا فلسفہ اتنا غیر اہم نہیں تھا جتنا سلطان شاہ نے بتایا تھا۔ مجھے غزالہ کی کوکھ میں پنپنے والی نئی زندگی کی اس سے کہیں زیادہ خوشی تھی جتنی اپنے مضبوط حریفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے حاصل ہوئی تھی۔

ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی، میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ اگر دشمنوں سے جاں گسل معرکہ آرائی کے دوران ہمارے گھر کوئی نومولود آ گیا تو اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا بہت صبر آزما حالات میں کی تھی۔ باپ کے سائے سے محرومی کے بعد سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے ستم جھیلے، گھر سے در بدر ہوا اور ان ہی حالات میں اپنی سگی ماں کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ میری زندگی کا سیاہ ترین دور تھا جب آسمان مجھے اپنا دشمن نظر آ رہا تھا اور زمین مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔

اپنا آبائی شہر لاہور میرے لیے اجنبی ہو گیا جہاں دور دور تک مجھے ایسی کوئی سایہ دار ہستی نظر نہیں آتی تھی جس کی محبت اور شفقت کے سائے میں' میں زندگی کی کٹھن راہیں حوصلہ مندی سے طے کر سکوں۔

ماں اور باپ کو کھو دینے کے بعد انسان دنیا میں کس طرح خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ مجھے اس کا خوب تجربہ تھا۔ اس ہولناک اور اندر سے توڑ پھوڑ دینے والے تجربے کے بعد میں تہی دست کراچی آیا اور اس شہر نے مجھے قبول کر لیا۔

شی میں میری شمولیت مجھے ایک تازہ خواب کی طرح یاد تھی۔ ہیروئن کس طرح بازار میں متعارف ہوئی اور گھر گھر پھیلتی چلی گئی، میں اس عمل کا عینی شاہد بلکہ اہم کارگزار تھا۔ میرے سامنے انتخاب کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میری مفلسی اور مجبوریوں کی بھاری قیمت تھی جو میں نے آسان جان کر خوشی سے ادا کی پھر میں شی کی مقامی تنظیم میں ایک اہم رتبے تک پہنچ گیا۔

شاید میں عمر بھر اسی رو میں بہہ کر ایک خطرناک منشیات فروش کے طور پر اپنی زندگی کا سفر گزار کر کسی بھیانک انجام سے دوچار ہوتا مگر میرا ضمیر زندہ تھا، دل و دماغ کے نہاں خانوں کے کسی گوشے میں خیر و شر کی تمیز موجود تھی جسے میں نے اپنی مجبوریوں کے تحت تھپک تھپک کر سلا دیا تھا مگر وہ میرے وجود میں اندر ہی اندر جاں پکڑتی رہی۔

جب اوپر والوں نے میرے جگری دوستوں اور شی کے بااثر کارندوں کو نگلنا شروع کیا تو میرے وجود پر شر کی گرفت کمزور ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گناہ فروشوں سے میری کھل کر ٹھن گئی۔ وہ میرے ملک میں میرے ہم وطنوں سے موت کی سوداگری کر رہے تھے۔ بھاری مول لے کر انہیں وہ زہر بیچ رہے تھے جو انسان کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیتا ہے اور ایک روز ہیروئن کا عادی کسی کوڑا گھر میں، گندے نالے کے کنارے یا فٹ پاتھ پر خاموشی سے مر جاتا ہے۔ بدنامی کے خوف سے ان کے گھر والے ان خستہ حال لاشوں کے قریب نہیں آتے۔ عبدالستار

Downloaded from https://paksociety.com

ایدھی کے رضا کاران لاوارث لاشوں کو خاموشی سے کفن دے کر کسی گورستان میں دفن کر دیتے ہیں۔

موت کے سوداگروں سے میری لڑائی قدم قدم پر جاری رہی۔ میں نے دور دراز سفر کر کے جگہ جگہ ان کے بڑے مفادات کو اس طرح تباہ کیا کہ شی کو پالنے والا امریکی صدر وائٹ ہاؤس کی چار دیواری میں شی کے بانی جمی لائیڈ کو سفاکانہ انداز میں مروانے پر مجبور ہو گیا۔

جمی لائیڈ کی پُراسرار ہلاکت شی کی بربادی کی ابتدا تھی۔ اس کے جانشین ایک ایک کر کے میرے ہاتھوں مارے جاتے رہے پھر شی کا ذکر رفتہ رفتہ ناپید ہو گیا۔

وہ میرے ماضی کے گناہوں کا کفارہ تھا جو میں پورے خلوص سے ادا کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں یہ بھید کھلے کہ منشیات فروشی سے حاصل ہونے والی بھاری رقمیں امریکی ایجنسیوں کے ذریعے متعدد ملکوں کے خلاف استعمال ہو رہی تھیں جن میں پاکستان سرفہرست تھا۔

امریکی حکمراں پاکستان کو سرکاری طور پر اپنا دوست کہتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ اسے اہم اتحادی اور حلیف کا درجہ دے کر پاکستانی خواص کو خوش کرتے لیکن چوری چھپے ان کی ایجنسیاں پاکستان میں افراتفری اور انتشار پھیلانے کی سازشوں پر کاربند تھیں۔ انہیں ساری ہدایات وائٹ ہاؤس کے اس شیطانی گڑھ سے ملتی تھیں جہاں سے گہری دوستی اور قریبی مراسم کے اعلامیے جاری ہوتے تھے۔

میں دل و جان سے وہ لڑائی لڑ رہا تھا لیکن غزالہ کی زبان سے خوش خبری سنتے ہی میرے دماغ میں بہت سے سوال ابھرنے لگے تھے۔

ان سوالوں پر ایک حقیقت سب سے زیادہ بھاری تھی۔ میرے ساتھی ہمیشہ کہتے رہے تھے کہ کسی ریاست سے لڑ کر کوئی فرد نہیں جیت سکتا۔ فرد اپنی ذات میں اکیلا ہوتا ہے۔ ریاست کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہاتھ پیر ہوتے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے، وہ گرتا ہے تو تیسرا سامنے آجاتا ہے۔ مجھے یکا یک محسوس ہو رہا تھا کہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی ایک جنگ میں مصروف تھا۔ اس کا خاتمہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا کہ میرے دشمن مجھے مار دیں۔

مجھے مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا ایمان تھا کہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے جسے ٹالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ریل کی پٹری پر لیٹ کر کاتبِ تقدیر کے کرشموں کا انتظار کرنے والے پلک جھپکتے میں اپنی زندگی ہار جاتے ہیں کوئی ریل ان کو زندگی کے چند سانس عطا کرنے کے لیے پٹری چھوڑ کر کھیتوں اور میدانوں میں نہیں اترتی، وہ ان کے وجود کو کچل کر دندناتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرنے والے کی موت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اس کے عقل پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو ریل اس کے گھر کی خواب گاہ میں گھس کر اس کی زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتی تھی۔

میں کرشموں کا قائل نہیں تھا۔ تقدیر کے فلسفے پر میرا یقین بہت مضبوط تھا مگر میں تدبیر سے ٹالے جانے والے مصائب کو بے عملی سے جھیلنے کو حماقت سمجھتا تھا۔ اپنے دشمنوں سے بچنا اور انہیں خاک و خون میں نہلانا میرا حق تھا جسے میں پوری طرح استعمال کر رہا تھا لیکن فرد اور ریاست کی طاقت اور رسائی کا ادراک مجھے پہلی بار ہو رہا تھا۔

میں تنہا ان سے برسرِ پیکار تھا۔ میرے ہمدرد معذرت خواہانہ انداز میں چھپ چھپا کر میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میں اپنے دشمنوں کی سازشوں کے طفیل اپنے وطن میں اشتہاری مجرم بنا ہوا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی سلامتی کے لیے مجھے جلال اور اول خان کے مشوروں پر جلا وطنی قبول کرنی پڑی تھی۔ میں نے راجن اور پھر گیری کو جہنم واصل کر کے اپنے اہداف سے زیادہ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے باوجود میرے لیے وطن میں داخلے کی ہر راہ مسدود تھی۔

میں کہاں جاؤں..... میری اولاد کی جائے پیدائش کیا ہو گی..... اسے دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اپنے باپ کا سایہ نصیب ہو سکے گا یا اس کی پیشانی پر پیدائشی یتیم کا داغ لگا ہوا ہو گا..... وہ سب لرزا دینے والے سوال تھے۔

زمین پر خیر و شر کی لڑائی ازل سے جاری تھی اور اسے ابد تک جاری رہنا تھا۔ اس میں کسی ڈبنی کے شامل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ لڑائی اس وقت بھی جاری تھی جب میرا کہیں وجود نہیں تھا۔ میرے بعد بھی اسے ختم نہیں ہونا تھا۔ میری ذات محض ایک درمیانی کڑی تھی جس کے طفیل لڑائی میں ذرا تیزی آئی ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جگہ لینے والے اسے اور تیز کر دیتے۔

''تم کہاں کھو گئے!'' ویرا نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ مار کر میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے بارے میں ابھی کچھ کہا تھا۔''

''وہ تمہاری اور سلطان شاہ کی بات تھی۔ میرا کچھ کہنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''تمہارے دل میں گدگدیاں ہو رہی ہوں گی مگر ہم سے اپنے جذبات چھپا رہے ہو۔'' ویرا بولی ''ذرا تم سلطان شاہ کو بتاؤ کہ پہلی اولاد کی خوشی کیا ہوتی ہے۔''

''یہ جاننے کے لیے سلطان شاہ کی آڑ کیوں لے رہی ہو؟'' یکایک غزالہ بولی ''سننا ہے تو مجھ سے براہِ راست سنو کہ کسی بھی عورت کے لیے پہلی بار ماں بننے کا تجربہ بہت انوکھا، پرگداز اور باوقار ہوتا ہے ماں بن کر ہی ایک عورت کی ذات کی بھرپور تکمیل ہوتی ہے ورنہ وہ زندگی بھر بہت خاموشی سے اس محرومی اور اس سے پیدا ہونے والی بے شمار شکستیوں کو جھیلتی رہتی ہے۔ میری خواہش بلکہ دلی دعا ہے کہ تم بھی مستقبل قریب میں اس باعزت تجربے سے گزر سکو۔''

غزالہ نے موقع پاتے ہی ویرا پر بہت زبردست وار کیا تھا۔ اس کے فقرے اس قدر نپے تلے اور بھرپور تھے کہ ویرا سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا اور چند لمحوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ مجھے غزالہ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میں خود بھی لمحہ بھر کے لیے سناٹے میں آ گیا۔

سب سے پہلے میں نے سنبھالا لیا اور غزالہ کی بات کا سہارا لے کر ویرا سے کہا۔ ''یہ چھپانے والی باتیں نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں ہر لمحے کئی بچے جنم لیتے ہیں لیکن پہلی بار کسی نئے انسانی وجود کی پرورش کا تجربہ واقعی انوکھا ہوتا ہوگا۔ میں خود بھی اس خبر سے بہت خوش ہوں اولاد مرد اور عورت کے رشتے کو مضبوط کرنے کے ساتھ ان کی زندگیوں میں بے شمار چھوٹی چھوٹی مسرتیں لاتی ہیں۔ شادی ان خوشیوں کا پہلا سنگِ میل ہوتی.....''

''یہ مجھے کیا سنا رہے ہو!'' ویرا نے اچانک میری بات کاٹ دی ''معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خوشی میں کھو کر تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔''

ویرا کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی۔ مجھے یاد آ گیا کہ اس بارے میں اس سے بات کرنی بے سود تھی۔ وہ پہلے ہی مجھے اپنا سرپرست قبول کر کے فیصلے کا اختیار مجھے دے چکی تھی۔

میں نے پچھلا دن بہت مصروفیت میں گزارا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور ذہنی تکان کے بعد شام کو ہم ڈان کی پارٹی میں چلے گئے جہاں اس نے راجن کی غرق ہونے والی وائٹ ہاک کی ٹکر پر اپنے مہمانوں کے لیے طرب ونشاط کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں سے رات گئے ہمارے سفر کا آغاز ہوا جو اس وقت بھی جاری تھا۔

کم وبیش چوبیس گھنٹوں کی اس تھکن میں صرف ایک خیال نے ہم چاروں کو پوری طرح فعال اور متحرک رکھا ہوا تھا کہ ہمیں جلد از جلد ڈان کی دست رس سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہمارے فرار کی راہ میں کوئی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں میرا جسم پوری طرح چاق وچوبند تھا لیکن ذہن پر شاید کچھ تھکن طاری ہو چلی تھی جس کے نتیجے میں سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

''تم سن رہے ہو کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے.....!'' اس بار میرا اتخاطب سلطان شاہ سے تھا جو پیجیرو کی پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''سب سن رہا ہوں۔'' سلطان شاہ نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں۔ مجھے ان سے کیا لینا!''

''یہ ایک اصولی گفتگو ہے۔'' غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اس میں تم کو بھی دلچسپی لینی چاہیے کیونکہ شادی ان گنت خوشیوں کا پہلا سنگ میل ہوتی ہے اور اس سے نسلِ انسانی کو فروغ ملتا ہے۔''

''میں حیران ہوں کہ رات بھر کے تھکا دینے والے سفر کے باوجود تم لوگوں کو ایسی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس بار بھی سلطان شاہ کا انداز لاتعلقانہ تھا۔

''تھکن اور کوفت کے عالم میں ایسی باتیں دل کو خوش کرتی ہیں، ان سے جینے اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔'' میں نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم جلد از جلد سیسو پھون پہنچ جائیں اور مجھے ایک آرام دہ بستر مل جائے تاکہ میں چند گھنٹوں کی نیند لے کر اپنی تھکن اتار سکوں۔'' سلطان شاہ نے کسی بھی طرح گرفت میں نہ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

''تمہاری نیند ادھوری ہوگی۔'' غزالہ نے بات سے بات نکال لی۔ ''تمہارے مرد کے لیے خدمت گزار بیوی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ وہ سنگلاخ زمین کو بھی پھولوں کی سیج میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کیا چاہ رہے ہو۔'' وہ الجھے ہوئے اور ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ابھی ڈینی نے ویرا کو شادی کی افادیت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اب تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ تمہاری کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔''

غزالہ بے ساختہ ہنس دی اور بولی ''رات سے ہم تمہارے ہم سفر ہیں۔ سازش کیسے کرتے؟ یہ وقت بہت مناسب ہے۔ ہماری شادی مکاؤ میں ایک چینی مولوی کے

Downloaded from https://paksociety.com

ذریعے ہوئی تھی۔ تم چاہو گے تو ہم سیسو پھون میں کسی کمبوڈین قاضی کا بندوبست کرلیں گے۔''

''تم لوگ بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''تمہاری منطق کے مطابق ایک کافرہ سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔ ویرا پہلے بھی کافر نہیں تھی۔ اہلِ کتاب تھی۔ اب وہ مسلمان ہوچکی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سگریٹ نوشی میں بھی کمی آچکی ہے۔ اس قصے کو اب طے ہوجانا چاہیے۔ تم دونوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا بہت وقت برباد کرلیا ہے۔''

''شاید تم نے گاڑی کی رفتار اسی لیے کم کی ہے کہ تمہیں اس بارے میں بات کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔'' سلطان شاہ نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اپنی زبان کھولی ''یہ سن لو کہ اتنے اہم فیصلے یوں راہ چلتے نہیں کیے جاسکتے۔ ان کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''تم ہمیشہ یہی بہانہ لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ آخر تمہیں کتنا وقت درکار ہے؟'' غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تمہیں اپنے گاؤں سے کسی بڑے کے خط کا انتظار ہے..... تم خود کافی بڑے ہوچکے ہو، تمہیں مردانگی کے ساتھ اپنا فیصلہ خود کرلینا چاہیے۔''

''تم میری احمقانہ باتیں کررہی ہو.....'' سلطان شاہ چڑ کے بولا ''ہمارا کوئی گھر در ہے نہ ٹھکانا، پل پل میں ہم جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔ کیا ایسے حالات میں کسی سے خط کتابت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟''

''میرا بھی یہی مطلب تھا۔ جب کہیں سے مشورے کی امید بلکہ ضرورت نہیں تو اپنا فیصلہ خود کیوں نہیں کرلیتے!'' غزالہ اسے گھیرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''تم لوگوں کی اجازت ہو تو میں ذرا ہنس لوں.....!'' ویرا اجازت طلب انداز میں سنجیدگی سے بولی۔

اچانک انجن کے ہموار شور میں سلطان شاہ کی ایک دبی دبی سی بے ساختہ سسکی ابھری۔ مشینی انداز میں میری نگاہیں عقب نما آئینے پر گئیں تو وہ برا سا منہ بناتا ہوا، اچھل کر ویرا سے دور ہورہا تھا میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ ان دونوں کے درمیان ہلکے پھلکے تشدد آمیز رومانس کا آغاز حوصلہ افزا تھا میرا اندازہ تھا کہ ویرا نے اسے چٹکی لی تھی۔

سلطان شاہ کی وہ آواز غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اس نے شوخ اور دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ سلطان شاہ نے ویرا کی کوئی شکایت کی نہ ہم دونوں نے اس کی بے ساختہ آواز کے بارے میں کوئی سوال کیا۔

''تمہیں ہنسنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔

''تم پتھر کو جونک لگانے کی کوشش کررہے ہو۔'' ویرا نے جواب دیا ''میں نے اکیلے پن میں اتنی زندگی گزاری ہے، بقیہ بھی گزار لوں گی۔ رہا سلطان شاہ کا مسئلہ تو اسے بھی بھول جاؤ میں اس کی ذہنی گرہ کو شاید سمجھ رہی ہوں۔ کڑی پابندیوں میں بچپن گزارنے والے بہت سے مرد دنیا کی ہر عورت کو صرف ماں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، خلوت میں عورت کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں.....''

''یہ بکواس ہے۔'' سلطان شاہ غصیلی آواز میں غرایا۔ ''اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''اوہ! تم کیوں بھڑک رہے ہو.....'' ویرا نے استہزائی انداز میں اسے پچکارا ''میں تمہارا نہیں، مردوں کی ایک قسم کا عمومی تذکرہ کررہی تھی۔''

''اگر تمہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں تو فیصلہ کیوں نہیں کرلیتے۔ ایک بار اقرار کردو یا انکار کردو تاکہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے!'' میں نے کہا۔

''فیصلہ بھی ہوجائے گا۔'' سلطان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسے کسی کی کوئی بات بری لگ گئی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''مجھے نشانہ بنانے سے پہلے اپنی بی جمالو سے بھی پوچھ لو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔ ابھی کان دبائے تمہاری باتوں کے مزے لے رہی ہے، میں نے مشرق کہا تو یہ مغرب کو چل دے گی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ صرف مجھے دبانے سے تم دونوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوسکے گا۔ یہ محنت رائیگاں جائے گی۔''

''اس پر مجھے پورا بھروسا ہے کہ وہ میرے حکم کو نظر انداز نہیں کرے گی۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے کچھ کہا تو بے چون وچرا اسے مان لے گی۔''

''میں نے اپنی کشتیاں جلا کر تم لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔'' ویرا بولی ''میں اپنے وطن گئی تو میری بقیہ عمر کسی جیل میں گزرے گی۔ میرے ہم وطن میری آزادی بلکہ جان کے دشمن ہوچکے ہیں۔ میرے پاس تمہاری بات ماننے کے سوال کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''اب بولو!'' غزالہ نے قدرے نرم لہجے میں سلطان شاہ کو للکارا۔

''تم کہہ رہے تھے کہ کمبوڈیا میں جلال ہم سے ملنے کے

Downloaded from http://paksociety.com

لیے آئے گا۔'' سلطان شاہ نے راستے میں ہونے والی گفتگو کے حوالے سے یکا یک ایک عجیب سوال داغ دیا۔

''میں نے صرف امکان ظاہر کیا تھا۔'' میں نے وضاحت کی ''میں نے اسے آنے سے منع کیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی ہمارے نئے پاسپورٹ لے آئے۔''

''کاش! وہ خود آجائے میں اس سے مشورہ کر کے تمہیں اپنا فیصلہ سنادوں گا۔'' سلطان شاہ نے ایک بار پھر بات ٹال دی۔

''کسی کو اپنے اوپر بھروسا نہ ہو تو وہ اسی طرح لنگڑے لولے سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

''جو بے چاری اس کے پلے بندھے گی، نہ جانے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔''

''یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہی زیرِ غور ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تمہاری یہ جلی کٹی باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔''

''جلنے والے کو جلانا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ میری یہی بات کہیں لکھ لو کہ تم زندگی بھر غور کرتے کرتے سلطان شاہ غوری بن جاؤ گے، اپنا فیصلہ نہیں کرسکو گے۔ جلال آگیا تو تم کوئی نیا عذر تلاش کرلو گے۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اسی وقت انکار کردوں'' سلطان شاہ نے اسے ڈرایا۔

''وہ بھی ایک فیصلہ ہوگا جو تمہارے بس سے باہر ہے۔'' بات کھل جانے کے بعد ویرا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر تل گئی تھی۔

''تم جو چاہو بکتی رہو، میں نے تمہاری طرف سے اپنے کان بند کرلیے ہیں۔'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔ اقرار نہ کر کے وہ انکار بھی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

ویرا سے براہِ راست گفتگو کے اس مرحلے پر انکار نہ کر کے اس نے میرا دل خوش کردیا مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ ویرا اس کے لیے گلے کی ہڈی بن گئی تھی جسے اگلنا یا نگلنا اس وقت اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا کی بہت سی عادات وصفات کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ دل وجان سے اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مثالی بیوی قسمت کی خوبی سے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتی ہے، بقیہ جوڑوں کو سمجھوتوں کے تحت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ اگر سمجھوتا کرنا ہی تھا تو ویرا اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوسکتی تھی۔

گھاس پھوس اور گارے سے بنے ہوئے پہلے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہمیں چند ننگ دھڑنگ بچے مٹی میں کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان سے کسی رہنمائی کی توقع عبث تھی۔ میری نگاہیں کسی مرد کی تلاش میں بھٹکتی رہیں اور ہماری پجیرو رینگتی ہوئی اس بے نام ونشان قصبے میں داخل ہوگئی جو ویرا کے پاس موجود نقشے کے مطابق صرف سیسو پھون ہوسکتا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ہماری شان دار گاڑی بچوں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بڑی اور نئی گاڑیاں سیسو پھون کے باسیوں کے لیے نئی چیز نہیں تھیں۔ وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جن علاقوں میں اسمگلنگ اور دوسرے غیر قانونی دھندوں کی بھرمار ہوتی ہے وہاں رہنے والے غربت کی سطح سے قدرے اوپر زندگی گزارنے کے باوجود سامانِ تعیش دیکھنے کے اس قدر عادی ہوجاتے ہیں کہ کچھ بھی انہیں اجنبی یا حیران کن نظر نہیں آتا۔ سب کچھ ان کے ہاتھوں یا نگاہوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔

اس اکلوتے مکان سے آگے بستی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، پختہ لیکن خستہ حال سڑک کے دونوں اطراف سے مکانات وغیرہ بنے ہوئے تھے جہاں زندگی کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ سڑک سے ان کچی تعمیرات کا فاصلہ اتنا تھا کہ سڑک چھوڑے بغیر کسی مکان یا دکان تک رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔

بستی کے سارے مکان پتھروں یا گارے کے بنے ہوئے تھے۔ چھتیں گھاس پھوس اور چٹائیوں سے ڈالی گئی تھیں، کہیں کہیں ٹین کی نالی دار چادروں کی چھتیں بھی نظر آرہی تھیں۔

''چلتے ہی جارہے ہو'' ویرا نے مجھے ٹوکا ''کہیں رک کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہاں کوئی از خود تمہاری رہنمائی کے لیے نہیں آئے گا۔''

''سب جاہل مقامی دہقان نظر آرہے ہیں۔'' میں نے کہا ''کوئی ڈھنگ کا آدمی نظر آئے جو انگریزی کے دو چار الفاظ سمجھ سکے تو میں گاڑی روکوں!''

''انگریزی سے واقفیت کا اندازہ چہرے پڑھ کر نہیں لگایا جاسکتا۔'' وہ بولی ''تم سڑک سے اتار کر گاڑی روکو گے تو بھیڑ جمع ہونا شروع ہوجائے گی۔ ان ہی میں کوئی انگریزی داں بھی نکل آئے گا۔''

''وہ کوئی ڈھنگ کی دکان نظر آرہی ہے۔ ہمیں وہاں رکنا چاہیے!'' غزالہ نے آگے دہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان سے دکان کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آیا کہ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ بنکاک میں خریداری کرنے کے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے بے چین تھی۔ اس وقت مجھے اس کی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی بے چینی کو ایک عورت کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے ہونے والے بچے کے لیے کچھ اہم خریداری کرنا چاہتی تھی۔

اس کی نشان دہی پر میں نے داہنی جانب دیکھا تو ایک بڑی سی دیوار پر رنگا رنگ تصویروں کے ساتھ نامانوس رسم الخط میں بہت کچھ لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ہم آگے بڑھے تو اس ساٹھ سترفٹ لمبی دکان کا بڑا سا دروازہ بھی نظر آ گیا۔ گھڑوں کی طرح اس کے در و دیوار بھی مٹی، گارے اور پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے تھے لیکن ہر رخ سے وہاں ایک قرینہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، اندر سے آنے والوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ موجود تھا۔

اس دور افتادہ کمبوڈین قصبے میں شوقیہ خریداری کی کوئی گنجایش نہیں تھی، مقامی باشندے کسی نہ کسی ضرورت کے تحت دکان کا رخ کرتے ہوں گے۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن نہ صرف دکان کھلی ہوئی تھی بلکہ وہاں خریداری بھی جاری تھی۔

میں نے گاڑی سڑک سے اتار کر اس دکان کے دروازے سے ذرا پہلے روک لی اور انجن بند کر کے گاڑی سے اتر گیا۔

باہر کے رنگ روغن کے مقابلے میں اندر کا سماں مایوس کن تھا۔ سامان سجانے کے بجائے زمین اور چوبی میزوں پر ڈھیر کیا ہوا تھا۔ اندر سے وہ مجموعی طور پر کوئی گودام نظر آ رہا تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہاں خریداروں کی بھیڑ میں دکان دار کون تھا۔

مجھے دکان میں گھس کر جائزہ لیتے ہوئے چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ پشت سے کسی نے سختی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک ادھیڑ عمر مقامی مجھے تیز عقابی نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس کی ہیئت دوسروں سے بہت مختلف اور عجیب تھی۔ اس نے نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ کثرت استعمال سے اس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑا ہوا تھا۔ اوپری دھڑ پر آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ پھنسی ہوئی تھی جس میں اس کا کسرتی جسم جھلک رہا تھا۔ دکان یا گودام میں دھوپ کا براہِ راست گزر نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ روشنی نہیں تھی لیکن اس نے اپنے سر پر بڑے چھجے والا ٹنکوں کا ہیٹ جمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سروں پر پڑی ہوئی گہری جھریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے ماہ و سال مسائل اور مصائب سے لڑ کر گزارے ہوں گے۔

اس نے نگاہیں چار ہوتے ہی مستفسرانہ لہجے میں اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتایا کہ میں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات کرنے سے قاصر تھا۔

''کہاں سے آئے ہو..... کسی کی تلاش ہے تمہیں.....؟'' اس نے مقامی لہجے میں صاف انگریزی بول کر مجھے حیران کر دیا۔

''بنکاک سے آئے ہیں، ہمیں سیسوپھون میں نان فینگ سے ملنا تھا۔ یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ لڑکیاں خریدنے آئے ہو.....؟''

میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''مسافر ہیں، نوم پنھ تک رہنمائی چاہتے ہیں۔''

''کاغذات کے بغیر سرحد پار کی ہے؟'' اس نے پھر سوال کیا اور مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ کچھ بتانے کے بجائے اس نے ہماری انکوائری شروع کر دی تھی۔

''کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو ورنہ ہم کسی اور کو تلاش کرتے ہیں۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''مجھے مطمئن کیے بغیر اب تم کہیں نہیں جا سکو گے۔'' اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ میرے ساتھ باہر آؤ۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی آئے ہیں.....؟''

''ہم چار ہیں..... دو مرد اور دو عورتیں!'' اس مرحلے پر کسی تصادم سے بچنے کے لیے میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے تیوروں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں بے خبری میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تھا۔

''اوہ.....! شان دار گاڑی میں آئے ہو۔ یہ تمہاری اپنی ہے؟'' دروازے سے ہماری گاڑی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے ساختہ کہا۔

''دوست!'' میں نے خون کا گھونٹ پی کر جواب دیا۔ ''فی الحال یہ ہماری اپنی ہے۔ ہم لمبے سفر سے آئے ہیں اور تھکے ماندے ہیں، ہمارا وقت برباد نہ کرو۔ ہمیں نان فینگ کا پتا بتا دو۔ ہمیں اس کے ایک گہرے دوست نے بھیجا ہے۔ تم نے ہمیں تنگ کیا تو ہم اس سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''تمہارے لیے وہ اجنبی ہوگا۔ اس کا نام پھوم فاٹ ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اوہو..... پھر تو تم میرے مہمان ہو!'' اس نے میرے دونوں شانے تھام کر مجھے تقریباً جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''تم صحیح جگہ پر پہنچے ہو۔ میرا نام نان فینگ ہے۔ میں ہر ایرے غیرے کو منہ نہیں لگاتا۔ اس راستے پر اکثر... خطرناک لوگ سفر کرتے ہیں۔ میں ان سے اپنا دامن بچاتا ہوں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو مجھے پھانسنے کے لیے نہ بھیجا گیا ہو..... اب یہ شک دور ہوگیا۔ بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی حریصانہ نظریں بار بار پجیرو کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''ہمیں کچھ دیر کے لیے ایک کمرا اور باتھ روم فراہم کردو۔ تازہ دم ہونے کے بعد ہم جلد از جلد نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔'' میں نے پجیرو میں اس کی دلچسپی بھانپتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''یہ مشکوک گاڑی ہے۔ جانے سے پہلے ہم اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔''

''دیری گڈ!'' وہ ستائیشی انداز میں بولا'' مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ گاڑی کا کوئی چکر ہوگا۔ میری دکان کے پچھلے احاطے سے یہ کھل کر تین چار گھنٹوں میں اس طرح غائب ہوگی کہ فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگاسکیں گے۔''

مجھے اس کی باتوں سے کچھ اشارے مل چکے تھے۔ تعارف بھی ہوگیا تھا۔ میں نے بے خوفی اور پورے اعتماد سے کہا'' پھوم فاٹ نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ تم ہر کام میں ہمارے مددگار ثابت ہوگے۔ ہمیں اس گاڑی کا کیا مل جائے گا؟''

''کئی سال پرانا ماڈل ہے۔ چار پانچ ہزار ڈالر مل جائیں گے۔'' اس نے پجیرو پر ایک بھرپور نظر ڈال کر بے پروائی سے کہا۔

''سرحد پر ہمیں زیادہ رقم مل رہی تھی!'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تمہیں میرے دوست نے کچھ سمجھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں تم سے زیادہ مول تول نہیں کروں گا۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ اڑس کر کہا۔ ''تمہیں اپنی گاڑی میں نوم پنہہ بھی لے جانا ہوگا۔ اس کی بھاری فیس ہوتی ہے۔ یوں کرتے ہیں کہ تم نقد چار ہزار لے لو۔ گاڑی میری ہوگئی۔ تمہیں حفاظت سے منزل تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ نان فینگ اس سودے میں چال بازی سے کام لے رہا تھا پھر بھی وہ میرے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ ہم نے سرحد پار کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کیا تھا اس سے زیادہ ہاتھ آرہا تھا۔ میں نے کسی تکرار کے بغیر آمادگی ظاہر کردی۔

اس وقت تک کہیں بیٹھنے یا ٹکنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ نان فینگ سے سارے مذاکرات کھڑے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے ایما پر میں گاڑی اسٹارٹ کرکے اس کی دکان کی پچھلی گلی میں لے گیا جہاں وہ ایک بھونڈا سا چوبی پھاٹک کھولے میرا منتظر تھا۔

گاڑی اندر جاتے ہی اس نے پھاٹک بند کردیا۔ وہ کچا صحن اتنا کشادہ تھا کہ یہ یک وقت وہاں دو تین گاڑیاں سما سکتی تھیں۔ وہاں کچی دیواروں کے ساتھ کچھ کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سیاہ تیل اور گریس کے بڑے بڑے' گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوگیا کہ نان فینگ نے پجیرو کو چند گھنٹوں میں غائب کرنے کا ذکر کرکے مبالغہ آرائی نہیں کی تھی۔

وہ کچا مکان قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ اگلے حصے میں نان فینگ کی دکان تھی۔ اس کی پچھلی دیوار کے ساتھ تین کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے دھوپ سے بچاؤ کے لیے پھوس اور بانسوں کا بنا ہوا مختصر سا برآمدہ تھا جس کے آگے صحن یا کھلا ہوا صحیح واقع تھا۔

ہم سب اپنا مختصر اسباب لے کر گاڑی سے اترے تو نان فینگ نے پُرتپاک انداز میں سب سے ہاتھ ملایا۔ اس وقت تک اس نے ہم میں سے کسی کا نام جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف یہ حوالہ کافی تھا کہ ہمیں بنکاک سے پھوم فاٹ نے اس کے پاس بھیجا تھا۔

وہ ہمیں وسطی دروازے سے ایک کمرے میں لے گیا تو اس کی دیواروں پر چپکی ہوئی موٹی موٹی چھپکلیاں دیکھ کر ویرا اور غزالہ پھریریاں لیتی ہوئی باہر آگئیں۔ ویرا نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھے گی۔

نان فینگ ان دونوں کے کراہت آمیز خوف سے خاصا محظوظ ہوا۔ اس نے بتایا کہ جنگلی چھپکلیاں کھانے سے اکثر زہر خورانی کا خطرہ رہتا تھا۔ اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے اس کمرے میں چھپکلیوں کی نرسری بنائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں سرخ چیونٹے، شہد کی مکھیاں اور کئی چیدہ چیدہ حشرات الارض کھلا کر پالتا تھا اور حسب خواہش انہیں اپنی خوراک میں استعمال کرتا رہتا تھا۔ وہ سب بے ضرر اور انسان دوست تھیں۔

چاؤفان چوہے کھانے کا شوقین تھا، نان فینگ چھپکلیوں

Downloaded from https://paksociety.com

کارسیا نکلا۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اگر دنیا کی ساری آبادی چوپایوں کا گوشت کھانے کی شوقین ہوتی تو تیز ترین افزائش نسل کے باوجود شاید دنیا سے صدیوں پہلے چوپایوں کی نسلیں فنا ہو چکی ہوتیں۔ ہر قوم اور خطے کی غذائی عادتیں جداگانہ تھیں جن کے سبب طلب اور رسد کا توازن برقرار چلا آرہا تھا۔

نان فینگ کی وضاحت چھپکلیوں کے مشاہدے سے زیادہ گھناؤنی اور کراہت انگیز تھی۔ وہ تقریر سن کر سلطان شاہ کا بھی منہ بن گیا۔ نان فینگ نے ہماری ناپسندیدگی کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں دوسرا کمرا دے دیا جس کی دیواریں صاف تھیں۔ پھوس کے چھپروں کے استعمال کے باوجود اس کی بنائی ہوئی چھپکلیوں کی نرسری اتنی محفوظ تھی کہ متصل کمرا اس مخلوق کے تصرف سے محفوظ تھا۔

وہاں نل کے پانی کا سرے سے رواج نہیں تھا۔ سیسو پھون کی غریب عورتیں قلیل معاوضہ لے کر قریبی ندی یا کسی کنویں سے ضرورت کا پانی گھر گھر پہنچا دیتی تھیں۔ وہ نان فینگ کا گھر نہیں، محض کاروباری اڈا تھا۔ اس کے آدمی دکان چلاتے تھے۔ وہ فاضل وقت میں عقبی کمروں میں اپنے حواریوں اور لین دین کے لیے آنے والوں کے ساتھ محفلیں جماتا تھا۔ اس کے بیوی بچے قصبے کے کسی اندرونی علاقے میں رہتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ رات گزار کر صبح سویرے دکان پر آجاتا جسے وہ سیسو پھون کا اکلوتا سپر اسٹور قرار دے رہا تھا۔

غزالہ نے بیٹھنے سے پہلے اس کمرے کے ہر کونے کھدرے کا جائزہ لے کر یہ اطمینان کرلیا کہ وہاں کوئی چھپکلی موجود نہیں تھی۔ کمرے میں فرش کو اس مہارت سے لیپا گیا تھا کہ وہاں گرد کا نام ونشان نہیں تھا۔ فرش پر ایک بڑا قالین بچھا ہوا تھا۔ دو دیواروں کے ساتھ بان سے بنی ہوئی چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ باہر بنے ہوئے غسل خانے کے باہر ایک بڑے ڈرم میں پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب ڈونگا اور بالٹی بھی موجود تھی جس میں ضرورت کے مطابق پانی لیا جاسکتا تھا۔

نان فینگ ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا اور ہم نے اردو میں تبادلۂ خیال شروع کردیا۔ ہمیں یہ اطمینان تھا کہ نان فینگ یا اس کا کوئی آدمی ہماری آوازیں سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ پائے گا۔

ہم بنکاک سے نکل آئے تھے لیکن ڈان کی طرف سے میں مطمئن نہیں تھا۔ سیسو پھون جیسے قصبے میں اس کے آدمی بہت آسانی سے ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ کمبوڈیا کا کوئی بڑا شہر ہمارے لیے محفوظ ثابت ہوتا جہاں رہنے اور بسنے والے انسانوں کے سمندر میں کسی کا سراغ لگانا آسان نہ ہوتا۔

ان تینوں کا ڈان برنارڈ سے براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے انہیں خطرات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ سب نان فینگ کے ٹھکانے پر رک کر رات بھر کے سفر کی تھکن اتارنے کے موڈ میں تھے جبکہ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

وہ تینوں میرے فیصلے سے واقف ہونے کے بعد کسل مندانہ انداز میں اِدھر اُدھر لیٹ گئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو حیرت میری منتظر تھی۔ پانچ مقامی لڑکوں کی ایک ٹولی نہایت تیزی سے ہماری بیجرو کو ادھیڑنے میں مصروف تھی۔ ٹائر، دروازے اور بونٹ سمیت بہت سے بڑے بڑے حصے اتارے جاچکے تھے۔ جن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ بیجرو کے قریب ایک ٹھیلا کھڑا ہوا تھا جس پر انجن سے الگ کیے جانے والے پرزے جمع کیے جارہے تھے۔ لڑکوں کی پھرتی بتا رہی تھی کہ کچھ دیر میں گاڑی کا انجن بھی باہر آجائے گا۔

آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی تمام نشستیں بھی نکالی جاچکی تھیں۔ ان پیشہ ور لڑکوں کو آسانی سے نکالے جانے والے ہر حصے سے پوری واقفیت تھی۔ نٹ، بولٹ اور پنوں سے جڑے ہوئے ہر حصے کو انہوں نے مہارت سے اتار لیا تھا۔ سامان کا ڈھیر لگانے کے بجائے ساتھ ساتھ کہیں اور پہنچایا جارہا تھا۔ ساری ویرانجن اور گیئر بکس وغیرہ اترنے کی تھی۔ اس کے بعد وہاں بیجرو کے کھوکھلے آہنی ڈھانچے اور چیسز کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

تیسرا کمرا کسی دروازے کے ذریعے دکان سے ملا ہوا تھا۔ میں غسل خانے سے لوٹ رہا تھا تو مجھے نان فینگ اس کمرے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو مقامی بڑے بڑے تھال اٹھائے چلے آرہے تھے۔ قریب جانے پر مجھے وہ تھال خورد ونوش کی اشیا سے بھرے ہوئے نظر آئے۔

نان فینگ نے ہماری مدارات کے لیے ناشتے اور کھانے کے جملہ لوازم یک جا کردیے تھے۔ ہمارے انکار پر اس کا اصرار غالب آیا۔ وہ دونوں تھال قالین پر ہمارے سامنے سجا دیے گئے۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہم شکم پری کے بعد فوری طور پر نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں تو وہ خاصا حیران ہوا۔ وہ کم از کم ایک رات کے لیے ہمیں سیسو پھون میں روکنا چاہ رہا تھا۔ مگر میں اس بارے میں اپنی ترجیحات کو خوب سمجھ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہوگیا کہ ہم روانگی کے لیے پابہ رکاب ہیں تو وہ سفر کی تیاری کرنے کے

Downloaded from https://paksociety.com

ارادے سے رخصت ہوگیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اشتہاء آمیز انداز میں کھانوں وغیرہ کا جائزہ لیا اور اسے جس ڈش میں کوئی لمبی شے نظر آئی' اسے الگ کردیا۔ اس چھان بین کی زد میں گوشت آنا ہی تھا۔ اس نے سبزیوں کے لمبے قتلوں کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ چند گنی چنی اشیا ہمارے سامنے رہ گئیں جن میں دال، روٹی، چاول اور چائے شامل تھی۔

بارہ بجے نان فینگ تروتازہ ہوکر لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے چار ہزار ڈالروں کا بندلفافہ نکال کر میرے حوالے کردیا۔

اس وقت تک سب کچھ بہت آسانی سے ہوتا چلا جارہا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں نان فینگ سے نوم پنہہ کے ہوٹلوں کے بارے میں بات چھیڑی تو اس نے بتایا کہ وہاں صرف کوئین ہوٹل ہی اس قابل تھا کہ وہاں کے سنجیدہ ماحول میں خواتین کے ساتھ قیام کیا جاسکے۔ بقیہ صرف نام کے فائیو اسٹار ہوٹل تھے وہاں بے فکری سے نہیں رہا جاسکتا تھا۔

ہم بنکاک سے بہ خیر وخوبی نکل آئے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ اسی طرح ہم سیسو پھون بلکہ کمبوڈیا سے بھی جلد از جلد نکل جائیں تاکہ ڈان کی طرف سے کسی بے جا رخنہ اندازی کا خوف سرے سے دور ہوجائے۔ اس کا انحصار ہمارے نئے پاسپورٹوں کی آمد پر تھا۔ جو جلال یا اس کے کسی آدمی کو لے کر آنا تھا۔

نان فینگ سے نوم پنہہ کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں نے ارادہ کرلیا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہم نان فینگ کو دھوکا دینے کے لیے عارضی طور پر کسی بھی ہوٹل میں پڑاؤ ڈالیں گے اور اس سے گلوخلاصی ہوتے ہی پہلی فرصت میں کوئین ہوٹل منتقل ہوجائیں گے۔

وقت کے زیاں سے بچنے کے لیے میں نے اسی وقت جلال کو اپنے پروگرام سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ تھائی لینڈ کے سرحدی علاقے میں آتے آتے ہمارے موبائل فون بے جان اور ناکارہ ہوچکے تھے۔ بیٹریاں چارج ہونے کے باوجود سگنلز غائب تھے۔ میں نے نان فینگ سے کسی انٹرنیشنل فون کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے تیسرے کمرے سے گزار کر اپنے نام نہاد سپر اسٹور میں لے گیا جہاں ایک گوشے میں چوبی تخت پر گرد آلود دری کی صورت میں اس کی مسند لگی ہوئی تھی اور وہیں فون بھی نظر آرہا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ سیسو پھون میں پانی کی سہولت نہ ہونے کے باوجود بین الاقوامی فون دستیاب تھا۔

پاکستان کا وقت ہم سے دو تین گھنٹے پیچھے تھا۔ میں نے جلال کے موبائل فون نمبر پر رابطہ کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہم تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوچکے تھے۔

''میں اب بھی تمہاری طرف سے فکر مند ہوں۔'' ابتدائی گفتگو کے بعد اس کی فکر آمیز آواز ابھری۔ ''تھائی لینڈ سے نکلنے کے لیے تم نے بہت پُرخطر راستہ اختیار کیا۔ تم سے بات ہونے کے بعد میں نے انٹرنیٹ کی بہت خاک چھانی ہے۔ اس راستے پر ٹھگوں اور لٹیروں کا راج ہے۔ لوٹ مار پر غیر ملکی ذرا سی بھی مزاحمت کریں تو یہ بے دردی سے انہیں ہلاک یا زخمی کردیتے ہیں۔''

''ہم خطرناک راستہ طے کرچکے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا ''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا کسی بدمعاش سے پالا نہیں پڑا۔ اب سیسو پھون کا سب سے بڑا دادا گیر ہمارا گائیڈ ہوگا رچ ڈھلنے سے پہلے ہم نوم پنہہ پہنچ جائیں گے۔''

''کیا تم رکے بغیر سفر جاری رکھو گے؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

''مجبوری ہے۔ ڈان کو ہوش آنے سے پہلے ہم بہت دور نکل جانا چاہتے ہیں۔ راستے میں ایک حادثہ یہ ہوا کہ کرنل گیری اچانک ہمارے سامنے آگیا۔ اسے زندہ چھوڑتے تو وہ ہمارے فرار کا بھانڈا پھوڑ دیتا۔ ناچار اسے جہنم واصل کرنا پڑگیا۔ یہ.....''

''کیا تم نے اسے مار دیا؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر اضطراری لہجے میں کہا۔ ''تم کیا کرتے پھر رہے ہو..... میں نے تم سے کہا تھا کہ اب اپنا نام سامنے نہ آنے دینا۔ اس کی لاش ملتے ہی ہر طرف ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ان کا بہت مضبوط مہرہ تھا۔ اس کے قاتل تک پہنچنے کے لیے وہ زمین اور آسمان ایک کردیں گے!''

''تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہورہے ہو۔ ہم اس کی لاش ایک ویرانے میں دبا آئے ہیں۔ درندوں نے اسے نکال کر کھانا شروع نہ کیا تو کئی دنوں تک کسی کو اس کے انجام کا پتا نہیں چلے گا۔ لاش مل گئی تو میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ حالات بد سے بدتر ہوئے تو شبہ علی احمد پر ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کس طرح مارا گیا؟'' وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکا۔

''گولی سے!'' میں نے کن انکھیوں سے قرب وجوار کا

Downloaded from https://paksociety.com

جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے پستول کا لفظ دانستہ استعمال نہیں کیا۔ وہ لفظ دنیا کے ہر خطے میں سمجھا جا سکتا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ اب میں پوری طرح محتاط ہوں۔ بیم گن اور انگوٹھیوں کا استعمال ترک کیا جا چکا ہے۔ اسے غزالہ نے روایتی ہتھیار کا نشانہ بنایا تھا۔''

''اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''میں نے تمہارے لیے جو پلان بنایا ہوا ہے اس کا سارا دارومدار تم پر ہے کہیں بھی تمہارا نام سامنے آیا تو میرا کھیل ختم ہو جائے گا۔''

''میں تمہاری نازک پوزیشن سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے تفہیمی لہجے میں کہا۔ ''ایسی کوئی بات ہوئی تو کراچی کے دو قیدیوں کے بارے میں تمہارا موقف تباہ ہو جائے گا۔''

''بات اس سے بھی آگے کی ہے۔ ابھی میں قبل از وقت کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہاں سے نمٹ کر کسی طرح آج رات کو ہی نوم پہنچ جاؤں۔''

''اب میں تم پر رکنے کے لیے مزید دباؤ نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے رسان سے کہا۔ ''یہ یاد رکھنا کہ وہاں ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں گے۔ میرا نام دلاور ہوگا۔ تم آسانی سے مجھ سے رابطہ کر لو گے۔''

''گائیڈ پر تمہیں پورا بھروسا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ ''وہ تمہیں دھوکا تو نہیں دے گا؟''

''ہمیں یہاں پہنچے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہمیں دغا نہیں دے گا۔''

''تمہارے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تم سے کیا کہوں۔ تم یہاں سے بچنے کے لیے نکلے تھے لیکن تم نے ایک ایک کر کے تین پہاڑ گرا دیے۔ سوبھراج، راجن اور اب تم نے گیری کی خبر دی ہے۔ یہ تمہاری افسانوی کامیابیاں ہیں۔''

''میں نے کبھی یہ سب نہیں سوچا۔ ہدف سامنے آتا ہے اور میں سنبھل کر وار کر دیتا ہوں۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے کہ کامیابی میرا مقدر بن جاتی ہے۔ شاید تمہیں یہ جان کر خوشی ہو کہ غزالہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔''

''مبارک ہو!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی۔ ''میں نے اس بارے میں تم سے کبھی بات نہیں کی مگر یہ سوچتا ضرور تھا کہ تم اب تک لاولد کیوں ہو..... یہ کب کی خبر ہے؟''

وہ میرا ہمدرد دوست اور بہی خواہ تھا۔ میں نے اس کی بھرپور خوشی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کچھ پرانی ہے جو دونوں عورتوں تک محدود تھی۔ مجھے گیری کی موت کے بعد مجبوراً یہ بات بتائی گئی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ پیدائش کے لیے اپنے وطن کا سایہ نصیب ہوتا ہے یا وہ پیدائشی جلاوطن ہو گا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو!'' جلال کی آواز میں عجیب سی تڑپ سمٹ آئی۔ ''مایوسی کفر ہے، میں اپنی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تم جلد واپس آؤ گے۔''

''ذرا ایک اور معاملے کے لیے تیار رہنا۔ ویرا مسلمان ہو گئی ہے۔ سلطان شاہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔'' میں نے اس سے وہ آخری بات بھی کہہ ڈالی۔ ''اس نے سارا بوجھ ہار تمہارے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ وہ تمہارے مشورے سے اپنا فیصلہ بتائے گا۔''

''یہ دوسری بڑی خوش خبری ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ کیا سلطان شاہ کو قبول کر لے گی؟''

''اسے میں راضی کر لوں گا۔'' میں نے اس پر ویرا کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے کہا۔ ''وہ مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر چکی ہے۔''

''اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو اس سے تمہاری گہری دوستی ہوا کرتی تھی۔''

''وہ سب ماضی کی بھولی ہوئی کہانیاں ہیں۔ ہر فریق انہیں فراموش کر دینے پر آمادہ ہے۔'' میں نے ہلکی سی خفت کے ساتھ وضاحت کی۔

''تم مجھ سے سلطان شاہ کو کیا مشورہ دلوانا چاہتے ہو؟''

''وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت خوشگوار گزرے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس کارِ خیر میں شریک ہو جاؤ۔''

''سلطان شاہ سے کبھی میری زیادہ بے تکلفی نہیں رہی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنے بڑے فیصلے کی ذمے داری میرے اوپر کیوں ڈال دی؟''

''سب موجود تھے، تم نہیں تھے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے تمہارا نام لے دیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ وہ ایک ڈھلان پر اٹکا ہوا بڑا سا پتھر ہے، تم ذرا سا اشارہ کرو گے اور وہ نیچے لڑھکتا چلا جائے گا۔ بے یقینی کے حصار سے باہر آنے کے لیے اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میرا بس چلا تو میں وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھوا دوں گا۔ دعا کرو کہ میں آج رات تک نوم پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''یہ یاد رکھنا کہ پاسپورٹ ملنے کے بعد ہم وہاں نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

رکیں گے۔ پہلی پرواز سے کہیں بھی نکل جائیں گے۔ ڈان نے راجن کے خاتمے کے بعد بہت تیزی سے طاقت پکڑی ہے۔ میں اس کے حرکت میں آنے سے پہلے اس علاقے کو خیرباد کہہ دینا چاہتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم محسن کش نہیں ہو۔ بنکاک میں ڈان نے تمہیں بہت سہارے فراہم کیے ہیں۔ اس سے ٹکراؤ کی نوبت آئی تو تم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکو گے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔'' میں نے خوش دلی سے اس کی دلیل مان لی۔ ''ورنہ ڈان کا قرب حاصل کرنے کے بعد اس پر کسی بھی وقت بے خبری میں وار کیا جا سکتا تھا۔''

''یہ شیر دل مردوں کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ وہ دشمن کو بخشتے ہیں نہ اپنے محسن کو ڈستے ہیں۔ تم نے بھی ڈان کی بہت مدد کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کوئی موقع ملا تو شاید وہ تمہارے ساتھ ایسی کشادہ دلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''

''میں اسی بات سے ڈر رہا ہوں اسی لیے جلد از جلد اس علاقے سے باہر نکل جانا چاہ رہا ہوں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

جلال نے ایک مرتبہ پھر نوم پنہہ میں ملنے کا وعدہ کیا اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔

نان فینگ اس اعتبار سے مجھے شریف النفس آدمی نظر آیا کہ مجھے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے اس نے اکیلا چھوڑ دیا تھا اور زمین میں گڑے ہوئے ایک شہتیر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس کی خالی خالی نگاہیں گودام نما دکان میں ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں ایک مرتبہ پھر بیٹھک نما کمرے سے گزر کر عقبی احاطے میں جا نکلے۔

پجیرو سے نکالے گئے سامان کی کھیپ لے کر ٹھیلا غائب ہو چکا تھا۔ دو لڑکے انجن نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک شخص کہیں سے ٹرالی پر لدے ہوئے سلنڈر لے آیا تھا اور گیس کٹر کے ذریعے پجیرو کی باڈی کاٹنے میں مصروف تھا۔

''تمہارے آدمی اپنے کام میں بہت ماہر ہیں۔'' میں نے تعریف کی۔

''یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے پھرتی اور صفائی سے کام نہ کیا تو میں ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ لوں گا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں بے روزگاری ایک عذاب ہے۔ اس علاقے میں کوئی صنعت ہے نہ تجارت۔ نوکریاں بہت مشکل سے ملتی ہیں۔ زراعت اور گلہ بانی سے سب کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ سیاحوں کی آمد و رفت بڑھے تو یہاں کے مسائل حل ہوں۔ اس وقت تک سرحد پار سے آنے والے مال پر گزر بسر ہوتی رہے گی۔ اپنا کاروبار چلتا ہے، ان کی روزی بھی لگی رہتی ہے۔''

وہ سفر کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کے ایما پر ہم نے اپنا قلیل سا سفری سامان سمیٹا اور اس کی دکان سے ہوتے ہوئے ہم سڑک کی سمت میں باہر نکل آئے جہاں اسٹور کی دیوار کے سائے میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ نان فینگ کے پاس ملازموں کی کمی نہیں تھی۔ وہ گاڑی خوب چمک رہی تھی۔ وہاں نظر آنے والے مرد و زن ہم سے بالکل بے گانہ نظر آ رہے تھے۔ کسی کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ ہماری پجیرو کہاں گئی یا ہم نان فینگ کی گاڑی کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

''تم لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے؟'' نان فینگ نے اپنی کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔ ''حفاظت کے خیال سے ایک پستول لیتے آئے تھے۔''

''میں دیکھے بغیر اس کے پچاس ڈالر دے سکتا ہوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

''کیا یہاں کوئی مقامی کرنسی نہیں ہوتی؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم ڈالروں میں لین دین کے بہت زیادہ عادی معلوم ہوتے ہو۔''

''ڈالر اعتبار والی اور بڑی کرنسی ہے۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں رئیل چلتا ہے۔ وہ ایک ڈالر میں تقریباً چار ہزار ہوتے ہیں۔ ذرا سی چیز لاکھوں کی ہو جاتی ہے۔ مزہ نہیں آتا۔ یہاں ڈالر رئیل سے زیادہ مقبول ہیں۔ دونوں کرنسیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔''

بات بدل گئی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ چند ثانیوں بعد اس نے مجھے ٹوکا کہ میں نے پستول کے بارے میں اس کی پیش کش کا جواب نہیں دیا۔

''فی الحال اسے ہمارے پاس رہنے دو۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ تمہیں مفت میں مل جائے گا۔ ہماری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔'' میں نے ہنس کر ایسا جواب دیا کہ وہ دورانِ سفر ہمیں نہتا کرنے کے بارے میں دوبارہ نہ سوچ سکے گا۔ اس راستے کے بارے میں جلال کی وارننگ نے مجھے نان فینگ کی طرف سے چوکنا کر دیا تھا۔ ڈالروں کے معاملے میں وہ بہت حریص نظر آ رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے دیے ہوئے کم از کم

Downloaded from https://paksociety.com

چار ہزار ڈالر ہماری تحویل میں موجود تھے۔ اس خطیر رقم پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے وہ راستے میں بھی کوئی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔

گاڑی اپنے پیچھے دھول اڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور سڑک پر چڑھ گئی۔

سیسوپھون زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے آبادی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے سامنے شاندار سڑک پھیلی ہوئی تھی۔ قصبے میں بیٹھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس سے ذرا آگے ایک عمدہ شاہراہ ہوگی۔

دورانِ سفر ہم نے درختوں کے تنوں سے اوپر تک لدے ہوئے کئی بھاری بھرکم ٹرکوں کو اوورٹیک کیا۔ نان فینگ نے بتایا کہ جنگلات کی لکڑی کمبوڈیا کی اہم قدرتی پیداوار میں شامل ہے۔ مرطوب موسم اور زرخیز زمین کے سبب ملک میں جنگلات کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

راستے میں دائیں بائیں بہت سے یکساں بورڈ دیکھ کر میں نے اس سے استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ بارودی سرنگوں کے بارے میں وارننگ دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ ویت نام کی طویل جنگ اور کمبوڈیا کی خانہ جنگی کے دوران اس ملک کے جنگلات اور گزرگاہوں میں دونوں فریقوں کی طرف سے بے شمار بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں جنہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے کا کام کئی عشروں سے جاری تھا۔ ہدایت کو نظر انداز کرنے والے آئے دن ان سرنگوں کی زد میں آ کر ہلاک ہوتے رہتے تھے۔

ان سرنگوں کو پھیلانے پر آنے والی لاگت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے پر سو سے ہزار گنا تک لاگت آتی ہے۔ جدید وسائل دستیاب ہونے کے باوجود ان کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں تلاش کرنے والے بھی ان کی زد میں آ کر مارے جاتے ہیں۔

چاؤفان کے مقابلے میں نان فینگ کم گو تھا مگر اسے بھی تیز رفتاری کا شوق تھا۔ اسٹیئرنگ پر اسے مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ ہم میں سے کوئی اس کی تیز رفتاری پر معترض نہیں ہوا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم دن کے اجالے میں اپنا سفر مکمل کر لیتے۔ میں نے اس دوران میں ان تینوں کو اپنی اور جلال کی تازہ ترین گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ راستے میں چھوٹی بڑی بستیاں آتی اور تیزی سے گزرتی رہیں۔ نان فینگ نے چائے نوشی وغیرہ کے لیے کہیں رکنے کے بارے میں پوچھا تو ہم چاروں نے یک زبان ہو کر انکار کر دیا۔ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمارا جلد از جلد نوم پنہ پہنچنا ضروری تھا۔ میرے ذہن میں یہ نکتہ بھی موجود تھا کہ سفر کے تسلسل میں نان فینگ ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتا تھا۔ راستے میں رکنے کی صورت میں اسے آسانی سے کوئی شرارت کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس نے مجھ سے ابتدا میں لڑکیوں کی خریداری کے بارے میں سوال کر کے اپنی ساکھ بگاڑ لی تھی۔ بردہ فروشی جیسا گھناؤنا کام کرنے والا بے ضمیر شخص دو چار ہزار ڈالروں کے لیے کسی کی بھی جان کو خطرہ بن سکتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے ایک ویران جنگل کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار دھیمی کی تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے اپنی طویل خاموشی میں ہم سے ڈالر ہتھیانے کی کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔

''کیا بات ہے..... گاڑی کیوں روک رہے ہو؟'' گاڑی سڑک سے اترتے ہی میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''دو منٹ میں پیشاب کر کے آتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس فطری عذر پر کوئی اعتراض بے سود تھا۔ اس نے گاڑی کنارے سے روک کر انجن بند کیا اور اتر کر جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

میں اگلی سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا جس پر مجھے بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

''تم کہاں چلے آ رہے ہو..... میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا!'' مجھے اپنے پیچھے آتا ہوا دیکھ کر اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

''میری اور تمہاری حاجات مشترک ہیں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

وہ جھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر جھٹک کر قریبی جھاڑیوں کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت میں نے اس کی ٹی شرٹ کے نیچے ایک واضح ابھار دیکھا۔ اس نے اپنی پشت پر پتلون کی بیلٹ میں کوئی خودکار ہتھیار اڑسا ہوا تھا جس کا دستہ ٹی شرٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

جھاڑیوں کے پاس رک کر اس نے پہلو بدلا۔ میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں جوں ہی اس نے چھپا ہوا ہتھیار نکالنے کے لیے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے ہاتھ ڈالا میں نے نہایت سرعت سے جست لگا کر اسے وہیں دبوچ لیا۔

وہ میری طرف سے کسی کارروائی کے لیے بڑی حد تک

Downloaded from https://paksociety.com

تیار تھا لیکن اسے میری بے خوف پیش قدمی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں نے اس کی پشت سے چھوٹے بور کا خودکار پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے..... میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' وہ میری مضبوط گرفت سے نکلنے کے لیے مچلتے ہوئے بھنا کر غرایا۔ وہ منظر دیکھ کر تینوں پھرتی سے گاڑی سے نیچے آ گئے۔

نان فینگ کو غیر مسلح کرتے ہی میں نے چھوڑ دیا اور کہا۔ ''یہ کھلونا خوبصورت ہے نوم پہنچ کر تمہیں اپنے پستول کے ساتھ لوٹا دوں گا۔''

''مجھے ایسا مذاق پسند نہیں، یہ مجھے لوٹا دو!'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے یہ نہ چھینا ہوتا تو اب تک تم ہمیں اس کی زد پر لے چکے ہوتے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔ ''اب یہ میرے پاس رہے گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں نے اسے ٹٹول کر اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور تم مجھ سے لپٹ پڑے..... میری نیت خراب ہوتی تو میں تمہیں سیسو پھون میں ایک ڈالر بھی نہ دیتا۔ گاڑی چھین کر تمہیں سرحدی پولیس کے حوالے کر دیتا۔''

''میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ تم خود اپنے ذہن کا زہر اگل رہے ہو۔'' میں نے زہر خند لہجے کے ساتھ کہا۔ ''تم ضرور ایسا کرتے لیکن تمہیں اندیشہ تھا کہ سرحدی پولیس تم سے بھاری حصہ طلب کرے گی اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمان ہو رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے توقف میں وہ سنبھالا لے کر تحمل سے بولا۔ ''میری نیت خراب نہیں ہے۔ میں ہمیشہ مسلح ہو کر سفر کرنے کا عادی ہوں.....''

''اب تمہارے بجائے ہم مسلح ہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''شرافت سے واپس چلو اور گاڑی چلاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار کر یہیں پھینک دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سڑک سیدھی نوم پہنچ جاتی ہے۔ تمہاری طرح ہم بھی سیدھے لوگ نہیں ہیں۔ مار دھاڑ کی نوبت آئی تو تم ہم سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔''

اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر میری دھمکیوں کے وزن کا اندازہ کیا پھر سر جھٹک کر گاڑی کی طرف واپس ہو لیا۔

اس ہنگامے میں وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس نے پیشاب آنے کا بہانہ کر کے گاڑی روکی تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی طنز کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس بار گاڑی میں چھائی ہوئی خاموشی میں کشیدگی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ میں نے بروقت مداخلت کر کے نان فینگ کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اسے کھل کر ہمارے سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے شک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وضاحتوں کی آڑ لے لی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار باریوں سر جھٹک رہا تھا جیسے دل ہی دل میں کچھ بول رہا ہو۔

مجھے ڈر تھا کہ اس ہلکے سے تصادم کے نتیجے میں اس کے دماغ پر لٹھ سوار ہو گیا تو وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر دے گا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ ہم چوری کی کار میں، کسی قسم کی سفری دستاویزات کے بغیر تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوئے تھے۔ نوم پہنچ کر وہ ہم سے بدلہ لینے کے لیے وہ باتیں کسی پولیس افسر تک پہنچا دیتا تو ہم کمبوڈیا میں غیر قانونی داخلے اور قیام کے جرائم میں سیدھے حوالات میں پہنچائے جا سکتے تھے۔

میں نے اس کی طمع کا فائدہ اٹھا کر اسے رام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تم خود سے کیا باتیں کیے جا رہے ہو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''تمہارا دل صاف ہے تو آنکھ ملا کر مجھ سے بات کرو۔''

''تم سے آنکھ ملائی تو گاڑی بل دار سڑک سے کہیں بھی اتر جائے گی۔'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔ ''میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے سنگین غلطی کی ہے۔''

''پھوم فاٹ کو یہ جان کر صدمہ ہو گا کہ تم نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے جس بہانے سے گاڑی روکی تھی اسے پورا نہیں کیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہارا مثانہ پھٹنے کے قریب ہے۔'' میں نے تحمی کے بجائے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''دیکھو نان فینگ! ہمارے لیے ڈالر ہاتھ کا میل ہیں۔ زندگی بھر کماتے اور اڑاتے رہے ہیں۔ تم مجھ سے مانگ لیتے تو میں پورے چار ہزار ڈالر تمہیں لوٹا دیتا۔''

''تم ایسے ہی تحمی ہو!'' وہ جل کر بولا۔ ڈالروں کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے میری سخاوت کو ہدف بنا لیا۔

''مانگ کر دیکھو، تمہیں میری سخاوت کا علم ہو جائے

Downloaded from https://paksociety.com

گا۔''

''لاؤ کیا دے رہے ہو؟'' اس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔ جیسے اسے مجھ سے ایک کوڑی بھی ملنے کی امید نہ ہو۔

میں نے اس کا دیا ہوا لفافہ اپنی جیب سے نکال کر خاموشی سے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''کیا تم یہ رقم واقعی مجھے دے رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔ ''یہ سب میری ہے۔''

''یہ میری طرف سے خیر سگالی کا اظہار ہے۔ دو ہزار تم لے لو، دو ہزار مجھے لوٹا دو۔ میں سمجھ لوں گا کہ بچیرو کا سودا دو ہزار ڈالر میں ہوا تھا۔ دو پستول تمہیں نوم پنہہ میں مل جائیں گے۔''

''پھوم فاٹ کبھی نہیں مانے گا کہ میں نے تمہاری لائی ہوئی گاڑی اتنے کم داموں میں خریدی ہوگی۔'' اس نے ڈالروں کا لفافہ اپنی گود میں رکھ لیا مگر اسے شک تھا کہ مفت کی وہ رقم اسے ہضم نہیں ہو سکے گی۔ ''وہ اس علاقے میں بچیرو کی مارکیٹ سے واقف ہے۔''

''گاڑی اس کی تھی نہ پیسا اس کو پہنچے گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی میں نکال کر لایا۔ یہ سودا یہیں ختم سمجھو۔ قسمت نے ساتھ دیا تو پھر بہت کمالوں گا۔ اس کے بعد تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو یاد رکھنا کہ تم پاتال میں بھی مجھ سے نہیں بچ سکو گے۔''

اس نے رقم کا لفافہ اپنی گود سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میں گاڑی چلا رہا ہوں۔ تم اسے دو جگہ بانٹ لو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے پہلے کوئی گڑبڑ کی تھی نہ اب کروں گا۔''

دو ہزار ڈالر مفت میں ہاتھ آتے ہی اس کا موڈ بحال ہو گیا۔ بقیہ سفر کے دوران میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نوم پنہہ میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔

سورج ڈھلنے سے کافی پہلے ہم نوم پنہہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ راستے میں آنے والی کمبوڈین آبادیوں اور بستیوں کے برعکس اس شہر کی رونق اور شادابی بہت نمایاں تھی۔ وہاں آسمان کو چھو لینے والی عمارتیں نہیں تھیں لیکن شہر کے مضافات میں قدیم اور جدید طرز کے امتزاج سے بنی ہوئی ایک اور دو منزلہ عمارتوں سے مکینوں کی ثروت اور سلیقے کا اظہار ہو رہا تھا۔

نوم پنہہ پہنچنے کے بعد بھی نان فینگ اصرار کرتا رہا کہ ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں لیکن میں نے صاف الفاظ میں اسے بتا دیا کہ ہم اوسط درجے کے کسی ہوٹل میں عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہتے تھے تاکہ کسی کی خصوصی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔

شہر کے مرکزی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک بارونق بازار میں گاڑی روک دی۔ وہاں ایک قطار میں کئی ہوٹل نظر آ رہے تھے جن کے سائن بورڈ پر مقامی زبان کے ساتھ انگریزی بھی نظر آ رہی تھی۔

نان فینگ ہمیں ہوٹل تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے بمشکل تمام وہیں سے رخصت کر دیا۔ بدلے ہوئے حالات میں، میں ایک لمحے کے لیے بھی ایسے کسی ہوٹل میں رکنا نہیں چاہ رہا تھا جہاں تک نان فینگ کی رسائی ممکن ہو۔

ہم تہہ خانے والے انداز میں فٹ پاتھ کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔

کمبوڈیا کا شمار مشرق بعید کے پس ماندہ اور غریب ملکوں میں ہوتا ہے مگر وہاں ہر سال غیر ملکی سیاح قدرتی مناظر اور مقامی معاشرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ اس وقت بھی پستہ قامت اور دبلے پتلے مقامیوں میں لمبے تڑنگے اور جسیم امریکیوں کے ساتھ یورپ کے مختلف خطوں کے مرد و زن بھی موجود تھے۔ امریکیوں کے لیے دو عشروں پر محیط ویت نام کی جنگ کے حوالے سے اس پورے خطے کے چپے چپے پر یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس جنگ سے زندہ لوٹنے والے ہزاروں امریکی سپاہی اپنے جوان بچوں کو وہ جگہیں دکھانے لاتے ہیں جہاں انہوں نے اپنی جوانی میں امریکا کے وقار کو بچانے کے لیے ایک بہت لمبی جنگ لڑی اور آخر کار شکست کا داغ لے کر رخصت ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس بھیڑ کے ساتھ خراماں خراماں بڑھتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ نان فینگ اس علاقے سے رخصت ہو گیا تو میں ٹیکسی لینے کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے آ گیا۔

بنکاک کے خالص مشینی ٹریفک کے مقابلے میں نوم پنہہ کا ٹریفک ملا جلا تھا۔ وہاں سائیکل رکشا کی کثرت تھی جنہیں نحیف و ناتواں جسم پوری مشقت سے کھینچتے ہیں۔ خال خال دو پہیوں والے ہاتھ رکشا بھی نظر آ رہے تھے جنہیں آدمی دونوں بازوؤں سے کھینچ کر دوڑتے ہیں۔

مجھے زیادہ دیر تک ان مظاہر کا مشاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سے اشارے پر ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ رکی۔ میں کوئین ہوٹل کا نام لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں پیچھے سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے میٹر گرایا اور ٹیکسی چل دی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''میرے اوپر کیوں سوار ہو رہے ہو، ذرا الگ بیٹھو!''

ویرا کا وہ شکوہ سن کر میں نے پیچھے دیکھا تو صورت حال دلچسپ تھی۔ ویرا دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔

''بگڑ کیوں رہی ہو..... یہاں جگہ ہی تنگ ہے۔'' سلطان شاہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جسامت کے لحاظ سے نشستیں بنوائی ہیں۔ ملنے جلنے کی بھی گنجایش نہیں ہے۔''

''پھنس کر بیٹھ گئے ہو تو ذرا اپنے ہاتھ پیروں پر قابو رکھنا۔'' ویرا نے ناگواری سے کہا۔ ''مجھے کہنی لگی تو دروازہ کھول کر تمہیں نیچے اتار دوں گی یا خود اتر جاؤں گی۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھو!'' میں نے ویرا سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی ہوا تمہیں راس نہیں آئی۔ نان فینگ کی گاڑی میں بھی تم تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت تمہیں کسی سے شکایت نہیں ہوئی۔ صبر سے کام لو، سفر چند منٹ میں ختم ہو جائے گا۔''

میری مداخلت پر ان دونوں کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔

ٹیکسی کافی دیر تک شہر کی بھری پری سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اس دوران میں، میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار جو بہ جا مسافروں کو ان کی منزل تک لے جا رہے تھے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اس علاقے کے بعض بڑے شہروں میں موٹر سائیکل ٹیکسی کا سسٹم رائج تھا۔ اکیلے مسافروں کے لیے وہ سواری تیز اور باکفایت ثابت ہوتی تھی۔

کافی دیر بعد ٹیکسی رک گئی۔ میں نے میٹر دیکھ کر ریئل کو چار ہزار سے تقسیم کیا اور پانچ ڈالر کا ایک نوٹ ڈرائیور کے حوالے کر دیا۔ وہ ہمیں اتارتے ہی تیزی سے رفو چکر ہو گیا۔ میں نے فٹ پاتھ پر آ کر گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو میری کھوپڑی ناچ اٹھی۔ چند سو گز کے فاصلے پر ہمیں ہوٹلوں کی وہ قطار نظر آ رہی تھی جس کے قریب نان فینگ نے ہمیں اتارا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ہماری لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بلاوجہ سڑکوں پر گھمایا اور کرایے کی رقم کے ساتھ ٹپ کی رقم بھی لے اڑا۔ وہ سیر و سیاحت کا ایک حصہ تھا۔ اجنبی شہروں کا سفر کرنے والوں کو عام طور پر اپنی بے خبری کا بھاری خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر اپنا خون جلانا بے سود تھا۔

کوئین ہوٹل واقعی صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ عمارت کل چار منزلوں پر محیط تھی۔ اندر گھستے ہی ہم سب کی طبیعت خوش ہو گئی۔

کاؤنٹر پر ہم نے برابر کے دو ڈبل روم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری کر دی گئی۔ خوش شکل لڑکی نے اندراج کے لیے فارم آگے کھسکائے تو میں نے مسٹر اور مسز دلاور لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ ویرا نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور الٹے سیدھے دستخط کر کے فارم دوبارہ میری طرف سرکا دیا۔ وہ سمجھے بوجھے بغیر خود کو کوئی نام نہیں دینا چاہتی تھی۔

میں نے ان کے فارم پر مسٹر اینڈ مسز شاکا اندراج کر کے فارم لوٹائے تو لڑکی نے دیگر کوائف کے لیے ہمارے پاسپورٹ طلب کیے۔ میں اس نازک مرحلے کے لیے تیار تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اسے بتایا کہ ہمارے پاسپورٹ وغیرہ ہمارے پانچویں ساتھی کے پاس تھے جو ایک دو روز میں نوم پنہ پہنچنے والا تھا۔

میں نے اس سوچے سمجھے جواب کے ذریعے لڑکی کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی تھی کہ ہم سب اس کے ہوٹل میں کئی دنوں کے قیام کے ارادے سے آئے تھے اس لیے وہ ہم سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کرے جو وہاں سے ہماری واپسی کا سبب بن جائے۔

لڑکی ذہین اور اپنے کام میں ہوشیار تھی۔ اس نے ایک ادا سے مسکرا کر نیور مائنڈ کہا پھر گزارش کی کہ ہم اپنے پانچویں ساتھی کے آتے ہی اپنے اندراجات ضرور مکمل کرائیں۔

اس نے پورٹر کو چابیاں دیں اور ہم لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر اپنے کمروں میں پہنچ گئے جہاں ہر شے سے نفاست اور آرام کے قرینوں کا اظہار ہو رہا تھا۔

پورٹر کے جاتے ہی سلطان شاہ ہمارے کمرے میں گھس آیا۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ آتے ہی برہمی کے لہجے میں بولا۔ ''میں روزی کے ساتھ ایک کمرے میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ میں فٹ پاتھ پر یا کسی پارک میں رات گزار لوں گا.....''

''روزی نہیں، اب اس نام کو بھول جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''پچھلے نام ہم بنکاک میں چھوڑ آئے ہیں۔''

''ہاں، اب میرے اور تمہارے نام مسٹر اور مسز شاہ ہیں!'' ویرا نے شاہ کے صحیح مخرج پر زور دیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ''یہ نام دلاور نے دیے ہیں۔''

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا..... میں ابھی نیچے جا کر نام بدلواتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔''

''بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہم مشتبہ ہو جائیں گے۔'' میں نے تختی سے سمجھایا۔ ''خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں پاسپورٹوں کے بغیر اس ہوٹل میں جگہ مل گئی۔''

''تم نے اسے میری مسز کیوں لکھوایا؟'' وہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ ''میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔''

''تم گھامڑ ہو!'' مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ ''وہ شاہ نہیں انگریزی والا شاہ ہے، ایس ایچ اے ڈبلیو..... کچھ آیا تمہاری سمجھ میں! فارم میں لکھنے سے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ عملاً تم دونوں اب بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو۔ اس پر اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟''

میرا لہجہ بلند ہوا تو سلطان شاہ دھیما پڑ گیا۔ ''مان لیا کہ فرضی ناموں سے کچھ نہیں ہوتا لیکن تم کو میرے لیے الگ کمرا لینا چاہیے تھا۔ تین کے بجائے دو کمرے لینے کی کیا تک تھی؟''

''ضرورت ہوتی تو میں چار کمرے بھی لے لیتا۔ تمہیں ویرا کے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے تو غزالہ وہاں چلی جائے گی، تم میرے کمرے میں سو لینا!''

''ابھی تم مسٹر شا کو میرا پچھلا نام لینے پر تادیب کر رہے تھے اب خود سب کے اصل نام لے رہے ہو۔ یہ کون سی منطق ہے؟'' ویرا نے سوال کیا۔ وہ اس وقت سلطان شاہ کو اشتعال دلانے پر تلی ہوئی تھی۔

''اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ!'' میں نے اسے گھور کے کہا۔ ''وہ غصے میں نام لے رہا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر بات واضح کرنے کے لیے نام لیے ہیں۔ ہوش و حواس میں رہ کر ہم آپس میں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپے سے باہر ہو کر ہم نے غلط موقع پر کوئی غلط بات کہہ دی تو مصیبت آ جائے گی۔''

''مسٹر شا! سن لیا تم نے؟'' ویرا نے چڑانے والے انداز میں سلطان شاہ سے کہا۔ ''یہ فرمانِ امروز ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔''

''یہ نہ بھولو کہ تمہاری یہ باتیں میرے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!'' سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو دھمکی دی۔

''اب تو فیصلہ جلال ہی کرے گا۔ تم اپنی بے بضاعتی تسلیم کر چکے ہو۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''مجھے بتایا جائے کہ کون سا کمرا میرا ہے۔'' وہ منہ پھیر کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میں اس ماحول میں زیادہ رکا رہا تو میرا سر پھٹ جائے گا۔''

''آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔'' ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ لے کر دروازے کی طرف چل دی۔

''وہ جب چاہتی ہے بہت آسانی سے تمہارا خون کھولا دیتی ہے۔'' تخلیہ ہونے پر میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''تم اسے نظر انداز کیوں نہیں کر دیتے۔''

''اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''اس نے پورٹر کے جاتے ہی اول فول بکنا شروع کر دیا اور میں گھبرا گیا۔ میں اس کے ساتھ کچھ دیر اور رکا رہتا تو وہ دباؤ ڈال کر مجھ سے نہ جانے کیا کہلوا لیتی۔''

سلطان شاہ جیسے ذہین اور ہوشیار آدمی کی زبان سے وہ احمقانہ جواب سن کر میں بہ مشکل اپنی بے ساختہ ہنسی روک سکا۔ ویرا کا کمال یہی تھا کہ وہ کسی زیرک ترین آدمی کو بھی ذرا سی دیر میں ذہنی فتور میں مبتلا کر سکتی تھی۔

سلطان شاہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شرمیلا تھا۔ ویرا جارح مزاج کی مالک تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجوزہ ازدواجی رشتے کی براہِ راست بات چھیڑ کر سلطان شاہ کو امتحان میں ڈالا ہوگا۔

ہم نے سیسوپھون میں مختصر سے قیام سے قطع نظر، بنکاک سے نوم پنہہ تک کا طویل سفر مسلسل طے کیا تھا۔ تھکن سے سب چور تھے۔ نان فینگ کے مہمان خانے میں کسی نے ڈونگے اور بالٹی کے ذریعے غسل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے پہلے سلطان شاہ کو موقع دیا پھر خود باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کے تیز شاور کے نیچے نہانے کے بعد میں باہر آیا تو نیند آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔ سلطان شاہ نے انٹر کام پر غزالہ سے بات کر کے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ویرا سو چکی تھی اور خود سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

کمرے کے منی بار میں متعدد شرابیں موجود تھیں جن میں انگ کار اور اے بی سی نامی مقامی بیئر کی تعداد اور مقدار غالب تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس چھوٹے ریفریجریٹر میں منرل واٹر کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں نے ٹھنڈے پانی کی پوری چھوٹی بوتل اپنے معدے میں اتاری اور بستر پر گر گیا۔

☆☆☆

میں ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ نیند کے عالم میں مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے جن کا تعلق مجھ سے درپیش مسائل سے تھا۔ میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہتا مگر فون کی مسلسل گھنٹیوں نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔

وال کلاک کی سوئیاں اس وقت دو بجا رہی تھیں۔ ہم سر

Downloaded from https://paksociety.com

شام سوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ میں نے غنودہ ذہن کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی آپریٹر مجھے معذرت خواہانہ انداز میں جلال کی کال کی خبر دے رہی تھی۔

وہ اس روز کی اہم ترین اطلاع تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی یا اسلام آباد سے نوم پنہہ کے لیے کوئی براہِ راست پرواز نہ ہونے کی وجہ سے جلال اپنے وعدے کے مطابق بروقت نوم پنہہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی فون کال میرے یقین کی نفی کر رہی تھی۔

اس نے زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بتایا کہ وہ اسی وقت کمبوڈین کسٹم سے فارغ ہو کر ایئرپورٹ آیا تھا اور اپنے سرکاری استحقاق کے مطابق کسی فور اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپریٹر کی زبان اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن سے نیند کا گہرا خمار کافور ہو چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا۔ اس وقت تک حالات سازگار تھے۔ کہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ میں نے اسے کوئین ہوٹل آنے کا مشورہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔

میری نیند اڑ چکی تھی۔ میں اپنی تھکن سے نڈھال تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلال نے ہم سے زیادہ مصروف اور تھکا دینے والا دن گزارا تھا۔ اپنی دفتری مصروفیات سے نمٹ کر اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا جس میں کہیں نہ کہیں پرواز کی تبدیلی بھی شامل رہی ہوگی۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرانے سوال پھر ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں نے بہت دور تک اپنی لڑائی لڑ لی تھی۔ آنے والے دنوں میں غزالہ اور نئے مہمان کو میری توجہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ میں اپنی سرگرمیوں سے ریٹائر ہو جاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں دوسروں کو اپنے اس فیصلے سے کیسے آگاہ کر سکوں گا!

سوچتے سوچتے بھوک کا احساس جاگ اٹھا۔ کمرے میں چاکلیٹوں کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔ زیادہ کپڑے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے میں قمیص پتلون میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ غسل خانے کے آئینے میں، میں نے لباس کا جائزہ لیا۔ کسی شب بیدار سیاح کے لیے وہ لباس موزوں تھا۔ منہ دھو کر میں نے بال درست کیے اور غسل خانے سے نکل کر روشنی گل کر دی۔

سلطان شاہ بستر پر پیٹ کے بل لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔

فون کی تیز گھنٹیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔ میں چابی لے کر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ مجھے توقع تھی کہ باہر کے بازار میں مجھے اپنی شکم پری کے لیے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

لفٹ سے نچلی منزل پر پہنچنے کے بعد میں نے چابی کاؤنٹر پر دیتے ہوئے یہ بتا دیا کہ میرا ایک ساتھی کمرے میں سو رہا تھا۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے اسی لمحے ایک کارڈ بنا کر میرے حوالے کر دیا۔ کارڈ دکھا کر میں آسانی سے اپنے کمرے کی چابی حاصل کر سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا ہوٹل کے صدر دروازے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا تو میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔ پورچ میں جلال ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اول خان بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔

وہ دونوں میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کو دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کی طرف جا رہا تھا کہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے جلال نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور ہوٹل آنے کے لیے مڑا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر جلال ہکا بکا رہ گیا۔ اول خان نے بریف کیس سمیت اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور میری طرف دوڑ پڑا۔

ہم سب ایک اجنبی سرزمین پر تھے جہاں کوئی ہمیں نہیں پہچانتا تھا۔ اجنبیوں کی حیرت یا ہنسی کی پروا کیے بغیر تینوں نے اپنے بے لگام جذبوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اول خان کو دوڑتا دیکھ کر جلال نے بھی اپنے افسرانہ وقار کو بالائے طاق رکھ کر دوڑ لگا دی۔ ہم پورچ کے تقریباً وسط میں والہانہ انداز میں آپس میں لپٹ گئے۔ اول خان نے اپنے گداز ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔

وہ منظر دیکھ کر کسی من چلے نے ہارن بجایا۔ تینوں میں سے کسی نے پروا نہیں کی۔ پورچ میں داخل ہونے والی گاڑی کی روشنیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں جھولتے ہوئے ایک ایک بریف کیس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے نہایت عجلت میں وہ سفر کیا تھا۔

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اول خان کو بھی اپنے ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

لائے ہو!'' برآمدے میں رک کر میں نے جلال سے شکوہ کیا۔ میری زبان پر شکایت تھی لیکن اندر ہی اندر خوشی کے گلاب کھلے جارہے تھے۔ ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری راہ میں حائل ساری رکاوٹیں یک بہ یک دور ہوگئی ہوں۔ ذہن میں کوئی مسئلہ باقی رہا تھا نہ پریشانی۔

''یہ تمہارے لیے سرپرائز تھا!'' جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر کھڑے ہو کر ہمارا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ کیا تم نے ہر احتیاط کو خیرباد کہہ دیا ہے؟''

''اب تک نہیں کہا، اب کہہ دوں گا۔ یہ اتفاق ہے کہ ہمارا آمنا سامنا ہوگیا۔ ہم صبح دس بجے کھانا پانا شتا کر کے چلے تھے۔ اس کے بعد کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی۔ تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو تینوں کی طرح میں بھی اس وقت بے خبر سو رہا ہوتا۔''

''یوں کہو کہ شکم پری کے لیے نکلے تھے!'' جلال خوشی سے کھلا جارہا تھا۔

''جاؤ، یہ کار خیر ضروری ہے۔'' جلال نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہمارے لیے بھی کچھ لیتے آنا۔ اول خان کے مراق کی وجہ سے جہاز پر ہم دونوں نے صرف کافی پینے پر اکتفا کیا..... اپنے کمرے کا نمبر بتا دو ہم چیک ان کرتے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد میں میں تمہیں رنگ کرلوں گا۔''

''میں اتنا بھوکا نہیں ہوں۔ چند منٹ زندہ رہ سکتا ہوں۔'' میں ان کے ساتھ اندر چل دیا۔

میں ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھ چکا تھا کہ ڈیوٹی تبدیل ہونے کی وجہ سے فرنٹ ڈیسک پر نئی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے ہمارے پاسپورٹوں کے مسئلے یا پانچویں ساتھی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس لڑکی نے بورڈ پر سے میرے کمرے کی چابی اتاری۔ میں نے مسکرا کے اسے چابی لوٹانے سے روک دیا۔

ان دونوں کو بھی چوتھی منزل پر الگ الگ کمرے مل گئے۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم سب ایک فلور پر جمع ہو رہے تھے۔ ان کے کمروں کے نمبر معلوم ہوتے ہی میں اپنے مشن پر روانہ ہوگیا۔

نوم پنہہ میں بازار جزوی طور پر کھلا ہوا تھا۔ سڑکوں وغیرہ پر کچھ نہ کچھ چہل پہل بھی ہو رہی تھی۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر زیادہ رونق تھی لیکن ان تمام سرگرمیوں میں وہ تیزی اور رنگ آمیزی نہیں تھی جو بنکاک میں نظر آتی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ اتنی رات گئے میں سڑک پر اکیلا نہیں تھا۔

ہوٹل کے برآمدے سے کاؤنٹر تک جاتے ہوئے جلال نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایمرجنسی میں کراچی سے ہانگ کانگ اور وہاں سے واپس کمبوڈیا آئے تھے۔ دوسری پرواز پر ایرہوسٹس نے مسافروں میں ان کی پسند کے مطابق خنزیر، بکری اور مرغی کے گوشت کے سینڈوچز پیش کیے۔ وہ ہر قسم کے سینڈوچ ایک ہی چٹکے سے اٹھا رہی تھی۔ اول خان کو شک تھا کہ اس عمل میں ہر قسم کے گوشت کے ریشے مسافروں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ خنزیر کا گوشت چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نشان دہی پر جلال نے بھی اس پرواز پر کچھ کھانے سے گریز کیا اور دونوں صرف کافی پی کر نوم پنہہ پہنچ گئے۔

وہ اول خان کا مراق نہیں مناسب احتیاط تھی۔ سامان خوردونوش کی خریداری میں مجھے بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھنا تھا۔

بازار میں کھانے پینے کی متعدد دکانیں کھلی ہوئی تھیں جہاں مے نوشوں کی شکم پری کے لیے بہت کچھ تلا اور بھونا جا رہا تھا۔ فضا بھانت بھانت کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں سبزیوں کی ڈشیں بیچنے والی ایک چھوٹی سی دکان تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جسے ایک مقامی لڑکی اپنے باپ یا عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ چلا رہی تھی۔

اس دکان سے کچھ منتخب خریداری کر کے میں واپس ہوٹل کی طرف ہولیا۔

چوتھی منزل پر لفٹ سے اتر کر میں راہ داری میں نکلا تو سامنے والے دروازے پر وہ نمبر نظر آیا جو اول خان کے حصے میں آیا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں لوٹنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہاں دستک دی۔ اول خان نے دروازہ کھول کر مجھے اندر بلا لیا۔

مجھ سے مل کر وہ اس قدر خوش اور پُرجوش تھا کہ میرے ہاتھ سے تھیلیاں لے کر میز پر رکھتے ہی دوبارہ بغل گیر ہوگیا۔ اس کی محبت کے اس بے پایاں اظہار نے مجھے عجیب جذباتی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں سکون سے بیٹھے تو میں نے اول خان سے اس کی غیر متوقع آمد کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

جلال کراچی اور اسلام آباد کے چکر میں پھنسا رہتا تھا۔ اول خان تربت میں تھا۔ میرے لیے یہ معمّا ناقابل فہم تھا کہ آپس میں بہت زیادہ بے تکلف نہ ہونے کے باوجود وہ دونوں اس سفر میں کیسے یک جا ہوگئے۔

Downloaded from http://paksociety.com

''مجھے اوپر سے حکم ملا تھا کہ فوری طور پر کراچی پہنچ کر جلال سے ملوں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''کراچی آیا تو جلال نشستوں کے حصول کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔''

''جلال تمہارے باس سے رجوع کرنے کے بجائے براہ راست تم کو یہاں آنے کی دعوت دے سکتا تھا۔'' میں نے اپنے تحفظ کا اظہار کیا۔

''جلال نے کوئی سمری اوپر بھجوائی تھی جو راجن کے انجام کے بارے میں تھی۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اسے اندازہ تھا کہ تم بنکاک میں بری طرح پھنس گئے ہو۔ وہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں فوری طور پر نئے پاسپورٹوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ اسے دبئی جانا پڑا۔ وہ ایک الگ قصہ ہے۔ وہ دبئی سے واپس آیا تو ایک ارجنٹ حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جلال کی سمری پر اعلیٰ ترین سطح سے حکم جاری ہوا تھا کہ فوری طور پر ایک دوفنری وفد تم لوگوں کو پورے احترام کے ساتھ بنکاک سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔ اس وقت تک اوپر والوں کو تمہاری نوم پنہہ آمد کا علم نہیں تھا مگر جلال کو پل پل کی خبر تھی ہم دونوں بنکاک جانے کے بجائے ادھر آ گئے۔''

''دوفنری وفد میں تم کیسے شامل ہو گئے؟'' میرا تجسس برقرار تھا۔

''میں نے راجن کے بھیجے ہوئے دہشت گرد پکڑ لیے۔ سب کو علم تھا کہ یہ کارروائی تمہاری ٹپ کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ویسے بھی مقتدر حلقوں میں سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف سے تمہارا بہت قریبی رابطہ رہا ہے اسی طرح تمہارے اور جلال کے مراسم خفیہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ حکم نامے میں ہم دونوں کو اس وفد کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت تسکین ہوئی کہ خفیہ طور پر سہی لیکن پہلی بار اعلیٰ ترین سطح پر تمہاری بے مثال خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف والے کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہیں۔ آئین اور قانون کی دستاویزات میں ہمارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے سب کام زبانی ہوتے ہیں۔ اس بارے میں پوری تفصیل جلال کے علم میں ہوگی۔ ہماری فورس کی طرح تم بھی ہمیشہ پس پردہ رہے ہو۔ نیچے سے اوپر تک، ہر شخص تمہاری خدمات سے باخبر ہے لیکن تمہیں گلے سے نہیں لگا سکتا کیونکہ ہمارے طرح تمہاری کام کرنے کے طریقے بھی ہر قانون سے ماورا رہے ہیں۔ ہم سب نے اپنے ضمیر کی نوکری کی ہے۔ جسے ملک اور قوم کے مفادات کا دشمن جانا، اس کا خون پی گئے۔ بدخواہ جرم کا درجہ دیتے ہیں، ہم سب کو مجرم گردانتے ہیں۔ ہمارے خیر خواہ بلکہ ہمیں وجود میں لانے والے بھی ہمارے حق میں کچھ نہیں بول پاتے کیونکہ ریکارڈ کے مطابق ہمارا کوئی وجود نہیں ہے۔''

مجھے اپنا سینہ کچھ پھولتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے لیے یہ واقعی عزت و افتخار کی بات تھی کہ اپنے دشمنوں کی طرف سے بدترین اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے باوجود میں اپنوں کی نظر میں آخر کار عزت و احترام کا حقدار گردانا گیا تھا۔ وہ خفیہ سرکاری اعتراف میری برسوں کی جاں سوز اور زہرہ گداز جدوجہد کا ثمر تھا۔ اندر کی ٹوٹ پھوٹ اور محرومی کے پرخلش احساس سے مجھے یک بہ یک نجات مل گئی۔ وہ دونوں میرے جگری دوستوں کی حیثیت سے نہیں، ایک خفیہ سرکاری وفد کی صورت میں میری معاونت کے لیے آئے تھے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اس کٹھن موڑ پر میرے ملک کے بڑوں کو میری دست گیری کا خیال آ گیا تھا۔ مجھے بس ایک خلش رہ گئی تھی۔ وہ دوفنری وفد مجھے حالات کے بھنور سے نکالنے کے لیے آیا تھا مگر میری اپنے وطن واپسی کا دروازہ پھر بھی بند تھا۔ اس بارے میں اول خان کی طویل تقریر نے بھی کسی اور محفوظ مقام پر منتقلی کی خبر سنائی تھی منزل کے طور پر پاکستان کا نام کہیں نہیں آیا تھا۔

ایس ٹی ایف پاکستان میں پنپ رہی تھی۔ اس کی حیثیت وہ تھی جو ہر چند کہیں ہے کہ مگر نہیں ہے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کا کام سامنے آتا تھا' ریکارڈ پر اس کا وجود نہیں ملتا تھا۔ امریکیوں کو اپنے خفیہ ذرائع سے سب کچھ معلوم تھا۔ ایس ٹی ایف پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی مگر اپنی گونا گوں سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے وہ سرکاری سطح پر اس کا اظہار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنے دشمنوں کے لیے ایک ٹھوس وجود تھا۔ جسے وہ پیس کر ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے تھے۔ میرے لگائے ہوئے زخم ان کے دلوں، جسموں اور فائلوں میں رستے رہتے تھے، وہ میرے خون کے پیاسے تھے، ان کے خون آشام ایجنٹ ہر طرف میری بو سونگھتے پھرتے تھے۔ ان حالات میں پاکستان میں میرا وجود نہیں پنپ سکتا تھا۔ افق تاریک تھا۔ مجھے اپنے اس کرب کا کوئی درماں نظر نہیں آ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی میں مجھے یاد آیا کہ اول خان نے سب کی خیریت معلوم کرنے کے باوجود غزالہ کے حوالے سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ میں نے بھی کوئی ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اب کسی نہ کسی طرح میرے کام کو مانا گیا ہے۔ دوسری خوشی یہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہے کہ تم اور جلال یکجا نظر آ رہے ہو۔ تم دونوں کے درمیان ہمیشہ کچھ فاصلہ رہا ہے۔ کبھی ایک دوسرے سے گھل مل نہیں سکے۔''

''وہ نک چڑھا افسر مشہور ہے۔ بڑوں کی بے جا ناز برداری میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں خود ہی محتاط رہا۔ اس سفر میں مجھے اس کے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ وہ بہت کھلے دل اور دماغ کا مالک ہے۔ طبیعت کا کھرا اور صاف گو ہے۔ اس لیے دور سے کچھ اکھڑ سا نظر آتا ہے۔''

''غنیمت ہے کہ اس سفر کے طفیل تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی۔ تم دونوں کے مراسم کی سرد مہری میرے لیے کبھی بھی پریشانی کا سبب بنتی رہی ہے۔ شاید اب یہ رفع ہو جائے۔''

''اوہ..... تمہارا لایا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جلال بھوکا ہے، اسے بلا لینا چاہیے۔'' اول خان کو اچانک یاد آ گیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر ہم کھانے کو بھول گئے تھے۔

جلال فوری طور پر آ گیا۔ میں کسی کی نیند میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر مجھے اپنے تینوں ساتھیوں کی فکر تھی۔ میری طرح وہ بھی بھوکے تھے۔ انٹر کام کی گھنٹی نیند میں خلل ڈالتی میں ان دونوں سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ چابی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ تینوں متوحش انداز میں وہیں جمع تھے۔

''تم خاموشی سے کہاں غائب ہو گئے تھے..... تم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا!''

''آپ کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی میرے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی!''

''میں تمہارے ساتھ تھا، کہیں جانا تھا تو کم از کم مجھے تو بتا دیتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔ اتنی رات کو کہاں نکل گئے تھے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی شکایتیں سنیں۔ ان کا بارود ختم ہونے کے بعد میں نے رسان سے کہا۔ ''میں کوئی شیر خوار نہیں ہوں.....''

''وہ بھی آ جائے گا۔'' ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔ چار سو پندرہ نمبر کمرے میں حیرتیں تمہاری منتظر ہیں!'' یہ کہہ کر میں دوبارہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''حیرتیں کیا ہوں گی۔ زیادہ سے زیادہ جلال آ گیا ہوگا!'' مجھے اپنے عقب میں ویرا کی اونچی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ بدحواس ہونے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

''اس کے آ جانے کا مطلب ہے کہ کل ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔'' اول خان نے ویرا کے تبصرے کے جواب میں رائے زنی کی۔

''کل بہت دور ہے۔ آج کی بات کرو۔ رات کے بارہ بجے نیا دن شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں!'' غزالہ نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔

میں نے اس مختصر سے جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی تو اول خان نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی تینوں اپنی بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں پر قابو نہ رکھ سکے۔

کمرے میں پہنچے تو کھانے کا سامان میز پر لگا ہوا تھا مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ سب بہت تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ خیر سگالی کا بھرپور اظہار ہوا پھر اول خان پر سوالات کا حملہ شروع ہو گیا۔ تینوں کے لیے جلال کی آمد متوقع تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اول خان اچانک نوم پنھہ کیسے پہنچ گیا۔

''کھانا کھاؤ!'' جلال نے لقمہ لینے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ''سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ یہ باتیں کھانے کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔''

نیند اور بھوک پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بھوک کی نقاہت ہر چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ سب جلال کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں اول خان نے اختصار کے ساتھ ان تینوں کو اپنی اچانک آمد کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''سارا مسئلہ نئے پاسپورٹوں کا تھا۔'' ویرا لقمہ چباتے ہوئے بولی۔ ''وہ مل جائے تو ہم لوگ خاموشی کے ساتھ کہیں بھی نکل جاتے۔ تم دونوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''ہمارا آنا ناگزیر تھا کہ بعض معاملات طے ہو سکیں۔'' جلال نے کہا۔ ''ویسے بھی تم اسے خیر سگالی کا سرکاری اظہار سمجھ سکتی ہو۔ تم لوگوں کی بے لوث خدمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔''

''شاید راجن کی موت اہم ترین موڑ ثابت ہوئی ہے۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''سوبھراج ملک کے لیے اہم ترین مسئلہ تھا۔ بات وہیں سے چلی تھی۔ اسے عدالت میں لایا جاتا تو نہ جانے کن کن پردہ نشینوں کے نام سامنے آتے۔ پورا ملک ایک خوفناک سیاسی بحران کی لپیٹ میں آ جاتا۔ کئی دنوں تک اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

میں کسی کو یقین نہیں آسکا کہ سوبھراج اتنی رازداری سے مارا گیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''اس میں میرے ارادے سے زیادہ راجن کی مجبوری کا دخل تھا۔ امریکی فوجیوں سے بولے ہوئے جھوٹ کو نبھانے کے لیے اس نے سوبھراج کے باقیات کو نرائن پرشاد کی ہڈیاں قرار دے دیا۔ وہ شور مچا دیتا تو سوبھراج کو مروانے کا الزام تم لوگوں کے سر آجاتا۔'' میں نے کہا۔

''اسباب کچھ بھی رہے ہوں، اس کے خاتمے میں تمہارا کردار بہت اہم تھا۔ وہاں سے اسلام آباد کی سوچ میں تبدیلی آئی اور ہم سے تمہارے بارے میں سارا ریکارڈ طلب کرلیا گیا۔ وہ قصہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک راجن کی موت کی خبر نے وہاں ایک دھماکا کردیا۔ وہ مدت سے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔''

''کچھ بھی ہو، یہ بڑی بات ہے کہ آج تم دونوں سرکاری حیثیت میں ہم سب کے پاس آئے ہو۔'' ویرا نے پوری بات سمجھنے کے بعد اعتراف کیا۔

کھانے کا دور مختصر رہا۔ میں اپنے حساب سے خاصا سامان لایا تھا لیکن میز پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ سب کو اتنا سہارا ضرور مل گیا تھا کہ سکون سے صبح کے ناشتے کا انتظار کیا جاسکے۔

کھانے کے بعد باتوں کا دور شروع ہوگیا۔ گزرے ہوئے واقعات دہرائے جارہے تھے یا مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال ان باتوں میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے پراسرار سی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ساتھ نہیں تھا' کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اس کی تفکر آمیز خاموشی میرے لیے پریشان کن تھی۔

''اب ایک سنجیدہ مسئلے پر تمہاری رائے درکار ہے۔'' ایک مرحلے پر میں نے موقع پاکر جلال سے کہا۔ ''سلطان شاہ کی نظروں میں تمہاری ذات مشورے کے لیے.....''

سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''وہ میرا مسئلہ ہے، میں تخلیے میں خود بات کرلوں گا۔''

''میں ضرور وقت دوں گا۔'' جلال نے گمبھیر لہجے میں اسے یقین دہانی کرائی۔ ''فی الحال ڈینی سے میں تخلیے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ فیصلہ کن امور پر کچھ طے ہوجانا چاہیے۔''

جلال کے لہجے میں کوئی عجیب سی بات تھی۔ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس کا اشارہ بہت واضح تھا۔ چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے اول خان کو وہیں روک لیا۔ تینوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

جلال نے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لیا مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ تلاش کررہا تھا۔ میری اور اول خان کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''ایک مدت کے بعد یہ مرحلہ آیا ہے کہ سب کچھ ختم ہوگیا۔'' اس نے دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ ''تم نے اپنی ذمے داریوں سے زیادہ کام پورے کرلیے ہیں۔ تمہارے سامنے کوئی حریف باقی نہیں رہا۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم موڑ ہے.....''

''تم بھول رہے ہو کہ امریکی بھیڑیے آج بھی میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔'' میں نے قطع کلامی کرکے اس کی تصحیح کی۔

''میں اسی طرف آرہا تھا۔'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تحمل سے کہا۔ ''یہ تمہاری زندگی کا اہم بلکہ اہم ترین موڑ ہے۔ کچھ دنوں میں تم صاحب اولاد ہوجاؤ گے۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم سکون اور عافیت کی زندگی گزار کر اپنے گھربار پر توجہ دینا چاہتے ہو یا عمر بھر یوں ہی اپنے دشمنوں سے لڑتے اور بھاگتے رہو گے۔ یہ یاد رکھو کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ قانون کبھی تمہارا مددگار نہیں ہوسکتا۔ دشمنوں نے تمہارے خلاف اتنی لمبی فردِ جرم تیار کی ہوئی ہے کہ دنیا کے کسی ملک کا قانون تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ اس میں گیری کے قتل کا اضافہ بھی ہوجائے گا۔ تم کو اپنی لڑائی خود لڑنا ہوگی۔''

اس نے وہ سب کہہ ڈالا جو میرے ذہن میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے یہ واضح کردیا کہ امریکیوں کے سوا میں نے اس وقت تک سب سے اپنا حساب بے باق کرلیا تھا۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور میں نے بے ساختہ کہا۔ ''جلال میں تھک گیا ہوں۔ تمہاری اور اول خان کی طرح مجھے قانون یا کسی فورس کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اپنے جیسوں کو میں نے لڑ کر گرادیا۔ بڑھتے ہوئے امریکی عزائم کی بیخ کنی مجھے اپنے بس سے باہر کی بات نظر آتی ہے۔ میں اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں۔ مجھے پاکستان کی خاک عزیز ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا انجام اسی مٹی میں ہو۔ غریب الوطنی کی موت کے تصور سے میرا رواں رواں کانپ

Downloaded from https://paksociety.com

اٹھتا ہے۔ کسی طرح مجھے پاکستان جانے کا پروانہ دلا دو۔''

اول خان خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے جلال کی زبان سے میرے صاحب اولاد ہونے کے تذکرے کو ایک دعائیہ فقرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

''میں اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ وطن واپسی کی ایک شرط بہت کڑی ہے۔ تم کو اپنا نام ترک کرنا ہوگا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''جلال! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے تڑپ کر احتجاج کیا۔ ''تم مجھ سے میری شناخت چھین لینا چاہتے ہو..... اس سے بہتر ہے کہ تم مجھے مار کر اپنے ہاتھوں سے کہیں دفن کر دو۔ نام ہی میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ میرا ماضی میرے نام سے وابستہ ہے۔ نام کھو کر میں کس چیز پر فخر کروں گا، غزالہ کی کوکھ میں پرورش پانے والے بچے کو میں چند برسوں بعد کیا بتاؤں گا کہ اس کا باپ کون ہے اور ماضی میں کیا کرتا رہا ہے..... جلال! یہ بہت بڑی قیمت ہے۔ مجھے بالکل مفلس اور بے نام نہ کرو، وہ مانگو جو میں دے سکتا ہوں۔ تمہاری مانگی ہوئی قیمت ادا کرنا میری بساط سے باہر ہے۔''

وہ ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا اور خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ میرے چپ ہو جانے کے بعد لمحہ بھر کے لیے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جس میں مجھے اپنے دل کی تیز دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں پھر جلال نے کمزور لہجے میں زبان کھولی۔ ''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ ٹھنڈے دل سے میری تجویز پر غور کرو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھیننا چاہتا۔ سب جوں کا توں رہے گا۔ اپنے لہو کے پیاسوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈینی یا تنویر علی کے بجائے تم قمر علی بن جاؤ گے۔ بیم گن اور زہر بھری انگوٹھیاں ایک بھولا ہوا خواب بن جائیں گی اس ذرا سے سمجھوتے کے عوض تم پاکستان میں سکھ چین کی آزادانہ زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے نئے نام پر وزارت خارجہ اور ہوم ڈپارٹمنٹ نے اپنے اپنے سیکرٹ فنڈز سے پانچ پانچ لاکھ روپے کے دو الگ الگ انعامی ڈرافٹ دیے ہیں۔ تم کو آرام اور آسایش کی زندگی گزارنے کے لیے پاکستان کے ہر حصے میں بھرپور تعاون فراہم کیا جائے گا۔ تم اچھی طرح سوچ لو۔ یہ کوئی بڑی قیمت نہیں ہے۔ کسی مراعت کے بغیر چھپ کر زندہ رہنے کے لیے حکمراں اپنے نام بدلتے رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ اب یا کبھی نہیں والا مرحلہ درپیش ہے۔ میرے ہاتھ میں آخری کارڈ رہ گیا ہے۔ تمہارے جواب کے بعد میں اسے کھیلوں گا۔''

''تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ میں نام بدل لوں گا مگر میرے خون آشام دشمن میری تلاش میں لگے رہیں گے۔ ہم ان سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ وہ ہمارے خفیہ راز جان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں کی تصاویر ان کے پاس موجود ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ یہ بھی جان لیں گے کہ قمر علی کے روپ میں ڈینی کو نوازا جا رہا ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو۔ یہ سب نہیں ہوگا۔ تم نے قمر علی بننے کا فیصلہ کر لیا تو کراچی میں ڈینی کی خودکشی کی تصدیق ہو جائے گی۔ تمہارے انکار کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ مرنے والے کی اصلیت بے نقاب کر دے گا۔ تمہارے لیے میں نے سب گھر گھاٹ دیکھ کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ میری بار بار کی تاکید بے سبب نہیں تھی۔ تم نے بنکاک میں اپنے نام اور بیم گن کا استعمال چھپا کر میرے مشن کو بہت مضبوط کر دیا۔ اب اسے یوں نہ ٹالو!''

اس کی باتیں بہت الجھی ہوئی تھیں۔ میرے پے در پے سوالوں کے جواب میں جو کچھ سامنے آیا وہ یوں تھا کہ اس نے کراچی میں ڈینی ہونے کے شبہے میں جو دو آدمی پکڑے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے حوالات میں خودکشی کر لی تھی۔

میرے اصرار کے باوجود جلال نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس قیدی کو سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ قانون کی بالادستی اور سربلندی کا علم بردار رہا تھا۔ اپنی حدود میں رہ کر کام کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔ اعتراف کر کے وہ اپنی پیشانی پر یہ داغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو بچانے کے لیے ایک قیدی کو ماورائے عدالت قتل کرا دیا تھا۔

بنکاک سے کسی کو میری موجودگی کی بھنک نہیں مل رہی تھی۔ گیری کے قتل میں ایک عام پستول استعمال ہوا تھا۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اسے ڈینی نے مارا ہے۔ میرا نام بہ دستور پس منظر میں تھا۔

قیدی کی لاش امریکیوں کی نگرانی میں تھی۔ انہوں نے لاش سے چند سالے نکال کر ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے فوری طور پر امریکا بھجوا دیے تھے۔ مواز نے کے لیے انہیں ڈینی کے کسی قریبی عزیز خون کے رشتے دار کے جسم کا نمونہ درکار تھا۔ میں قمر علی بننے پر آمادہ ہو جاتا تو جلال یہ بندوبست کر کے آیا تھا کہ مرنے والے قیدی کے کسی عزیز کے بدن سے نمونہ حاصل کر کے مکمل رازداری کے ساتھ یہ کہہ کر امریکی حکام کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ میرے رشتے دار کا نمونہ تھا۔ ڈی این اے ٹیسٹ دونوں نمونوں کے یکساں ہونے کی تصدیق کر دیتا۔ وہ سند بن جاتی کہ ڈینی نے اپنے انجام سے

Downloaded from https://paksociety.com

مایوس ہو کر حوالات میں خودکشی کر لی۔ امریکی اطمینان کا سانس لیتے، فائلیں بند ہو جاتیں اور میری تلاش کی دیوانہ وار کوششیں دم توڑ جاتیں۔ میں قمر علی کے نام سے اپنی بقیہ زندگی بے فکر ہو کر گزار سکتا تھا۔

جلال کی تجویز بہت بھرپور تھی۔ اس کا آخری کارڈ ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے دوسرے نمونے کی فراہمی کا تھا۔ اس کے آدمیوں نے سر توڑ کوششوں کے بعد مرنے والے قیدی کے ایک بھتیجے کا سراغ لگا لیا تھا جو اوکاڑہ میں گداگری کر رہا تھا اور اپنے چچا کے عبرت ناک انجام سے بے خبر تھا۔

اس سے گفتگو کے دوران میرا ذہن اس تجویز پر مسلسل کام کرتا رہا۔ اسے قبول کرنے کے بعد میرے لیے ضروری ہوتا کہ میں زندگی بھر کوئی ایسا کام نہ کروں جس کی وجہ سے ڈینی کا نام دوبارہ زندہ ہو۔

میں غزالہ کے ساتھ سکھ چین کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتا تھا مگر ویرا کا کیا بنتا۔ میری طرح وہ بھی امریکیوں کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

سیسو پھون میں پچھلی صبح مجھ سے گفتگو ہونے کے بعد جلال نے ویرا کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اور سلطان شاہ کے ازدواجی رشتے میں ویرا کی عافیت مضمر تھی۔ اسے علم تھا کہ سلطان شاہ معاشی مسائل اور بے روزگاری سے تنگ آ کر کراچی آیا تھا۔ وہاں اس نے ٹرکوں کے مستری کی حیثیت سے نوکری کا آغاز کیا پھر وہ یوں میری نظروں میں آیا کہ میرے گھر کا ایک فرد بن کر رہ گیا۔

ویرا مسلمان ہو چکی تھی۔ رسمی طور پر اس کے نام کی تبدیلی ناگزیر ہو گئی تھی۔ جلال نے کوثر خان کے نام سے اس کا نیا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو مناسب مالی مدد فراہم کر دی جاتی تو وہ شادی کے بعد ویرا کو اپنے ساتھ لے کر آسانی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں کوئی موزوں کام شروع کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں عورتوں کے کھلتے ہوئے رنگ روپ کے سبب ویرا آسانی سے مقامی معاشرے کا ایک حصہ بن جاتی۔ اس کے ہم وطن سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جیسی طرار اور آزاد خیال لڑکی کسی پاکستانی سے شادی کر کے ایک گاؤں میں زندگی بسر کر رہی ہو گی۔ ویسے بھی اس علاقے میں غیر ملکی تو درکنار کسی بھی اجنبی کا داخلہ ناممکن تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے متضاد معاشرتی قرینوں کی وجہ سے اول خان کے کچھ تحفظات تھے۔ اس نے ان دونوں کے رویوں کا کبھی غور سے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے نکتہ نظر سے اس تجویز کی مخالفت میں ہم دونوں سے خاصی بحث کی اور آخر کار ہم اسے اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہماری گفتگو کے دوران اول خان پر بار بار حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ اس نے کراچی سے نوم پنھ تک جلال کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلال کی خوش خلقی اور ملنساری کا اعتراف کر چکا تھا مگر جلال نے سرپرائز دینے کے چکر میں اس سے کافی باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔

غزالہ کی ماں بننے کی اطلاع اور ویرا کے مسلمان ہونے کی خبر اس کے لیے نہایت مسرت افزا ثابت ہوئی۔ گرما گرم گفتگو کی جذباتی فضا میں اول خان نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی لیکن فضا خوشگوار ہوتے ہی اس نے دل کھول کر مجھے مبارکباد دی۔ اس کی دانست میں ویرا کے قبولِ اسلام میں میرا کافی دخل تھا۔

''ساری باتیں ہو گئیں، تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔'' جلال نے سخت ذہنی دباؤ کے عالم میں تیسری سگریٹ ختم کر کے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات خاموشی ہی رضامندی ہوتی ہے۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔ میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر میرے لیے ایسی پر پیچ راہ نکالی ہے۔'' میں نے سر جھکا کے اس کے سوال کا جواب دیا۔ ''رضامند ہونے کے بعد ہی میں نے ویرا کے مستقبل کا سوال اٹھایا تھا مجھے اپنی ذات سے زیادہ ان لوگوں کے تحفظ کی فکر ہے جو میرے ایک اشارے پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے میرا ساتھ دینے چلے آ رہے ہیں۔''

''تم نے دل میں فیصلہ کیا ہو گا۔ مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' جلال کے ہونٹوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''اب میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ تمہاری طرح میں بھی سب کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہوں۔ کل صبح تم نے ویرا اور سلطان کی شادی کا مسئلہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج میں خود یہی تجویز پیش کرتا۔ میری نظروں میں ویرا کا رتبہ کسی جلاوطن شہزادی سے کم نہیں ہے۔ اس نے تم لوگوں کے لیے سب کچھ بلکہ حد یہ ہے کہ اپنا آبائی مذہب تک چھوڑ دیا۔''

اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک پتلا سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، میں نے لفافے میں سے قمر علی کے نام پر بنے ہوئے پانچ پانچ لاکھ کے دو سرکاری ڈرافٹ نکال لیے۔

''ان میں سے ایک ویرا کے نام پر ہونا چاہیے تھا۔'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے بوجھل دل سے کہا۔

''یہ تمہارے ہیں۔ اسے اور سلطان کو پاکستان پہنچنے پر بہت کچھ مل جائے گا۔''

وہ بس لمحوں کی بات تھی۔ جلال سے گفتگو ہونے تک میں جلاوطنی کے عذاب میں مبتلا تھا۔ مستقبل کے ان جانے خوف اور وسوسوں نے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نوم بہہ سے نکل کر کہاں جاؤں گا، کون میرا مددگار رہے گا۔ اس سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہوگئے تھے۔ اس نے اچھا کیا کہ ان تینوں کو رخصت کردیا۔ ان کی موجودگی میں یک سوئی سے مذاکرات نہیں ہوسکتے تھے بات بات پر سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے اور اصل مسائل کھٹائی میں پڑ جاتے۔ میں نے جم کر اس سے ہر پہلو پر بات کرلی تھی۔ آنے والے دنوں کے بارے میں میرا ذہن صاف ہوچکا تھا۔

''تم کوگیری کے بارے میں کوئی خیر خبر ہے!'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''بنکاک سے طارق نے رپورٹ دی تھی۔ فی الحال اس کی تلاش جاری ہے۔ سوچا جارہا ہے کہ وہ اپنی گاڑی خراب ہونے کے بعد کسی سے لفٹ لے کر کہیں بھٹک گیا ہوگا۔'' اس نے بتایا ''اس کے انجام کے بارے میں سب بے خبر ہیں۔''

''ڈان کے کیمپ کی کیا خبریں ہیں.....؟'' اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہونے کا بعد میرا ذہن بنکاک کی طرف بھٹک گیا۔

''طارق کے لیے وہ غیر متعلق فریق ہے۔ خاص معاملات پر وہ خود نگاہ رکھتا ہے۔ کوئی غیر معمولی خبر ہوتی تو وہ ضرور اپنے افسر کو اطلاع دیتا۔''

''ہوسکے تو کسی طرح اسے پیغام دے دو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری گم شدگی کی خبر ملنے پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ اسے میں شاید عمر بھر فراموش نہیں کرسکوں گا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''وقت بہت سفّاک ہوتا ہے۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا۔ ''دھیرے دھیرے سب کو بھلا دیتا ہے، حد یہ ہے کہ لوگ اپنے پیاروں کو مٹی دے کر کچھ دنوں بعد بھول جاتے ہیں۔ ان کی قبروں کو گیدڑ اور کتے کھود ڈالتے ہیں۔ پھر وہ قبریں بیٹھ جاتی ہیں۔ انہیں نئے آنے والوں کے لیے تیار کرلیا جاتا ہے.....''

''اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔'' جلال نے متانت کے ساتھ مجھے مشورہ دیا۔ ''کسی وقت تم اپنے تاب ناک ماضی کے سحر میں گرفتار ہوگئے تو ساری مشق رائگاں جائے گی۔''

''ماضی کچی ڈور سے بندھا ہوا رشتہ نہیں ہوتا جو ذرا سے اشارے سے ٹوٹ جائے۔'' میں نے جواب دیا ''یہ تعلق رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگا۔ ابھی ماضی کی کئی یادیں تشنہ ہیں۔ جیسے جیسے خیال آتا رہے گا۔ وہ باتیں بھی زبان پر آتی رہیں گی۔''

''گیری کو مار کر تم نے ہر قصہ سمیٹ دیا۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟'' جلال نے پوچھا۔

''گوادر جانے والوں کے انجام کے بارے میں اول خان نے بتادیا۔ ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں ملی جنہیں راجن نے ساہیوال کی طرف بھیجا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ ان کے گرد مضبوط جال پھیلا دیا گیا ہے۔ دہشت گردوں کی عدالت میں پیشی کے موقع پر وہ اپنی کارروائی کریں گے اور پکڑے جائیں گے۔'' جلال نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میرا ایک مشورہ ہے، مانو تو پیش کروں!''

''میں نے آج تک تمہاری کوئی معقول بات نہیں ٹالی۔''

جلال دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نامعقول باتیں بھی کرتا رہا ہوں۔''

''ضروری نہیں کہ یہی دو مطلب ہوں۔ کم معقول باتوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے..... تم یہ بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔''

''تم نے بہت بھرپور اور دلچسپ زندگی گزاری ہے۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیاسی مفادات کے لیے بڑی طاقت کس طرح موت کی سوداگری کررہی ہے۔ دوسروں کے استفادے کے لیے تم کو اپنی سرگزشت قلم بند کرنی چاہیے۔'' جلال نے کہا۔

''زبردست مشورہ ہے۔ تمہاری کہانی اتنی پُرپیچ ہے کہ ہزاروں صفحات پر پھیل جائے گی۔'' اول خان نے اس کی پُرزور تائید کی۔

''یہ میری فطرت اور مزاج کے خلاف ہوگا کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر دن رات اپنی کہانی لکھتا رہوں۔ کسی اچھے رسالے کے اچھے مدیر سے ملاقات ہوگئی تو شاید کوئی قسط وار سلسلہ شروع کردوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''اس کے لیے بھی تمہاری شرائط ہوں گی!'' اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ عام سی باتیں ہیں، ادارت ہو یا زندگی کا کوئی اور

Downloaded from https://paksociety.com

شعبہ، آدمی کی فطرت میں خباثت موجود ہو تو دوسروں کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہے۔ طویل رشتے درمیان میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ دونوں طرف نیک نیتی کارفرما ہو تو ہر کام سکھ چین سے برسوں چلتا رہتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی'' میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کر سکوں۔''

یہ ان دونوں سے کیا ہوا وعدہ تھا یا میرے دل میں بھرا ہوا غبار کہ میں نے پوری دل سوزی سے سب کچھ کاغذ پر منتقل کر دیا اور کسی نہ کسی صورت میں دوسروں تک پہنچا دیا۔

وہ دونوں آرام کے موڈ میں تھے۔ مشاورت مکمل ہو چکی تھی۔ اس کی روشنی میں فیصلے کیے جا چکے تھے جنہیں غزالہ بے چون و چرا تسلیم کر لیتی۔ اصل مرحلہ ویرا اور سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ وہ اسے بعد کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہے تھے۔

ان دونوں سے نوم پہنچ میں وہ میری پہلی ملاقات تھی۔ جلال نے تخلیے کی خواہش ظاہر کر کے ان تینوں کو متجسس کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی ایک کمرے میں سر جوڑے اپنی طلبی یا میری واپسی کا شدت سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ میرے لوٹتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور میرے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہو جاتا۔ ان کے لیے میری بات میں زیادہ وزن نہ ہوتا۔ انہیں علم ہو چکا تھا کہ اول خان اور جلال اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ اوپر کے حکم پر ایک سرکاری وفد بن کر نوم پہنچ آئے ہیں۔ ان دونوں میں جلال سینئر تھا۔ اس کی زبان سے جاری ہونے والی ہدایات پر بحث کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اور معاملہ سکون سے نمٹ جاتا۔

اس وقت اہم ترین مسئلہ سلطان شاہ کی رضامندی کا تھا۔ میں نے جلال سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے گھبرا کر مجھے روک دیا۔ اس بارے میں جلال مکمل طور پر میرا ہم خیال تھا۔ میری دانست میں بہتر یہی تھا کہ وہ اپنا معاملہ براہِ راست جلال کے ساتھ طے کر لے۔

ان دونوں نے میرا نکتہ نظر مان لیا۔ ویرا کے کمرے میں انٹر کام کی کئی گھنٹیاں بجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا تو میں نے اپنے کمرے کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر ویرا کی آواز آئی۔ میں نے اسے غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ جلال کے کمرے میں پہنچنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھ دیا۔

''تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی ہے۔'' میں نے جلال کو بتایا۔'' اس کیفیت میں تم بہت نرم خو اور ملنسار جو نظر آتے ہو۔ تمہارا گمبھیر چہرہ ان دونوں کو فضول گوئی سے روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، اپنی کرسی میں پہلو بدلا اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ اس لمحے وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔

''معاملات بہت خطرناک رخ پر آ گئے ہیں۔'' ان کے بیٹھ جانے کے بعد جلال نے خشک لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''جب تک میں بے بس نہیں ہوا تھا۔ سب کو اپنے اپنے انداز میں ملک و قوم کی خدمت کرنے کی پوری آزادی تھی لیکن ڈینی اور ویرا کے گرد دشمن کا گھیرا دن بہ دن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم دونوں کا موجودہ حالات میں دشمنوں سے بچنا محال نظر آ رہا ہے۔ طے یہ ہوا ہے کہ اب ویرا اور ڈینی متروک نام ہوں گے جنہیں بھول کر بھی زبان پر نہیں لایا جائے گا۔ ڈینی کے نام پر کراچی کے لاک اپ میں ایک قیدی نے خودکشی کر لی ہے، ویرا کا پتا چل چکی ہے۔ تمہارا نام قمر علی، کوثر خان، صمد خان اور رعنا خاتون ہوں گے۔ تمہارے نئے پاسپورٹ ان ناموں سے بنے ہیں۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس میں سے پاسپورٹوں کا بھاری لفافہ نکالا اور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

ڈینی کو قمر علی بن کر رہنا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور میں بھی پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا کیونکہ اس نے طے شدہ امور میں ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا تھا جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آ سکی تھیں۔

''یہ مجبوری ہے کیونکہ قمر علی کا نام ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ بقیہ تینوں افراد کو آزادی ہوگی کہ وہ پاکستان پہنچنے کے بعد اپنی پسند کے نام اختیار کر لیں۔ میرا خیال ہے ان پسندیدہ ناموں سے شناختی کارڈ اور دوسرے لوازم فراہم کرنے کا ذمے دار ہوگا تاکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں شناخت کے حوالے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کاغذ پر لکھا ہوا کوئی فرمان پڑھ رہا ہو۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''بیم گن یا کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہیں ہوگا۔ جو ڈینی کی ذات سے منسوب رہ چکا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا مسلمان ہو چکی ہے۔ نام بدلنا اس کی ضرورت بن گیا ہے۔ صمد خان یعنی سلطان شاہ کو اب اپنے والدین کے پاس گاؤں لوٹنا ہوگا۔ وہاں نئے سرے سے کاروبار شروع کرنے کے وسائل فراہم کرنا میرے ذمے ہوگا۔''

اس نے خاموش ہو کر استفہامیہ نظروں سے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے ان کے دلوں کے احوال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تم کو یہ سب قبول ہے؟'' ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''مجبوری ہے!'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اس کے علاوہ وطن لوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسری صورت میں ہم عمر بھر بھاگتے رہیں گے۔ امریکیوں کو جہاں ہماری بو ملے گی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس ہوکر وہیں پہنچ جائیں گے۔ ہم ان کے آدمیوں کو ماریں گے تو دوسرے ان کی جگہ لیتے رہیں گے۔ ہم مارے گئے تو ہماری جگہ لینے والا کوئی ہوگا نہ کوئی ہماری لاشوں کو اٹھانے کے لیے آگے آنے کی ہمت کر سکے گا۔''

''آپس کی باتیں بعد میں کر لینا۔'' جلال نے میری بات مکمل ہونے پر ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''اس وقت مجھ سے بات کرو۔ کچھ دیر تک ستانے کے بعد مجھے باہر نکلنا ہے تاکہ ہم سب آج ہی یہاں سے واپس روانہ ہوسکیں۔''

''میں کوثر خان بن گئی!'' ویرا نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر جلال کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ''یہ تم تینوں کے فیصلے ہیں تو کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔''

''یہ ہمارے فیصلے نہیں ہیں۔ اعلیٰ ترین سطح پر اس ضرورت کا احساس کیا گیا ہے کہ تم سب کو وطن واپس لاکر پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔''

''تم کس وطن کی بات کر رہے ہو.....؟'' میں تو شاید ہمیشہ کے لیے بے وطن ہوچکی ہوں..... مرتے دم تک امریکا نہیں جاسکوں گی۔''

''تمہاری قربانیوں کا سب کو بھرپور اندازہ ہے۔ تمہیں پاکستان کی مکمل شہریت دی جائے گی مگر نئے نام سے۔ اپنے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر کے تم نے مجھے جھنجوڑ دیا ہے۔ یہ ہم لوگوں اور ہماری زمین سے گہری محبت کا آخری ثبوت تھا جو تم نے فراہم کر دیا۔''

''تم اعلیٰ ترین سطح کی بات کر رہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تمہیں پاکستان کے صدر نے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی یا وزیراعظم نے ایسا کہا تھا۔ اشاروں کنایوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''دونوں کو علم ہے کہ تم چاروں بنکاک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔''

''تم پھر گول مول سفارتی زبان استعمال کر رہے ہو۔'' ویرا نے اپنی جھونک میں جلال کی سنجیدگی کو یک سر نظر انداز کر دیا تھا۔ ''میرے سوال کا صاف جواب کیوں نہیں دیتے؟''

''ایس ٹی ایف صدر کی تخلیق ہے۔ اس کا سربراہ صرف اسی کو جواب دہ ہے۔ اول خان کی میرے ساتھ موجودگی سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ پس پردہ ہدایات کون دے رہا ہے۔'' جلال نے قدرے توقف کے بعد کہا اور ویرا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ آئی۔

''کچھ نہ بتا کر بھی تم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تمہاری حکومت مجھے مکمل شہریت دے دے گی۔ پاکستان میں شہری حقوق کی بے رحمانہ پامالی کے واقعات میں اخبارات میں پڑھتی اور ٹیلی ویژن پر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ ایسے معاشرے مجھ جیسی اکیلی عورت کا کیا مستقبل ہوگا۔ قمر اور رعنا کے لیے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ یہ اپنی نئی دنیا میں مگن ہوجائیں گے میں کہاں جاؤں گی۔''

ویرا کے سوال نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے بہت ہوش مندی سے میری سرپرستی قبول کر کے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا تھا مگر وہ اپنے بارے میں سلطان شاہ کے تذبذب کی عینی شاہد تھی۔ اسے کسی بہلاوے میں الجھانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہمارے سامنے کی بات تھی کہ سلطان شاہ نے اپنا معاملہ جلال کی آمد تک ملتوی کیا تھا۔ وہ آچکا تھا۔ ویرا کے لیے مزید انتظار ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس صبر آزما انتظار میں اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔ اس نے جلال کو براہ راست اپنی زد پر لے لیا۔

ہم میں سے کسی کے پاس ویرا کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سب کی نظریں یکا یک سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

اس نے میری تیز سوالیہ نگاہوں سے بوکھلا کر باری باری دوسروں کی طرف دیکھا۔ سب کسی امید کے سہارے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تم سب میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔ ''میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''میری طرف دیکھو!'' جال کی دھیمی مگر بارعب آواز گونجی۔ ''جانتے ہو کہ زمین پر مرد اور عورت کی تخلیق کیوں کی گئی؟''

سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح اس کا چہرہ تکتا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اسے امید نہیں تھی کہ جلال براہ راست اسے مخاطب کر بیٹھے گا۔

''صرف اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت

Downloaded from http://paksociety.com

ہیں۔'' جلال نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا۔ ''ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے رہتے ہیں۔ تم جوان اور ہوش مند ہو۔ تم نے اپنے زور بازو سے اپنے اور ڈنی کے دشمنوں کے دانت کھٹے کئے ہیں۔ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ تم کو اپنی عورت کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف تمہاری ہو.....''

اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے کی پل پل بدلتی ہوئی رنگت سے اس کے دل کا حال بھانپ رہا تھا۔ لوہا گرم دیکھ کر اس نے پھر چوٹ لگائی۔ ''ہماری طرف دیکھو، میں، جلال، قمر..... سب شادی شدہ ہیں۔ میں بھیرہ کے چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ دیہاتی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارے بڑوں نے کسی لڑکی کے بڑوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ تمہارے گاؤں کی کوئی لڑکی آس لگائے تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کر رہی تو تم اسی وقت ہماری صف میں شامل ہو جاؤ.....''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بہ دقت تمام بولا ''صرف میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ دوسرے فریق کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ میں اس بارے میں بارہا سوچ چکا ہوں۔ سوچتا ہوں اور میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اس کی نظروں میں سب کچھ ہیچ ہے۔ یہ شادی سے زندگی تک کو مذاق سمجھتی ہے۔ یہ صرف میرا اقرار سننا چاہتی ہے تاکہ انکار کر کے خوش ہو سکے۔ میں ایک عورت کے سامنے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی سے پوچھو۔ میرا کیا ہے۔ مجھ سے تم سب جو بھی کہو گے، مان لوں گا۔''

ہم سب کی تیز نگاہوں کی زد میں آ کر سلطان شاہ اپنے دل کی بات پہلی بار زبان پر لے آیا۔ اس کی ہچکچاہٹ بے سبب نہیں تھی۔ ویرا کے مزاج کے تلون نے اسے اندر سے خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ بات تل گئی تو وہ حقیقت اگلنے پر مجبور ہو گیا۔

ابتدا سے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی سنجیدہ تعلق استوار نہیں ہو سکا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک کر کے وقت گزارتے رہے۔ انہیں ہر وقت ایک دوسرے کی طرف سے اپنی ٹانگ کھینچے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں باہمی اعتماد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ویرا پھر بھی کھلے دل کی مالک تھی۔ اس نے پنکاک کے سیام پارک میرے سامنے اپنے دل کا سارا غبار اگل کر خود کو اندر سے پھول کی طرح ہلکا کر لیا لیکن سلطان شاہ نے بھول کر بھی کسی سے اپنے دل کی بات نہیں کی۔ اس کی آخری باتیں سن کر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہم سب کے نرغے میں نہ آیا ہوتا تو اس وقت بھی اپنے من کی بات زبان پر نہ لاتا۔ جلال سے وہ ویسے ہی مرعوب رہتا تھا۔ اس سے بے تکلفانہ گفتگو خارج از امکان تھی۔

''دونوں طرف ایک حال ہے۔'' میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا ''دونوں راضی ہیں مگر ایک دوسرے کے انکار سے خوف زدہ تھے۔''

''شاباش!'' جلال نے اٹھ کر مربیانہ انداز میں سلطان شاہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''تم نے ایک مردانہ فیصلہ کر کے ہم سب کے دل جیت لیے..... مجھے تم سے یہی توقع تھی۔''

''میں نے قمر سے کہہ دیا تھا کہ یہ فیصلہ تمہارے آنے پر ہوگا اور ہو گیا۔'' سلطان شاہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔

جلال کی بانہوں سے آزاد ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ سے لپٹ گیا۔ ادھر غزالہ ویرا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے کھڑی تھی اور اول خان بزرگانہ انداز میں ویرا کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا وہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ ایسے فیصلے کچھ جلالی سے ہوتے ہیں۔ رشتوں کے بندھن کی بات آتے ہی جذبات اتنے منہ زور ہو جاتے ہیں کہ فریقین کے دل موم ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں نمی ابھر آتی ہے۔ الفاظ سینوں میں گھٹنے لگتے ہیں بس چہروں کی بشاشت اور رونق خوشی کی مظہر ہوتی ہے۔

''میاں بیوی راضی ہیں، قاضی کہاں ہے؟'' میں نے آواز لگائی۔

''نوم پہم میں اس وقت ڈھونڈنے سے کوئی قاضی نہیں ملے گا۔'' جلال نے فتوا صادر کیا۔ ''بات طے ہو گئی ہے۔ یہ کام کسی بھی وقت ہو جائے گا۔''

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مقدس فریضہ میں انجام دوں گا'' اول خان نے مسرت کے ساتھ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

ویرا سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ کسی بیر بہوٹی کی طرح گلنار ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس میں یکا یک کیا تبدیلی آ گئی۔ اس کی مشرقی ادا میں تصنع کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ غزالہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور دروازے کی طرف لے گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''اسے کہاں لے جارہی ہو..... نکاح ابھی ہوگا۔'' اس نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ لڑکے کے سائڈ وہیں آجائیں۔'' غزالہ شوخی سے جواب دے کر کمرے سے نکل گئی۔

چار مردوں میں ایک دلہا تھا دوسرا قاضی۔ دلہن حوصلہ مند تھی۔ اس کے لیے کسی وکیل کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نکاح کی گواہی کے لیے میں جلال کے ساتھ موجود تھا۔ شرعی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ البتہ شرکا کی ضیافت کے لیے کچھ میسر نہیں تھا۔ دالوں اور سبزیوں کا کچھ دیر پہلے صفایا ہو چکا تھا۔

فوری طور پر روم سروس سے رابطہ کیا گیا۔ اس وقت ٹھنڈے اور گرم مشروبات کے ساتھ صرف بیکری کی اشیا دستیاب تھیں۔ اول خان نے ایک کیک اور کچھ پیسٹریوں کے ساتھ کافی لانے کا آرڈر دے دیا۔

ویٹرس کو بتادیا گیا کہ وہ پندرہ منٹ بعد غزالہ کے کمرے میں سامان پہنچادے۔

ہم چاروں غزالہ کے کمرے پر پہنچے تو دستک کے جواب میں ویرا نے دروازہ کھولا اور تیزی سے پلٹ کر کرسی پر جا بیٹھی۔ غزالہ غائب تھی۔

''رعنا کہاں گئی۔'' میں نے متجسس نظروں سے کمرے اور باتھ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی آنے کا کہہ کر کہیں چلی گئی!'' ویرا نے ہولے سے کہا۔ اس کی ساری شوخی اور طراری رخصت ہو چکی تھی۔

ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یوں بیٹھے بیٹھے بات ان کے نکاح تک پہنچ جائے گی۔ اس وقت ایک اصولی فیصلہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا گیا۔ میں نے محض اس خیال سے فوری نکاح کی حمایت کی کہ کسی تکرار کے نتیجے میں ان میں سے کسی کا ارادہ ڈانواڈول نہ ہوجائے۔

ویرا کے لیے وہ پیش رفت حیرت کا سبب رہی ہوگی۔ شاید اس نے محسوس کیا ہو کہ ہم نے ان تینوں کو اسی ارادے سے جلال کے کمرے میں بلایا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا لیکن غزالہ واپس نہیں لوٹی۔ اس کی طرف سے سب کی تشویش ہو رہی تھی۔ جب ویٹرس کافی نوشی کے لوازم سے لدی ہوئی ٹرالی لے آئی تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ غزالہ آگئی۔

اس کے چہرے پر خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ جھول رہے تھے۔ اس کے وجود کے ساتھ آنے والی مہک سے اندازہ ہوگیا کہ وہ پھول لے کر آئی ہے۔

اس نے کمرے میں آتے ہی ایک تھیلے میں سے بڑا سا ہار نکال کر سلطان شاہ کے گلے میں ڈالا۔ وہ اس کا منہ بولا بھائی تھا۔ کامران کی موت کے بعد وہ اس رشتے کو ترس کر رہ گئی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطان شاہ کو اپنا بھائی بنالیا تھا۔

دلہا کی بلائیں لینے کے بعد اس نے گلاب اور موتیا کے پھولوں سے بنے ہوئے چھوٹے ہار ہم تینوں کو بھی پہنا دیے۔ ایک تھیلا خالی ہوگیا۔ دوسرا تھیلا لے کر وہ ویرا کے ساتھ مسہری پر چڑھ گئی۔

ہم چاروں لمبی اور گہری نیند لے چکے تھے مگر جلال اور اول خان نیند کو تر سے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس مختصر سی تقریب کی تیاریوں میں الجھ کر وہ اپنی تھکن اور نیند کو فراموش کر چکے تھے۔

غزالہ نے کچھ پھول ہوٹل کی فلاور شاپ سے خریدے تھے۔ بقیہ کمی اس نے بازار سے پوری کی۔ وہ کمرا ذرا سی دیر میں خوشبوؤں میں بس گیا۔

وہاں کوئی ناز و نخرے نہیں تھے۔ غزالہ خوشی کے اس موقع پر ویرا کو پھولوں سے لاد دینا چاہتی تھی۔ اس نے بہت پھرتی سے اپنا کام مکمل کرلیا۔ پھولوں کے ہالے میں ویرا ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

اول خان نے سب کی اجازت سے اپنا اہم کام شروع کردیا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ فریقین کے ایجاب و قبول کے بعد اس نے نکاح کا خطبہ شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ وہ خوش الحان بھی تھا۔

مبارک، سلامت کی دعاؤں کے ساتھ کافی نوشی کا دور شروع ہوا۔ خیال آنے پر سلطان شاہ اور ویرا نے مل کر کیک کاٹا۔ دوسرے کمروں میں مقیم مہمانوں کے خیال سے دھیمی تالیاں بجائی گئیں اور وہ چھوٹی سی تقریب اختتام کو پہنچنے لگی۔

ہم سب مسافر تھے، نوم و مہ میں پڑاؤ صرف ایک رات کا تھا۔ رخصتی یا کمرے کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے شوق نے اسی کمرے کو خوشبوؤں میں نہلا کر حجلہ عروسی میں تبدیل کردیا تھا۔ ہم چاروں ویرا اور سلطان شاہ کو الوداعی دعائیں دے کر ان کے کمرے سے نکل آئے۔

ویرا نے کسی ہوٹل میں سلطان شاہ کے ساتھ ایک چھت

Downloaded from https://paksociety.com

کے نیچے رات گزارنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس تجویز پر وہ ہمیشہ بھڑکتی رہی لیکن اس رات وہ نکاح کی بندھن کی اسیر ہو چکی تھی۔ اس کے پاس انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

وہ کوئی احتجاج کیے بغیر، سر جھکائے مسہری پر بیٹھی رہی تھی۔

راہ داری میں جلال اور اول خان ہم سے رخصت ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے خواب ناک اور پراسرار سناٹے میں، میں غزالہ کو لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میری اور غزالہ کی شادی مکاؤ میں ڈان کو انگ فو کے محل میں ہوئی اور وہ دونوں نوم پنہہ میں شادی کے بندھن میں جکڑے گئے۔ ہم نے اپنی شب زفاف ڈان کے شیش محل میں منائی۔ وہ کوئین ہوٹل کے ایک کمرے میں خلوت گزین تھے، مشرق بعید نے ہم چاروں کی ازدواجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

مقدرات کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔ وہ دونوں امریکا جیسے ملک میں شروشکر ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے نہ ہو سکے۔ نوم پنہہ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ سب کھنچ کر وہاں جمع ہوئے اور ذرا سی دیر میں نوشتہ تقدیر ایک حقیقت بن گیا۔

ہم ڈان گو انگ فو کے شیش محل میں نہیں تھے لیکن ایک نو بیاہتا جوڑے کا پڑوس میسر تھا۔ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شب زفاف کی کچھ یادیں تازہ کیں پھر غزالہ تھک ہار کر سو گئی۔ شاید وہ ویرا کے ساتھ رہ کر گہری نیند نہیں لے سکی تھی۔

میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ ذہن میں خیالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ ان میں یہ فکر بھی شامل تھی کہ سلطان شاہ اور ویرا اپنی بگڑی ہوئی عادتوں کو ازدواجی ضابطوں میں کیسے ڈھال سکیں گے۔ اس سوال کا جواب ان سے اگلی ملاقات پر ہی مل سکتا تھا۔

میرے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ کسی اور کو اپنی بے خوابی میں شریک کرنا مناسب نہیں تھا۔ واپسی کے انتظام اور سفر کے لیے جلال اور اول خان کا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

مجھے یکا یک چاؤفان کا خیال آ گیا۔ اس سے ڈان کے بارے میں خیر خبر مل سکتی تھی۔

میرا موبائل فون بہ دستور بے جان تھا۔ میں نے ڈائرکٹری میں بنکاک کا کوڈ تلاش کر کے ہوٹل کی لینڈ لائن سے چاؤفان کا موبائل فون نمبر ملایا تو صبح کے سات بج رہے تھے۔

تیسری گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی چاؤ فان تحیر زدہ آواز میں بولا ''ماسٹر! کیا تم ابھی تک نوم پنہہ میں رکے ہوئے ہو؟''

مجھے شک ہوا کہ ہمارے فرار کی خبر پھیل گئی تھی۔ میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا ''تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں نوم پنہہ میں ہوں!''

''بلان یہی تھا اور میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نمبر دیکھ کر تمہاری کال سنی ہے، نمبروں کے بارے میں میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ابتدائی کوڈ کمبوڈیا اور نوم پنہہ کے تھے، کہو تو میں دیکھ کر تمہارا فون نمبر بھی بتا دوں۔''

''بس رہنے دو.....'' میں نے ہنس کے وہ بات ٹال دی۔ ''وہاں کی کیا خبریں ہیں؟''

''ماسٹر! مجھے سچ سچ بتا دو، گیری کہاں ہے؟'' اس نے یکا یک سوال کر دیا۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ وہ وہیں ڈان کی پارٹی میں تھا۔ کیا وہ کہیں کھو گیا۔'' میں نے کسی قدر بے رخی سے کہا۔ اس کے غیر متوقع مطالبے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

''وہ غائب ہے۔ اس کے سارے ساتھی پریشان ہیں۔ اس کی تلاش کے لیے آج شام ڈان کو تمہاری ضرورت پیش آئی تو تم بھی غائب تھے۔ اب تمہارا خادم کسی بے مغز دیوانے کی طرح شہر اور اس کے مضافات میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔''

''کیا تمہیں گیری کی تلاش نہیں ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''دونوں میں سے ایک بھی مل جائے تو ڈان کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ پاگل ہو رہا ہے۔ اسے صدمہ ہے کہ اس نے تمہارے پاسپورٹوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی تم نکل گئے۔ اس نے غصے میں دونوں پاسپورٹ آتش دان میں پھینک دیے۔''

اس طرف میرا دھیان بھی نہیں تھا۔ اس کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ پاسپورٹ کے ذریعے ڈان کے ہاتھ لگنے والی میری اکلوتی تصویر ضائع ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح میں ایک مرتبہ پھر ایک نام بن کر رہ گیا تھا۔ میری کوئی تصویر بڑے دشمن تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ تمہیں جلد ترقی مل جائے۔''

''ماسٹر! ترقی کی بات مت کرو۔ آج وہ بڑی بڑی

Downloaded from https://paksociety.com

آنکھیں نکال کر مجھ پر یوں غرار ہا تھا کہ میرا دم نکل رہا تھا۔ ترقی تو دور کی بات ہے۔ فی الحال اس کا غصہ اترنا چاہیے۔ اسے ذرا بھی شک ہوگیا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے تو وہ لاتیں مار مار کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔''

''تم فکر نہ کرو.....'' میں نے اسے دلاسا دیا۔'' ہمارا منصوبہ بے داغ تھا۔ سیسو پھون کی طرف آنے جانے والوں کے ذریعے صبح شام میں یہ خبر بنکاک میں گردش کرنے لگے گی کہ نان فینگ نے پھوم فاٹ کے بھیجے ہوئے چار غیر ملکیوں کو نوم پنہہ پہنچایا ہے۔ ڈان کا سارا غصہ پھوم فاٹ کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ تم صاف بچے رہو گے ہوسکتا ہے کہ پھوم فاٹ کے فتنے سے ہمیشہ کے لیے تمہاری اور لی کی جان چھوٹ جائے۔''

''شکر یہ کہ تم نے مجھے یہ بات یاد دلا دی۔'' اس کی آواز ممنونیت سے لبریز ہوگئی۔'' یہ چھپنے والی خبر نہیں ہے، ضرور پھیلے گی۔ ڈان نے میرے اوسان اس طرح خطا کیے کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ میری مانو تو تم بھی نوم پنہہ سے فوراً نکل جاؤ۔ خبر ملتے ہی ڈان نان فینگ کو اٹھوالے گا وہ کچا آدمی ہے۔ ذرا سی مار پڑی تو ڈان کو تمہارے ہوٹل تک لے آئے گا، تم پکڑے گئے تو مجھے بدھا بھی نہیں بچا سکے گا۔''

اس کے خوف پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا، میں نے محض اسی اندیشے کے سد باب کے لیے نان فینگ کے بتائے ہوئے کسی ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ کوئین ہوٹل میں قیام کی تجویز بھی اسی احتیاط کی وجہ سے مسترد کی تھی۔ ویسے بھی ہمیں نوم پنہہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا تھا۔ کوئی گڑبڑ ہونے سے پہلے ہم وہاں سے ہزاروں میل دور نکل گئے ہوتے۔

چاؤفان سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہوگئیں۔ اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ہمیں نوم پنہہ میں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ لیکن کسی بھی وقت خرابی کا آغاز ہوسکتا تھا۔

چاؤفان سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ دو سگریٹ پھونک کر بھی چین نہ آیا تو میں نے آواز بند کر کے ٹیلی ویژن کھول دیا تاکہ رنگین اور متحرک تصویروں سے ہی دل بہلاتا رہوں۔

غزالہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ پچھلی شام لمبی نیند لے لینے کے باوجود اس کی وہ مدہوشی ظاہر کر رہی تھی کہ بنکاک سے نوم پنہہ تک کے طویل سفر نے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔

بستر پر لیٹ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے میں غسل خانے میں جا گھسا۔ ارادہ یہ تھا کہ پوری طرح تیار ہو کر ناشتا کرنے کے لیے نیچے جاؤں گا اور واپسی پر دیکھوں گا کہ بقیہ لوگوں میں سے کون کون بیدار ہو چکا تھا۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ اول خان کی کال آگئی۔ میں نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا تو اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔'' اوہ.....! تم جاگ رہے ہو!''

''میں کوثر اور صمد خان کے نکاح کے بعد ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا..... یہ.....''

میری وضاحت پوری ہونے سے پہلے اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خوش مزاجی سے میری بات اچک لی۔'' یہ ان دونوں کے جاگنے کی رات تھی۔ تم کیوں نہیں سو سکے!''

''سچ پوچھو تو میں اب بھی ان کے لیے فکر مند ہوں۔ دونوں تنک مزاج اور منہ پھٹ ہیں۔'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔'' ان کے درمیان کسی بات پر ٹھن گئی تو یہ زبردستی کی شادی کراچی پہنچتے پہنچتے خطرات سے دوچار ہوجائے گی۔''

''ایسی پریشان کن باتیں نہ سوچو.....'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔'' ویرا بہت سمجھ دار لڑکی ہے، وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد..... تم نے مجھے کن باتوں میں الجھا لیا۔ میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ جلال کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔''

''تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔'' میں نے کہا، اس نے کھلے دل سے اجازت دے دی اور میں اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔

راستے میں میں نے جلال کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور ذرا سی دیر تک جواب کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف پھیلی ہوئی مکمل خاموشی نے اول خان کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کردی، وہاں سے فون کا جواب مل رہا تھا نہ دستک کا۔

میری طرح اول خان بھی تیار تھا۔ وہ ہمیشہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ مجھے بارہا تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر لوٹنے کے باوجود اپنے وقت پر بستر چھوڑ دیتا تھا۔ یہی حال جلال کا بھی تھا۔ وہ ان حرام خور سرکاری افسروں میں سے نہیں تھا جو قوم کے سرمائے سے بھاری تنخواہیں لینے کے باوجود دن چڑھے اپنے دفتروں کا رخ کرتے ہیں اور برائے نام کچھ فائلیں ادھر ادھر کر کے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے خوش گپیاں کرتے ہیں پھر قبل از وقت اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جلال کو حالات کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

میں اپنے کام ادھورے چھوڑ کر ہمارے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ طے ہو جانے کے بعد اس کے دماغ پر واپسی کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کی شادی میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی۔ وہ ایسے وقت ظہور میں آئی جب ہم سب ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے۔ میری دانست میں وہ جلال کی شخصیت کا کمال تھا کہ وہ دونوں کو کسی پس و پیش کے بغیر یکا یک ایک دوسرے سے زیادہ رضامند نظر آنے لگے اور اول خان نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں نکاح کے مقدس رشتے میں باندھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ہر طرف سے آسودہ اور مطمئن ہونے کے بعد جلال خاموشی سے نشستوں کے حصول کے لیے نکل گیا ہوگا۔

میری رائے سن کر اول خان کی تشویش رفع ہو گئی۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ پکا سپاہی تھا۔ معمول سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات سامنے آتے ہی اس کی جنگی جبلت بیدار ہو جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اس کے ذہن میں منفی امکانات کا نزول شروع ہو جاتا۔ وہ ایک سے زائد مواقع پر مجھ سے اعتراف کر چکا تھا کہ دلیری اور ہوشیاری بلکہ مکاری کے ساتھ دشمن سے لڑنا اور یکا یک اور ڈھیر کر دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ باتوں کے داؤ پیچ وغیرہ سے وہ بہت دور تھا۔ اس داؤ پیچ میں حالات کا تجزیہ کر کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ امکانات پر سر کھپانا بھی شامل تھا!

ہم دونوں کو ئین ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ناشتے کے لیے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ سارے لوازم دو میزوں پر خوب صورتی سے ڈھیر تھے مگر مہمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کام سے آئے ہوئے مہمان جلال کی طرح اپنے دھندوں پر نکل چکے تھے۔ چھٹی پر آنے والے شاید اپنے کمروں میں پڑے دیر تک سونے کا مزے لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں نے بڑی میزوں پر سے پلیٹیں اٹھائی ہی تھیں کہ اول خان نے زور سے مجھے کہنی ماری۔ میں نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا اور میری گردن غیر ارادی طور پر اس طرف گھوم گئی جدھر وہ دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے وہ منظر بہت روح پرور اور سکون بخش تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا ہم سے پہلے ایک میز پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بہت لاڈ سے چمچے کے ذریعے گلاب جامن نما کوئی مٹھائی ویرا کو کھلا رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کی تازگی اور بشاشت قابل دید تھی۔ وہ دونوں لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کی ذات میں یوں کھوئے ہوئے تھے جیسے ان کے سوا وہاں کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔

''زیادہ غور سے نہ دیکھو، انہیں نظر نہ لگ جائے'' اول خان نے دھیرے سے کہا ''اب ان کے مرادوں کے دن آئے ہیں۔ اللہ انہیں سدا یوں ہی ایک جان، دو قالب رکھے۔''

ہم اپنی پلیٹوں میں اپنی پسند کی اشیا لے کر دانستہ ایک دور افتادہ میز پر چلے گئے تاکہ ہماری موجودگی ان کے چونچلوں میں حارج نہ ہو۔ انہیں مفاہمت، رواداری اور ایک دوسرے کے لطیف جذبوں کو سمجھنے کے لیے نئی زندگی کی ابتدائی مرحلے میں خلوت کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنے گرد و پیش میں بیٹھے ہوئے اجنبیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سب چند لمحوں کے ساتھی تھے۔ وہاں سے اٹھتے تو شاید زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے سامنا نہ ہوتا۔ ہمیں دیکھ کر وہ فوری طور پر محتاط ہو جاتے۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس وقت کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم جلد ہی وہاں سے نکل گئے۔ ان دونوں کو پتا بھی نہیں چلا کہ ہم وہیں موجود تھے۔ وہ دونوں میز کے گرد یوں جم کر بیٹھے ہوئے تھے جیسے رات کا کھانا بھی اسی میز پر کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ انہیں یوں منہمک اور خوش دیکھ کر میرا دل آسودہ ہو گیا۔

ہمیں ناشتے میں مشکل سے نصف گھنٹا لگا ہوگا۔ نمٹ کر اوپر گئے تو وہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جلال لوٹ آیا تھا۔ اس نے انٹرکام کا استعمال کر کے غزالہ کو اٹھا دیا تھا۔

''سب کہاں غائب تھے۔'' ہمیں دیکھتے ہی وہ بولائے ہوئے انداز میں بولا ''صمد اور کوثر ایسے بے سدھ سو رہے ہیں کہ میں فون کر کر کے زچ آ چکا ہوں.....''

''سکون سے کام لو!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟''

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے گھورا پھر الفاظ چبا چبا کر بولا ''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم ایک بچے کی پرواز سے یہاں سے نہ نکلے تو کل تک یہیں پڑے رہیں گے۔''

''کیا نوم پنہہ بین الاقوامی پروازوں کے سلسلے میں اتنا یتیم ہے؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا ''یومیہ صرف ایک پرواز ہے۔''

''یہاں سے براہِ راست کراچی کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں ہے۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا ''بنکاک کی دس پروازیں ہیں۔ تمہاری وجہ سے ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو چکا ہے۔ ڈان کے کسی گرگے نے دیکھ لیا تو آفت آ جائے گی۔ ہانگ کانگ کے لیے صبح سویرے تین پروازیں نکل چکی

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ ایک چھوٹی ایرلائن کی آخری پرواز ایک بجے روانہ ہوگی۔ میں اس کے ٹکٹ لے آیا ہوں۔''

اس کی بات نہایت معقول تھی۔ میں نے غزالہ کو اسی لمحے ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ ہنسوں کے جوڑے کو وہاں سے بلا لائے۔

''ہمیں صرف دو گھنٹے کے لیے ہانگ کانگ میں ٹرانزٹ کرنا ہوگا۔ وہاں سے کیتھی پیسیفک کی پرواز پر کراچی کے لیے نشستیں کنفرم ہو چکی ہیں۔'' کچھ وقفے کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔ ''ہم شام سے پہلے کراچی پہنچ سکتے ہیں۔''

سلطان شاہ اور ویرا کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر سن کر وہ قدرے پرسکون ہو چکا تھا۔ وہ اوپر آتے ہی اپنے تھیلے اٹھا کر روانہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت ہم تینوں جلال کے کمرے میں موجود تھے۔ چند منٹ میں بقیہ نفری بھی آ گئی۔ سلطان شاہ حیران تھا کہ ہمیں اس کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر کیسے ملی؟ وہ کسی وضاحت یا مذاق کا وقت نہیں تھا۔ ان دونوں کو صورتِ حال کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے کمرے میں جا گھسے۔ میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں ویرا کی زبان کی تیزی اور طراری کو قرار آ چکا تھا۔ وہ کوئی حجت کیے بغیر سلطان شاہ کے اشاروں پر عمل کر رہی تھی۔

میں نے پچھلی شام ہوٹل کے کاؤنٹر پر پانچویں ساتھی کی آمد کا عذر پیش کر کے اپنے کوائف ادھورے چھوڑ دیے تھے۔ فارم پر ذہن میں آنے والے نام الل ٹپ لکھ دیے تھے جو ہمارے لیے آنے والے پاسپورٹوں سے مختلف تھے۔ ہوٹل چھوڑتے ہوئے وہ قصہ اٹھانا لازم تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہم دو دو کی ٹولیوں میں وہاں سے نکلیں۔

ٹولیاں قدرتی طور پر وجود میں آ چکی تھیں۔ پہلے جلال اور اول خان نے لفٹ کا رخ کیا۔ ان کو اپنا حساب بے باق کر کے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنا تھا۔ ان کے بعد نئے جوڑے کی باری آئی۔ انہیں اپنی چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے نکل جانا تھا۔ ان سے کوئی نہ پوچھتا کہ وہ واپس آئیں گے یا ہمیشہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

چند منٹ کا وقفہ دے کر میں غزالہ کے ساتھ نیچے اترا تو سلطان شاہ اور ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جلال اور اول خان کاؤنٹر پر کھڑے بے چینی سے اپنے حساب کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہماری طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ میں نے چابی دی تو کلرک نے مجھے پہچان کر پاسپورٹوں کے بارے میں سوال کیا۔

''ہمارا پانچواں ساتھی پھنس گیا ہے۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''ہم کو اسے چھڑانے کے لیے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔''

اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ''کیا اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب کے پاسپورٹ غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے۔ وہ سیسوپھون سے اگلی سرحدی چوکی پر ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا ہے۔ جب تک ہم وہاں جا کر سرحدی پولیس کو یقین نہیں دلا لیں گے کہ وہ پاسپورٹ ہمارے ہیں جو غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے، اس کی جان نہیں چھوٹے گی۔''

''اوہو..... یہ بہت برا ہوا۔ اب میرے ریکارڈ کا کیا ہوگا!'' اس کے چہرے پر تشویش کی علامات ابھر آئیں ''میں نے بھروسا کر کے تمہیں کمرے دے دیے تھے۔ مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا کہ میں نے تمہارے پورے کوائف لیے بغیر کمرے کیوں دیے؟''

''کچھ کر لو۔'' میں نے اسے آنکھ مار کر کہا ''مشکل یہ ہے کہ ہم چاروں کا چوکی پر جانا ضروری ہے ورنہ صرف ایک آدمی چلا جاتا۔ ذرا سی بے پروائی سے وقت کے ساتھ پیسا بھی برباد ہوگا۔''

''دیکھنا پڑے گا۔'' اس نے ہمارے روم کارڈز پر نظر دوڑاتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ ''ان معاملات میں حساب نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں رقم چھوڑنی ہوگی۔ واپس لوٹ کر پاسپورٹ دکھاؤ گے تو فائنل بل بنا دیا جائے گا۔ پیسے بھی واپس مل جائیں گے۔''

میرے حساب سے ہمارے تین چار سو ڈالر فاضل جمع تھے۔ سو دو ابر انہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ جلال اور اول خان حساب کر کے باہر جا چکے تھے۔

''گڈ لک!'' میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا ''واپسی پر تم سے ملاقات ہوگی۔''

ہم دونوں باہر نکلے اور نکلتے چلے گئے۔ ہوٹل کے پورچ میں ان چاروں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ احاطے سے باہر جانے پر وہ کچھ دور کھڑے ہوئے نظر آ گئے۔ سب کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی تھیں۔

ان لوگوں نے وقت برباد نہیں کیا تھا۔ دو خالی ٹیکسیاں ان کے قریب رکی ہوئی تھیں۔

جلال ہمارے ساتھ آ گیا۔ اول خان دوسری ٹیکسی میں

Downloaded from https://paksociety.com